حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

حدیثِ نبوی
اور
دورِ حاضر کے فتنے

تألیف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بینگلور

وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

مکتبہ مسیح الامت دیوبند وبنگلور

نام کتاب : حدیثِ نبوی اور دورِ حاضر کے فتنے

تالیف : حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی و مہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور

و خلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

صفحات : ۴۱۱

تاریخِ طباعت : ۳۰ نومبر ۲۰۱۵ء مطابق صفر المظفر ۱۴۳۷ھ

ناشر : مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

موبائل نمبر : 9634307336 / 9036701512

ای۔میل : maktabahmaseehulummat@gail.com

الفہرس

اللہ اکبر

التقریظ

محدثِ کبیر حضرت علامہ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وصدر المدرسین، دار العلوم دیوبند

نحمدهٗ ونصلي علىٰ رسوله الكريم :

فتن، ملاحم اور علامات قیامت کی روایات اہم ہیں ان کا خاص مقصد ملت کو زندگی کے نشیب وفراز سے واقف کرنا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی میں فتنوں کا شکار ہو کر متاع زندگی لٹا نہ دے، فتنے طرح طرح کے ہیں، سب سے بڑا فتنہ آدمی کا اندرونی فتنہ ہے کہ اس کا دل خراب ہو جائے اور عبادات میں حلاوت محسوس نہ ہو پھر خارجی فتن ہیں جیسے گھر میں فتنہ، اولاد میں فتنہ، مالی فتنہ، معاشرتی فتنہ، ملّی فتنہ، ملکی فتنہ اور آفاقی فتن، ان سب فتنوں سے واقفیت ضروری ہے تاکہ آدمی محتاط زندگی گزارے۔

ہمارے بزرگ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہ نے اس موضوع پر ایک قیمتی کتاب لکھی تھی مگر وہ خدمت کی محتاج تھی احادیث کی مفصل تخریج کی ضرورت تھی اور بہت سی باتیں تشریح طلب تھیں، اللہ جزائے خیر عطا فرمائے جناب مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب زید مجدہم کو انہوں نے یہ خدمت کما حقہ انجام دے دی ہے۔

اب ”حدیث نبوی اور دور حاضر کے فتنے“ ایک کامل ومکمل کتاب بن گئی ہے اور امید ہے اس سے امت کو بہت زیادہ نفع پہنچے گا میں نے کتاب مختلف جگہ سے دیکھی ہے ماشاء اللہ اچھی محنت کی ہے اللہ اس سعی جمیل کو قبول فرمائیں اور کتاب کو امت کے لیے نافع بنائیں اور ماتن اور شارح دونوں کے لیے رفع درجات کا ذریعہ بنائیں۔ (آمین)

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری
خادم دار العلوم دیوبند
۱۰ رمحرم ۱۴۲۵ھ

التقريظ

محدثِ کبیر، حضرت علامہ نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم
(استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند)

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ أما بعد:

آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خاتم النبیین ہیں اور قیامت تک اب کوئی دوسرا نیا نبی آنے والا نہیں ہے؛ اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت باقی رہے گی، جو دین کو اس کی اصلی شکل وصورت پر قائم رکھے گی، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا دور آخری دور ہے، جس میں پہلے دور کی بہ نسبت زیادہ تغیرات اور فتنوں کا ظہور ووقوع ہوگا، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے آنے والے ان تمام بڑے بڑے فتنوں کی نشان دہی فرمائی، تاکہ امت فتنوں سے بچنے کی تدبیریں کرتی رہے اور اس سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتی رہے، ان فتنوں کی نشان دہی کرنے کے مقاصد اور فوائد کو خود نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بیان فرمادیا ہے۔

اور اس اہم موضوع پر مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ایک کتاب تصنیف کی، جس میں انھوں نے پیش آنے والے فتنوں کو بیان کیا اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ان فتنوں کو بیان کرنے کے وجوہات کو بھی ذکر کردیا ہے، فتنوں سے حفاظت کے لیے یہ کتاب بے حد مفید وکارآمد ہے؛ اس کتاب کے مستند ہونے کے لیے مولانا موصوف رَحِمَہُ اللّٰہُ کا نام مصنف کی حیثیت سے کافی ہے۔

پھر مولانا مفتی محمد شعیب اللہ صاحب (مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور) نے ان احادیث کی تخریج وتشریح کی خدمت انجام دے کر، اس کتاب کی افادیت کو اور زیادہ سہل اور آسان بنادیا ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت سے نوازے اور اس کتاب کو تمام شرور وفتن سے امت کے لیے حفاظت کا ذریعہ بنائے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

نعمت اللہ غفرلہٗ

خادم التدریس دارالعلوم، دیوبند

۱۷ رمحرم ۱۴۲۵ھ بروز منگل

المقدمة

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین محمد بن عبد اللّٰہ الأمین، وعلیٰ آلہ الطاھرین وصحبہ الغر المیامین وعلی من تبعھم باحسان إلیٰ یوم الدین.

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جن کو ارحم الراحمین نے ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر بھیجا اور ساری کائنات کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ انجام دینے کی ذمہ داری سونپی اور نظامِ عالم کو محفوظ رکھنے اور اس کو ہر قسم کے خلل اور بے ربطی سے بچانے کے لیے تاکہ وہ فتنہ وفساد کی آماجگاہ نہ بن جائے، قوانین عطا فرمائے اور مکمل دستور دیا؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غایت شفقت اور امت پر غایت درجہ کرم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز سے روک دیا، جو امت کے کسی فرد کو کسی درجے میں بھی نقصان پہنچانے والی ہو؛ حتیٰ کہ جسمانی طور پر بھی تکلیف واذیت کا اندیشہ محسوس کیا، تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باز رہنے کی تلقین فرمائی اور دھاردار چیز مجمع میں لے کر چلنے سے منع فرمایا۔ غرض کہ ہر وہ چیز، جس سے خود کو یا دوسروں کو جسمانی اذیت پہنچے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔

جو نبی ایسا شفیق، ایسا ہمدرد، ایسا رہنما اور ہادی اور ایسا امت کا خیال رکھنے والا ہو اور اس کے لیے گھلنے پگھلنے والا ہو، وہ کیسے امت کو ایسے خطرات اور فتنوں سے آگاہ نہ کرے گا، جو اس کے دین وایمان پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور اس کے عقیدے کا سودا کر سکتے ہیں؟ یہی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام فتنوں سے خبردار کیا ہے؛ بل کہ تمام چھوٹے بڑے فتنوں کی جو قیامت تک پیش آنے والے ہیں، نشان دہی بھی فرمادی ہے۔ یہ نہایت درجہ رحم وکرم کی بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے خبردار کردیا کہ جو بچنا چاہے، وہ بہ آسانی بچ سکے اور

سامانِ حفاظت کر سکے؛ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے حفاظت کے لیے کیا کرنا چاہیے اس کے بھی واضح اشارے فرمادئے ہیں؛ مثلاً ''دجالِ اکبر'' کا فتنہ، جس سے ہر نبی نے اپنی امت کو خبردار کیا ہے، اس کا علاج جمعہ کے دن ''سورۂ کہف'' کی تلاوت سے بتایا اور دجالی فتنوں (جو وقتاً فوقتاً پیش آتے رہیں گے) سے بچنے کے لیے ''سورۂ کہف'' کی تلاوت کے ساتھ اس کی آیات کا تدبر بھی نہایت ہی مفید و مؤثر قرار دیا گیا۔(اس کے لیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی کتاب ''معرکۂ ایمان و مادیت'' کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا)

چوں کہ یہ دور فتنوں کا دور ہے، ہر طرف سے فتنے امنڈتے چلے آرہے ہیں، ضرورت تھی کہ عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے اور عام مجمعوں میں سنانے کے لیے ایک ایسی کتاب مرتب کی جاتی، جس سے ان فتنوں کا پردہ فاش ہو جاتا اور بچنے والے کے لیے راہ کھل جاتی۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ محبِ گرامی ''مولانا مفتی شعیب اللہ صاحب'' نے ''حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب'' رحمہ اللہ کی کتاب ''عصرِ حاضر حدیث نبوی کے آئینہ میں'' (جو عصرِ حاضر کا ایک جیتا جاگتا مُرقع ہے) کا اس کام کے لیے انتخاب فرمایا اور اس کی ''حدیثِ نبوی اور دورِ حاضر کے فتنے'' کے نام سے ایسی جامع اور عام فہم انداز میں تشریح فرمادی، جو چشم کشا، بصیرت افروز اور رہنما کتاب بن گئی ہے، اس کے ساتھ زمانے کا خیال کرتے ہوئے انھوں نے اس کی احادیث پر روایتی حیثیت سے بھی مکمل کلام کیا ہے؛ تا کہ اس راہ سے بھی کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ مولانا کے اس کام کو قبول فرمائے، فتنوں سے بچنے کا ذریعہ بنائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو استفادے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

فقط

محمد رابع

۵/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

(ناظم ندوۃ العلما لکھنؤ و صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

مقدمۂ کتاب از شارح

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ علیٰ سید المرسلین أما بعد:

فتنوں کا دَور

اس میں شک نہیں کہ موجودہ دور فتنوں اور آزمائشوں کا دور ہے اور فتنے بھی مختلف رنگ وروپ، مختلف طرز وانداز، مختلف نتائج وعواقب لے کر آتے جارہے ہیں۔ ہر دن ہی نہیں؛ بل کہ ہر آن ایک نیا فتنہ سامنے آتا ہے اور کوئی نہ کوئی گل کھلاتا ہے۔ خارجی فتنے بھی ہیں اور داخلی بھی، چھوٹے فتنے بھی ہیں اور بڑے بھی، چھوٹوں پر بھی فتنے ہیں اور بڑوں پر بھی، جانی ومالی فتنے بھی ہیں اور ایمانی وروحانی بھی اور ان فتنوں کی وجہ سے جہاں ہماری اقتصادیات ومعاشیات متاثر ہوتی ہیں، وہیں ہمارے ایمان واعمال کے لیے بھی خطرات لاحق ہیں؛ بل کہ بعض فتنوں کا تعلق براہِ راست ہمارے ایمان واعمال سے ہوتا ہے۔

احادیثِ فتن

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے آج سے چودہ سو سال قبل ان تمام پیش آنے والے فتنوں کا ذکر فرما کر، امت کو ان سے آگاہی بخشی تاکہ ان میں سے اختیاری فتنوں سے امت بچنے کی کوشش کرے؛ چناں چہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے امت میں پیدا ہونے والے فتنوں پر مستقل طور پر کلام فرمایا ہے اور بہت سی احادیث میں ان پر روشنی ڈالی ہے اور حضرات محدثین نے احادیث کو مستقل ابواب کے تحت ذکر کیا ہے اور بعض حضرات نے ان احادیثِ فتن پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ جیسے: ابوعمر الدانی نے ’’السنن الواردۃ في الفتن‘‘ اور نعیم بن حماد نے ’’کتاب الفتن‘‘ اور ابن الجوزی نے ’’اشراط الساعۃ‘‘ اور ابوبکر جابر الجزائری نے ’’الملقطات في بعض ماظھر للساعۃ من علامات‘‘ اور محمد بن رسول البرزنجی نے ’’الإشاعۃ لاشراط الساعۃ‘‘ وغیرہ اور بعض نے بعض خاص خاص فتنوں اور علاماتِ قیامت پر کلام کیا ہے اور کتابیں لکھی ہیں؛ جیسے: ’’دجال کے فتنے‘‘ پر متعدد حضرات نے قلم اٹھایا اور بعض نے ’’مہدی منتظر‘‘ کے بارے میں لکھا ہے اور بعض نے ’’نزولِ عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام‘‘ پر تصنیف کی ہے

اور چوں کہ فتن بھی دراصل علاماتِ قیامت کا ایک حصہ ہیں؛ اس لیے علاماتِ قیامت کے تحت ان فتن کا ذکر آ جاتا ہے۔ اسی طرح ''اشراط الساعة وعلامات الساعة'' پر لکھی گئی کتب لامحالہ فتن کی احادیث پر مشتمل ہوں گی۔

حدیث میں فتن پر کلام کی حکمتیں

حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس قدر تفصیل کے ساتھ فتن پر کلام اس لیے فرمایا ہے کہ

۱- بعض فتنوں کے جاننے سے ان سے حفاظت کا سامان کیا جا سکتا ہے کیوں کہ بہت سے فتنے وہ بھی ہیں، جو بندوں کے اختیار سے متعلق ہیں مثلاً: ایک حدیث میں ہے کہ فحش و تفحش کی زیادتی ہو جائے گی (دیکھو حدیث :۸) اور ظاہر ہے کہ یہ اختیاری کام ہے اور جو کام اختیاری ہو، اس میں فعل و ترک کی دونوں جہتیں اختیاری ہوتی ہیں، ایسا نہیں کہ اس کا کرنا تو اختیاری ہو اور چھوڑنا اور ترک کرنا غیر اختیاری ہو؛ لہٰذا اس قسم کے فتنوں کا جاننا، ان سے حفاظت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

۲- بعض فتنے غیر اختیاری ہیں، جیسے: دجال کا آنا وغیرہ، ان کے بتلانے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے شر سے آدمی واقف ہو جائے اور ان سے بچنا اس کے لیے آسان ہو جائے، ظاہر ہے کہ دجال کے آنے کا فتنہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے اور نہ یہ اختیار میں ہے کہ اس کو کوئی روک دے، ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ اس فتنے سے پیدا ہونے والے شر سے حفاظت کا سامان کیا جائے؛ اس لیے علامہ سفارینی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے فرمایا کہ

> ''ہر عالم پر ضروری ہے کہ وہ دجال کے سلسلے کی احادیث کو بچوں، مردوں، عورتوں سب کے درمیان پھیلائے، خصوصاً ہمارے زمانے میں، جس میں فتنوں کی بھرمار اور ابتلاؤں کی کثرت ہے اور سنت و شریعت کے راستے مٹ گئے ہیں''۔(۱)

مطلب یہ کہ اس قسم کے فتنوں سے امت کے ہر ہر فرد کو واقف کرانا چاہیے تا کہ وہ ان سے نمٹنے اور ان سے محفوظ رہنے کی سبیلیں تلاش کر لیں۔ اور دجال کے شر و فتنے سے حفاظت کے لیے حدیث میں سورۂ کہف کی ابتدائی تین یا دس آیات کی تلاوت کو مفید بتایا گیا ہے۔(۲)

۳- بعض فتنوں کے بارے میں خود حدیث نبوی نے وضاحت کر دی ہے کہ ان سے بچنے اور

---

(۱) لوامع الأنوار البهية : ۱۰۶/۲

(۲) الترمذي:۲۸۸٦، المسلم:۱۸۸۳

محفوظ رہنے کا طریقہ یہ ہے، جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا، ایک وجہ فتنوں پر کلام کرنے کی یہ بھی ہے۔

۴- اور بعض فتنوں کے بارے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا کہ ان سے دور رہو یا ان کو نہ لو؛ جیسے فرمایا کہ "دریائے فرات سوکھ جائے گا اور اس میں سونے کا خزانہ ظاہر ہوگا، تم اس سے کچھ نہ لینا"۔(۱)

ظاہر ہے کہ اس فتنے کا سدِ باب اس طرح تو ہو نہیں سکتا تھا کہ فرات کا پانی نہ سوکھے یا سونے کا خزانہ ظاہر نہ ہو؛ البتہ یہ اِمکان واختیار میں تھا کہ اس سونے سے کچھ نہ حاصل کیا جائے۔

۵- ایک وجہ ان فتنوں سے آگاہ کرنے کی یہ بھی ہے کہ اہلِ علم اصلاحِ امت میں ان اختیاری فتنوں کے درآنے سے امت کو متنبہ کرتے رہیں اور اصلاحِ احوال کی کوشش کی جائے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شر وفتنوں کے بارے میں سوالات کیا کرتے تھے، جب کہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی باتیں پوچھتے تھے، تا کہ شر ان کو نہ پہنچے۔(۲)

معلوم ہوا کہ فتنوں سے آگہی امت میں فتنوں کے درآنے سے روکنے کا سبب ہوتی ہے؛ چناں چہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہم تک پہنچایا اور ہم ان کو پڑھ کر، سن کر، ان سے بچنے کا سامان پیدا کر سکتے ہیں۔

۶- اور سب سے بڑی وجہ ان فتنوں کے بیان کرنے کی یہ ہے کہ فتنے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، علاماتِ قیامت میں سے ہیں، ان کے بیان کرنے سے یہ علم ہوگا کہ قیامت قریب سے قریب تر ہوتی جارہی ہے اور جس قدر ان فتنوں کی کثرت ہوگی، اسی قدر قیامت کی قربت کی طرف اشارہ ملتا رہے گا، اس سے آدمی کو قیامت وآخرت کے دن کے لیے تیاری اور ایمان واعمال میں چستی اور قلب میں نیکی واطاعت کے لیے بیداری کا جذبہ پیدا ہوگا۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ نے اسی کو لکھا ہے کہ

"الحكمة في تقدم الإشراط إيقاظ الغافلين وحثهم على التوبة والاستعداد" ۔(۳) (یعنی علاماتِ قیامت کے مقدم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غفلت

---

(۱) البخاري :۷۱۱۹، المسلم:۷۴۷۵

(۲) البخاري :۳۶۰۶، المسلم:۴۷۸۴

(۳) فتح الباري :۱۱/۳۵۰

زدہ لوگوں کو بیدار کیا جائے اور ان کو توبہ اور آخرت کے لیے تیاری پر ابھارا جائے۔)

تو جس طرح خود علامات کا ظاہر ہونا توبہ و تیاری و بیداری کا سبب ہے، اسی طرح ان علامات کا جاننا بھی اس کے لیے مفید ہوتا ہے۔

ایک عوامی شبہے کا جواب

غرض یہ کہ مختلف وجوہات سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے براہِ شفقت و مہربانی، امت کو ان فتنوں سے آگاہ فرمایا، ہماری اس تقریر سے وہ عوامی شبہ دور ہو گیا، جس کو بعض لوگ پیش کیا کرتے ہیں کہ جب ان فتنوں کا آنا اور ظاہر ہونا حق ہے اور ضرور ہونا ہے، تو ان کو بتانے کا کیا فائدہ اور ہم کیسے بچ سکتے ہیں؟ اس کا جواب اوپر کی تفصیل سے بحمد اللہ اچھی طرح واضح ہو گیا اور اس کی مختلف حکمتیں اور وجوہات سامنے آگئیں۔

احادیثِ فتن پر جاہلانہ تبصرے

نیز یہاں ان لوگوں کی غلطی بھی واضح ہو گئی، جو ان فتنوں کا ذکر سن کر ان کا مذاق و استہزا کرتے ہیں، بعض لوگ دجال کا ذکر سن کر اس فتنے کو بعید از عقل کہتے ہیں اور اس حقیقت کا مذاق اڑاتے ہیں، اسی طرح اور امور کے بارے میں بے تکے جملے کہتے اور جاہلانہ تبصرے کرتے ہیں، یہ انتہائی خطرے اور خدشے کی بات ہے؛ بالخصوص جب کہ وہ فتنے احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوں، تو ان کا مذاق اور استہزا یا انکار در اصل ان احادیث کا استہزا اور انکار ہوگا، جن کی بنیاد پر ان فتن کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

شبیر احمد میرٹھی کا تعاقب

ابھی قریب میں میرے سامنے ایک کتاب آئی، جس کا نام ہے "احادیثِ دجال کا تحقیقی مطالعہ" اس کے مصنف کا نام ہے "شبیر احمد ازہر میرٹھی" اور کتاب کی پشت پر مصنف کا تعارف کراتے ہوئے ان کو محدث اور مفسر لکھا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دار العلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کیا اور "شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ" سے شرفِ تلمذ پایا اور "ندوۃ العلماء" سمیت مختلف بڑے مدارس میں ایک عرصے تک بخاری کا درس دیا ہے؛ مگر ایسا لگتا ہے کہ ان حضراتِ اکابر اور ان مستند

اداروں سے ان صاحب کو صحیح نسبت اور صحیح تلمذ حاصل نہیں۔

ان کی اس پوری کتاب کا مقصد دجال سے متعلق احادیث کے نام پر انکار و تردید ہے اور اس کے کاتب نے اس کتاب میں صاف لکھا ہے کہ

''اس سلسلے کی تمام روایات کذاب راویوں کی گھڑی ہوئی ہیں''۔(۱)

پھر اس پوری کتاب میں اس سلسلے میں آئی ہوئی روایات کو بلا کسی دلیل کے، محض اٹکل سے اس طرح رد کیا ہے، جیسے کسی معمولی آدمی کی بات کو جاہل لوگ آپس میں بحث کے دوران رد کرتے ہیں؛ یہاں مثال کے طور پر ایک دو باتیں نقل کرنا مناسب ہوگا۔

ایک جگہ پر دجال کے بارے میں مسلم کی ایک حدیث، جس کو ''ابو الوداک'' نے حضرت ابو سعید خدری ﷺ سے روایت کیا ہے نقل کر کے لکھا کہ

''یہ گپ شپ ''ابو الوداک'' کی ہانکی ہوئی ہے، اس شخص نے ابو سعید خدری ﷺ پھر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا پردازی کر کے فائدہ اٹھایا''۔(۲)

یہ اندازِ کلام جس قدر اپنے اندر سوقیانہ پن رکھتا ہے، اس کا اندازہ کچھ مشکل نہیں؛ پھر یہ ''ابو الوداک'' جن پر اس مصنف نے یہ افترا پردازی کی ہے کہ ان کو جھوٹا قرار دے دیا، یہ جمہور علما کے نزدیک ثقہ اور قابلِ اعتبار محدث ہیں، ان کو صرف امام نسائی نے ''لیس بقوي'' کہا ہے اور کسی نے ان کو کذاب یا وضاع نہیں کہا ہے۔(۳)

اب ذرا دیکھیے کیا اسی بڑ اور ہانک کا نام تحقیق ہے؟

ایک اور مثال لیجیے! ان مصنف صاحب نے ایک اور جگہ بخاری، مسلم کے حوالے سے حضرت ابو سعید خدری ﷺ کی ایک حدیث نقل کی اور اس کے بعد کہا کہ یہ ''ابو سعید خدری'' صحابی نہیں؛ بل کہ مشہور کذاب ''یحيٰ بن ابی حیہ ابو جناب کوفی'' ہے؛ پھر اس کے بعد اپنے اس فاسد خیال کی جو دلیل دی ہے، وہ تو دل چسپ اور ''مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ'' کا مصداق ہے؛ وہ یہ کہ ابنِ ماجہ میں حضرت ابو امامہ باہلی ﷺ سے ایک حدیث دجال کے بارے میں آئی ہے، اس میں ضمناً ایک قول ''ابو سعید'' نامی کذاب شخص کا نقل کیا گیا ہے؛ اس لیے بخاری اور مسلم کی حدیث میں

(۱) احادیثِ دجال کا تحقیقی مطالعہ:۹

(۲) احادیثِ دجال کا تحقیقی مطالعہ:۱۳

(۳) دیکھو: تهذيب التهذيب:۲/۶۰

"ابوسعید" سے جو روایت ہے، اس سے یہی ابوسعید کذاب مراد ہے نہ کہ حضرت ابوسعید خدریؓ صحابیِ رسول۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اسی کا نام تحقیق ہے اور اسی کو دلیل کہتے ہیں، تو پھر صاف یہی کیوں نہ کہہ دیا کہ چوں کہ ابن ماجہ میں ایک جگہ ابوسعید کذاب کا ذکر آیا ہے؛ اس لیے جہاں بھی ابوسعید کا ذکر آیا ہے، اس سے یہی ابوسعید کذاب مراد ہے اور ابوسعید خدری ﷺ صحابی کی کوئی حدیث ہی نہیں ہے؟ فیا للعجب!!

ان دو مثالوں سے شبیر احمد ازہر میرٹھی کی حدیث دانی کا اندازہ اچھی طرح ہو جاتا ہے کہ وہ محض اوہامِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ کا نام علم اور حدیث دانی رکھے ہوئے ہیں، اسی طرح پوری کتاب میں محض اپنے اوہام وخیالات سے صحیح احادیث کو ٹھکرایا ہے اور بخاری، مسلم اور دیگر کتبِ حدیث کے ثقہ اور قابلِ اعتبار راویوں کو کذاب دجال اور وضاع قرار دیا ہے اور ان جلیل الشان محدثین اور ائمۂ کرام کو عقل سے بے بہرہ و جاہل اور اس سے بڑھ کر اللہ سے بے خوف اور نڈر کہا ہے؛ اس طرح دین کے ایک مسلمہ عقیدے کو غلط اور یہود کا دیا ہوا عقیدہ کہہ کر امت میں فتنہ ڈالنے کی کوشش کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے لوگوں کا وجود خود ایک فتنہ ہوتا ہے اور ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

میرا مقصد اس جگہ اس کے ذکر سے یہ ہے کہ احادیثِ فتن کے سلسلے میں جو لوگ انکار اور اعراض کی روِش پر چل رہے ہیں یہ دراصل خطرات کے راستے پر چل رہے ہیں؛ اس لیے ان کو اس قسم کے لوگوں کے بہ جائے جمہور اہلِ علم اور سوادِ اعظم کے پیچھے چلنا چاہیے۔

احادیثِ فتن سے عبرت

غرض یہ کہ آج اس کی ضرورت ہے کہ ہم بہ غور احادیثِ فتن کا مطالعہ کریں اور ان میں سے جو فتنے اختیاری ہیں، ان کو ختم کرنے کی کوشش کریں اور جو غیر اختیاری ہیں، ان کے شر سے خود کو اور دوسروں کو محفوظ رکھنے کی تدبیر کریں اور ہر صورت میں آخرت وقیامت کا استحضار کر کے توبہ وانابت، طاعت وعبادت، زہد وقناعت، تقویٰ وطہارت کی طرف پیش قدمی کریں۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں

زیرِ نظر کتاب (حدیثِ نبوی اور دورِ حاضر کے قیامت خیز فتنے) بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں احادیثِ فتن کی تحقیق اور تشریح ہے اور یہ کتاب دراصل شرح ہے ''عصرِ حاضر حدیثِ نبوی کے آئینے میں'' کی جس کو مشہور و معروف عالمِ دین حضرت اقدس مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ نے تحریر فرمایا تھا۔ مولانا موصوف نے اپنی اس کتاب ''عصرِ حاضر'' میں (۹۲) احادیث و آثار اور ان کا با محاورہ ترجمہ مع عناوین رقم فرمایا تھا اور ان ساری احادیث کا تعلق موجودہ دور کے فتنوں سے ہے، جس کو پڑھنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کیا ہے؟ ایک (TELEVISION) ٹیلی ویژن ہے، جس میں موجودہ دور کی منظر کشی اس طرح کی گئی ہے کہ سرِ مو کوئی انحراف نہیں ہے اور محض خیالی نہیں؛ بل کہ واقعی و حقیقی منظر کشی ہے۔

میرے عزیز گرامی قدر ''مولانا شکیل احمد صاحب رشادی قاسمی'' مدرس مدرسہ کاشف الہدی مدراس، نے دو سال قبل جب یہ کتاب ''عصرِ حاضر'' بہ طورِ ہدیہ مجھے دی، جس کو خود انھوں نے ہی چھپایا بھی تھا، تو میں نے بالاستیعاب اس کا اسی وقت مطالعہ کیا اور اسی دوران میرے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس کی شرح لکھی جائے۔

شرح کی ضرورت

کیوں کہ میں نے محسوس کیا کہ بعض مقامات پر احادیث میں اشارات و کنایات کی زبان استعمال فرمائی گئی ہے، جس سے قاری مقصدِ کلام کو پوری طرح سمجھ نہیں پاتا اور محسوس کرتا ہے کہ اس کی توضیح کی ضرورت ہے بعض جگہ؛ بل کہ اکثر مقامات پر احادیث میں اجمال و اختصار سے کام لیا گیا ہے، جن کی تفصیل و تشریح کے بغیر عام لوگ کماحقہٗ ان کے مطالب تک رسائی نہیں پا سکتے؛ نیز بعض جگہ جس فتنے کا ذکر ہے، اس کے مالہٗ و ماعلیہ کے بارے میں عام لوگ واقف نہیں ہوتے؛ اس لیے ایسی جگہوں پر اس فتنے کے مالہٗ و ماعلیہ کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوا، تا کہ علی وجہ البصیرت استفادہ کیا جا سکے بعض جگہ بعض احادیث پر تعارض کا یا اور کسی طرح کا اشکال و اعتراض بھی پیدا ہوتا تھا، جس کے جواب کی ضرورت تھی؛ نیز مصنف علامؒ نے اکثر جگہ احادیث کی تخریج اصل ماخذ کے بہ جائے کتبِ تفاسیر یا ثانوی درجے کے ماخذ سے کی ہے اور اس میں بھی (غالباً اختصار کے پیشِ نظر) مکمل

حوالجات کا اہتمام نہیں کیا ہے اور نہ حدیث کا درجہ بتایا ہے، ان وجوہات اور ان کے مثل دیگر وجوہات کی بنا پر داعیہ پیدا ہوا کہ اس کتاب کی مبسوط شرح لکھوں۔

شرح میں میرا طریقۂ کار

چناں چہ اس کام کا آغاز کیا گیا اور اس میں درجِ ذیل امور کا لحاظ رکھا گیا ہے:

۱- احادیث کی مکمل تخریج کی گئی ہے اور اس کے لیے میرے پاس موجود امہاتِ کتبِ حدیث اور کتبِ تخریجِ حدیث کے علاوہ اور احادیث پر آئی ہوئی سی ڈی (C-D) سے بھی میں نے استفادہ کیا ہے؛ جیسے: "المكتبة الألفية للسنة النبوية"، "الكتب التسعة"، "المكتبة الفقهية" اور "مكتبة التفسير وعلوم القران"؛ البتہ اصل بنیاد کتابوں پر رکھی گئی ہے اور احادیث کی تلاش و جستجو میں سہولت کی خاطر اور اپنی تحقیق کی تائید و تقویت کے لیے سی ڈی سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۲- احادیث کی صحت وضعف پر بھی کلام کیا گیا ہے تا کہ حدیث کا درجہ بھی معلوم ہو؛ اس کے لیے اکثر جگہ علمائے محدثین نے جو لکھا ہے، تلاش و جستجو کر کے اس کو نقل کیا گیا ہے، بعض جگہ کسی کا کلام نہ مل سکا، تو فنِ اسماء الرجال و اصول حدیث کے مطابق اس پر میں نے خود روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

۳- حدیث کا ترجمہ وہی برقرار رکھا گیا ہے، جو حضرت مصنف علام رحمہ اللہ نے کیا تھا، ہم نے اس میں کوئی ردو بدل نہیں کیا ہے؛ البتہ ایک دو جگہ مصنف کے ترجمے پر اشکال ہوا، تو شرح میں اس پر کلام کیا ہے۔

۴- ہر حدیث کے تحت حدیث میں آئے ہوئے ایک یا ایک سے زائد مضمون کو الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے، ہمارے حضرت مصنف رحمہ اللہ نے ایک حدیث سے ایک ہی عنوان اخذ کیا تھا جب کہ بہت سی احادیث میں متعدد مضامین بھی بیان کیے گئے ہیں؛ اس لیے ہم نے حدیث نمبر دے کر اس کے تحت آئے ہوئے مضامین کو الگ الگ عنوانات کے تحت لکھ دیا ہے۔

۵- حدیث کی شرح مکمل طور پر کی گئی ہے؛ مگر لفظی ونحوی تحقیقات کے بہ جائے نفسِ مفہوم کی توضیح وتشریح کا راستہ اختیار کیا گیا ہے اور مذکورہ فتنوں کی نشان دہی اور ان کے انطباق کا اہتمام کیا ہے

اور اس کے ساتھ ساتھ، جگہ جگہ عبرت ونصیحت حاصل کرنے پر ابھارا گیا ہے اور شرح حدیث میں قرآن وحدیث کے ذریعے شرح کو مقدم رکھا گیا ہے اور اس کے لیے متعلقہ احادیث کی تحقیق کا بھی خاصا اہتمام کیا گیا ہے اور اس کے بعد صحابہ وائمۂ حدیث کی تشریح کو اختیار کیا گیا ہے اور اس کے لیے شروحاتِ حدیث سے مراجعت کا ہر جگہ لحاظ کیا گیا ہے؛ اس سلسلے میں جن شروحات سے زیادہ استفادہ کیا گیا ان میں علامہ ابن حجر کی "فتح الباري"، علامہ نووی کی "شرح المسلم"، علامہ ابن عبد البر کی "التمهيد"، علامہ عبد الرؤف المناوی کی "فيض القدير شرح الجامع الصغير"، ملا علی قاری کی "مرقاة المفاتيح"، علامہ ابن رجب کی "جامع العلوم والحكم"، علامہ خلیل احمد سہارنپوری کی "بذل المجهود"، علامہ زرقانی کی "شرح المؤطا"، علامہ عظیم آبادی کی "عون المعبود"، علامہ مبارکپوری کی "تحفة الأحوذي" وغیرہ کتب ہیں، جن کا حوالہ اپنی جگہ دے دیا گیا ہے اور جہاں کسی سے بھی کوئی بات نہ مل سکی، تو اپنی فہمِ ناقص سے جو سمجھ سکا، اس کو پیش کیا ہے۔ إن كان صواباً فمن الله وإن كان خطأً فمني ومن الشيطان اگر کسی کو ایسی جگہ میری غلطی ملے، تو براہِ کرم مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

امتنان، تشکر ودعا

آخر میں بہ طورِ امتنان وتشکر یہ عرض کرنا بھی مناسب ہے کہ اس شرح کی تیاری میں متعدد حضرات نے میرے ساتھ پورا پورا تعاون فرمایا اولاً "مولانا مفتی ابرار الحق صاحب" حفظہ اللہ تعالیٰ (مدرس جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور) کا مجھے بڑا تعاون ملا کیوں کہ بندے کو چند سالوں سے گردن اور ہاتھ کے درد کی شکایت ہے، جس کی وجہ سے مسلسل لکھنا اور ہاتھ سنبھال کر لکھنا انتہائی مشکل ہے، جب اس کتاب کے لکھنے کا خیال وداعیہ ہوا، تو بار بار درد کا مسئلہ ہمت توڑ رہا تھا، آخر یہ سمجھ میں آیا کہ ہاتھ پر زور زیادہ ڈالے بغیر سرسری انداز پر کچی تحریر کر دیا کروں اور "مولانا ابرار الحق صاحب" اس کو دوسری کاپیوں میں صاف کر دیا کریں اللہ جزائے خیر دے مولانا کو کہ انھوں نے مسلسل محنت کی اور میری کچی تحریر کو کاپیوں میں صاف کیا، اس طرح ایک اہم اور بہت بڑا مسئلہ حل ہوا، میں دل کی گہرائیوں سے مولانا کا مشکور ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کا ان

کو بھر پور صلہ عطا فرمائے۔

ثانیاً ”مولوی محمد ایوب کشمیری قاسمی“ سلمہ (سابق مدرس جامعہ مسیح العلوم) نے نظرِ ثانی کرتے ہوئے میری کچی تحریر اور ”مولانا ابرار الحق صاحب“ کی پکی تحریر کا مکمل موازنہ ومقابلہ کیا؛ نیز ضرورت پر حوالجات کی مراجعت وتصحیح کا کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزائے خیر سے نوازے۔

ثالثاً عزیزانِ گرامی قدر مولوی محمد زبیر احمد سلمہ، محمد رفیع اللہ سلمہ (سابق متعلمان جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم) نے کمپوز شدہ مواد کا اصل کاپیوں سے مقابلہ وتصحیح کرکے اس کتاب کو اس لائق بنا دیا کہ وہ طباعت کے لیے حوالے کی جاسکے؛ طالبِ علمانہ زندگی کی مصروفیات کے ساتھ مستقل طور پر اس کام کے لیے وقت نکالنا اور خوش اسلوبی وخوش دلی کے ساتھ اس کو انجام دینا قابلِ تعریف جدوجہد ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے ان عزیزوں کے علم وعمل میں برکت واضافہ عطا فرمائے اور مزید علمی ودینی خدمات کی توفیق سے نوازے۔

اس کتاب کا اصل مسودہ آج سے دس ماہ قبل ۳ر شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ کو ختم ہوا تھا اور آج ۶ر جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ مطابق ۵ر اگست ۲۰۰۳ء کو اس کا مقدمہ لکھا جا رہا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے کہ اس نے مجھ حقیر کو اس اہم علمی خدمت کے لیے توفیق بخشی، جب کہ میں قطعاً اس لائق نہ تھا۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس شرح کے ذریعے امت کو بھر پور نفع پہنچائے، جس طرح اصل کتاب سے اس نے نفع پہنچایا ہے اور اپنے نزدیک درجۂ قبولیت سے نوازے۔ (آمین ثم آمین)

فقط

محمد شعیب اللہ خان

(مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

۶ر جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ م ۵ار اگست ۲۰۰۳ عیسوی

تذکرہ

حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی شہید رحمہ اللہ

نوٹ - یہاں "عصرِ حاضر حدیثِ نبوی کے آئینے میں" کے مصنف حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کے مختصر حالات درج کیے جا رہے ہیں:

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ ۱۹۳۳ء میں مشرقی پنجاب کے مشہور شہر "لدھیانہ" کے ضلع میں واقع "عیسیٰ پور" نامی بستی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد "الحاج چودھری اللہ بخش" تھے جو زمین دار بھی تھے اور دین دار بھی اور اپنی دین داری کی وجہ سے مُلّا کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ آپ کی شیر خوارگی کے زمانے ہی میں انتقال کر گئیں، آپ نے قرآن پاک کی تعلیم "قاری ولی محمد صاحب" سے حاصل کی اور ۱۳ برس کی عمر میں لدھیانہ میں "مدرسہ محمودیہ اللہ والا" میں داخلہ لیا پھر "جامعہ انوریہ" میں تعلیم حاصل کی؛ پھر ملتان میں "جامعہ رحمانیہ" اور بھاول نگر میں "جامعہ قاسم العلوم" میں بھی زیرِ تعلیم رہے اور علومِ اسلامیہ کی تکمیل "جامعہ خیر المدارس، ملتان" سے کی، آپ کے اساتذہ میں "حضرت مولانا خیر محمد جالندھری"، "حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری"، "علامہ محمد شریف کاشمیری"، "حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ملتانوی" رحمہم اللہ جیسی باکمال شخصیات ہیں۔

آپ نے فراغت کے بعد مختلف مدارس میں تدریس کی خدمات انجام دیں، ظاہری علوم کی تکمیل کے ساتھ آپ نے باطنی علوم کی تحصیل کی غرض سے اولاً حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ خلیفہ حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ سے وابستہ ہوگئے اور آپ کی وفات کے بعد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور آپ کی طرف سے خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوئے؛ پھر حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحیٔ رحمہ اللہ سے بھی آپ کو خلافت حاصل ہوئی، آپ نے بہت سی تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں، جن میں سے بعض معرکۃ الآرا ہیں۔

۱-آپ کے مسائل اور ان کا حل (دس جلدیں) ۲-اختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم (دو حصے) ۳-دنیا کی حقیقت ۴-آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات (شرح ترمذی، ۲ حصے) ۵-تحفۂ

قادیانیت (۳ جلدیں) ٦- مسائلِ یوسفی وغیرہ مایۂ ناز کتابیں ہیں۔

آپ کو قدرت نے درس وتدریس، وعظ وخطابت، تصنیف وتالیف، وغیرہ شعبہ جات میں پوری قدرت عطا فرمائی تھی اور آپ شروع ہی سے ان تمام ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے، دعوت وتبلیغ احقاقِ حق وابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیتے رہے، مختلف باطل فرقوں کے خلاف آپ کی زبان وقلم تلوار بن کر نبرد آزمائی کرتی رہی۔ بالخصوص قادیانیت کے خلاف آپ کے قلم سے اللہ تعالیٰ نے وہ خدمت لی، جو ایک پوری جماعت اور اکیڈمی کی خدمت کے برابر ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خصوصیات کے ساتھ، جو سب سے بڑی خصوصیات سے نوازا تھا، وہ آپ کا دین پر مر مٹنے کا جذبہ ہے، آپ کی وفات چند نامعلوم دشمنوں کے حملے سے ہوئی اور آپ کے دیرینہ جذبے کے مطابق اللہ نے آپ کو شہادت کی موت سے سرفراز فرمایا۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحدیث الشریف - ۱

« عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ ﷺ قَالَتْ: قِيلَ (وَفِي رِوَايَةٍ قُلْتُ) أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟ قَالَ: نَعَمْ! إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ »

ترجمہ: ام المومنین حضرت زینب بنت جحش ﷺ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! کیا ہم ایسی حالت میں بھی ہلاک ہو سکتے ہیں، جب کہ ہمارے درمیان نیک لوگ موجود ہوں گے؟ فرمایا: ہاں! جب (گناہوں کی) گندگی زیادہ ہو جائے گی۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح بہ رقم: (۳۳۴۶) مسلم نے بہ رقم: (۷۲۳۵) ترمذی نے سنن میں بہ رقم: (۲۱۸۷) ابن ماجہ نے سنن میں بہ رقم: (۳۹۵۳) احمد نے اپنے مسند میں بہ رقم: (۲۷۴۱۳) ابن حبان نے اپنی صحیح میں: (۳۲۷) اور بیہقی نے شعب الإیمان: (۷۵۹۸) میں روایت کیا ہے اور حدیث صحیح ہے جیسا کہ امام بخاری و امام مسلم کی تخریج سے ظاہر ہے۔ یہاں ہمارے مصنف نے جو حدیث نقل کی ہے، وہ دراصل ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے، جو حضرت زینب بنت جحش ﷺ سے مروی ہے۔ پوری حدیث یہ ہے کہ حضرت زینب ﷺ فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس گھبرائے ہوئے تشریف لائے، فرمارہے تھے کہ لا إلـه إلا الـلّٰه (اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں) خرابی ہے عرب کے لیے، اس شر کی وجہ سے جو قریب ہو چکا ہے، آج یاجوج وماجوج کی دیوار میں سے اتنا کھل چکا ہے، یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سوراخ کی مقدار بتانے کے لیے) اپنی دو انگلیوں سے یعنی انگوٹھے اور اس سے ملی ہوئی انگلی

سے حلقہ بنایا (اور دکھایا) اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ کیا ہم ہلاک کر دیے جاسکتے ہیں، جب کہ ہم میں صالحین اور نیک لوگ موجود ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! جب خبائث زیادہ ہو جائیں (تو ایسا ہو سکتا ہے) کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ساروں کو ہلاک کر دے۔

حدیث میں متعدد قابلِ غور باتیں

۱- ایک بات تو یہ فرمائی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ خوف زدہ اور گھبرائے ہوئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے، یہ خوف اس شر اور فتنے کے ملاحظے سے پیدا ہوا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا یا بتایا گیا تھا۔

۲- دوسرے یہ کہا گیا کہ آپ (لا إله إلا الله) فرما رہے تھے، یہ تعجب و حیرت کے اظہار کے لیے تھا۔

۳- " وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِاقْتَرَبَ " یعنی عرب کے لیے ویل وخرابی ہے اس شر سے، جو قریب ہو چکا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس شر سے آگاہ کرنے اور ان کو متوجہ کرنے کے لیے فرمایا تھا کہ وہ اس شر سے بے خبر و بے پرواہ نہ ہوں اور ہلاک نہ ہو جائیں اور عرب کی تخصیص اس لیے کہ اس وقت اسلام عربوں ہی میں زیادہ تر رائج اور پھیلا ہوا تھا، ورنہ اصل تو تمام اہلِ اسلام کو متوجہ کرنا مقصود ہے۔

یاجوج وماجوج کا فتنہ

۴- " فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ مِثْلَ هٰذِهِ الخ " (آج یاجوج ماجوج کی دیوار کا اتنا حصہ کھل گیا) یہ کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انگوٹھے اور اس سے ملی ہوئی شہادت کی انگلی سے حلقہ بنا کر دکھایا کہ اتنا کھل گیا ہے۔ یاجوج وماجوج کے بارے میں کافی اختلاف ہے کہ یہ کون اور کیسے ہیں؟ صحیح یہ ہے کہ یاجوج وماجوج انسانوں ہی میں سے ایک کافر قوم ہے اور بہت سے علما نے ان کو ترکوں میں شمار کیا ہے، حضرت ذوالقرنین رحمہ اللہ نے ان کو ایک جگہ دو پہاڑوں کے درمیان لوہے اور سیسے کی دیوار بنا کر بند کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ

﴿ فَمَا اسْطَاعُوٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴾ [الکھف: ۹۷، ۹۸]

ترجمہ: یہ (یاجوج وماجوج) اس کی طاقت نہیں رکھتے کہ اس پر چڑھ جائیں اور نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں کہ اس میں سوراخ کردیں، یہ میرے رب کی رحمت سے (میں نے ایسی دیوار بنادی) ہے؛ جب میرے رب کا وعدہ آئے گا، تو وہ اس کو پارہ پارہ کردے گا۔

یہ قوم یاجوج وماجوج انتہائی شریر اور فسادی مزاج رکھتی ہے اور احادیث میں ہے کہ

یہ جب آئے گی، تو ساری دنیا میں پھیل جائے گی اور شر وفساد پھیلائے گی اور یہ حضرت عیسیٰ کے دوبارہ نزول کے وقت ہوگا اور یہ قوم ایک سمندر پر سے گذرے گی اور اس کا سارا پانی پی جائے گی۔(۱)

زیرِ بحث حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شر سے آگاہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ ان کی اس دیوار میں ایک سوراخ ہوگیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سوراخ کو مزید کشادہ ووسیع کرکے اس سے نکل آئیں گے اور ان کا نکلنا قریب ہوچکا ہے۔

ہلاکت کا خطرہ کب؟

قَالَتْ زَيْنَبُ: اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے (جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ زوجہ ہیں، جن کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر کیا) عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم اس وقت بھی ہلاک کردیے جاسکتے ہیں، جب کہ ہم میں صالح اور نیک لوگ ہوں؟

یہ سوال حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس لیے کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یاجوج وماجوج کے فتنے اور ان کی طرف سے پیش آنے والے شر وفساد کا ذکر کیا، تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے خیال فرمایا کہ ابھی تو اتنے صحابہ ہیں اور بہت سے نیک، صالح ومتقی ومقرب لوگ زندہ ہیں اور خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، تو اس فتنے سے ڈر وخوف کی کیا وجہ؟ کیا ان نیک لوگوں کے ہوتے ہوئے ہم ہلاک ہوجائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہاں! ایسا ہوسکتا ہے، جب کہ خبث زیادہ ہوجائے "خَبَث" خا اور با کے فتحے کے ساتھ ہے، اس کے معنے ہیں: فسق وفجور اور برائی؛ یعنی کفر وشرک اور معصیت زیادہ ہوجائے۔

---

(۱) مسلم: ۷۵۶۰

اور بعض نے خُبث خا پر پیش اور با پر جزم کے ساتھ پڑھا ہے، جس کے معنے ہیں: ''بے حیائی'' دونوں کا مآل ومقصود ایک ہے۔(۱)

غرض یہ کہ نیک لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی برائی اور فسق وفجور زیادہ ہو جائے، تو ایسا ہو سکتا ہے کہ بروں کے ساتھ ان صالحین ومتقین کو بھی ہلاک کر دیا جائے؛ چناں چہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

''مقصود یہ ہے کہ جب مثلاً: آگ کسی جگہ پڑتی ہے اور بھڑک اٹھتی ہے، تو وہ خشک وتر، دونوں کو کھائی جاتی ہے اور ناپاک وپاک، سب پر حاوی ہو جاتی ہے اور مؤمن ومنافق اور مخالف وموافق میں کوئی فرق نہیں کرتی۔(۲)

ہاں! جب قیامت میں اٹھایا جائے گا، تو اچھوں کو ان کے اچھے اعمال کے موافق اور بُروں کو ان کے برے اعمال کے موافق جزا وسزا ہوگی؛ چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ایک جماعت کعبے کو ڈھانے کے لیے نکلے گی، جب وہ ایک میدان میں ہوں گے، تو وہاں کے سب لوگوں کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! سب کو کس طرح دھنسا دیا جائے گا، جب کہ ان میں بُرے بھی ہوں گے اور وہ بھی، جو ان میں سے نہیں ہیں؟!!(یعنی اچھے لوگ بھی ہوں گے) آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ سب کو دھنسا دیا جائے گا؛ پھر ان کی نیتوں کے مطابق ان کو اٹھایا جائے گا۔(۳)

عبرت ونصیحت

معلوم ہوا کہ دنیا میں اچھے لوگ اگر برائی کو دور نہ کریں گے اور بروں اور برائیوں کی کثرت ہو جائے گی، تو عذاب میں سب گرفتار ہوں گے؛ یہ بڑا فتنہ اور مصیبت ہے۔ اس مضمون پر قرآن کی ایک آیت بھی شہادت دیتی ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (سورۃ الأنفال:۲۵)

ترجمہ: اور بچتے رہو اس فساد سے جو تم میں سے خاص ظالموں ہی پر نہیں آئے گا اور جان لو کہ

---

(۱) مرقاۃ: ۵۲۳/۹

(۲) مرقاۃ: ۵۲۳/۹

(۳) البخاري: ۲۱۱۸ واللفظ لہ، والمسلم: ۷۲۴۴

اللہ کا عذاب سخت ہے۔

ایک آیت کی تفسیر

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کی تفسیر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

''اور جس طرح تم پر اپنی اصلاح کے متعلق طاعت واجب ہے، اسی طرح یہ بھی طاعتِ واجبہ میں داخل ہے کہ بہ قدرِ وسعت دوسروں کی اصلاح میں بہ طریق امر بالمعروف ونہی عن المنکر، بالید یا باللسان ترکِ اختلاط یا نفرت بالقلب، جو کہ آخری درجہ ہے، کوشش کرو! ورنہ درصورتِ مداہنت، ان منکرات کا وبال جیسا مرتکبینِ منکرات پر واقع ہوگا، ایسا ہی کسی درجے میں ان مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا۔ جب یہ بات ہے، تو تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا، جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں؛ (بل کہ ان لوگوں کو دیکھ کر جنھوں نے مداہنت کی ہے، وہ بھی اس میں شریک ہوں گے اور اس سے بچنا یہی ہے کہ مداہنت مت کرو) اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں (ان کی سزا سے خوف کر کے مداہنت سے بچو!!)''۔(۱)

غرض یہ کہ اہلِ دین واہلِ صلاح کی ذمہ داری ہے کہ دین وصلاح کو غالب رکھیں اور بے دینی اور فساد کو مغلوب کرنے کے لیے جد وجہد کرتے رہیں، اگر ان لوگوں نے یہ کام چھوڑ دیا اور فساد اور بے دینی کا غلبہ ہوگیا، تو اس کی وجہ سے سب کو عذاب میں گرفتار کرلیا جائے گا۔

---

(۱) بیان القرآن

الحدیث الشریف - ۲

« سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ وَ يُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ. قِيلَ: وَمَا الرُّوَيْبِضَةُ ؟ قَالَ: اَلرَّجُلُ التَّافِهُ يَتَكَلَّمُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ »

ترجمہ: لوگوں پر بہت سال ایسے آئیں گے، جن میں دھوکا ہی دھوکا ہوگا، اس وقت جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا، بددیانت کو امانت دار تصور کیا جائے گا اور امانت دار کو بددیانت اور رویبضہ (گرے پڑے نا اہل لوگ) قوم کی طرف سے نمائندگی کریں گے۔ عرض کیا گیا: رُوَيْبِضَة سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ نا اہل اور بے قیمت آدمی، جو عام لوگوں کے اہم معاملات میں رائے زنی کرے۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو امام احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بہ رقم: (۷۹۱۲ و ۸۴۵۹) اور حضرت انسؓ سے بہ رقم: (۱۳۲۹۸) اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بہ رقم: (۴۰۳۶) روایت کیا ہے اور ان کے لفظوں میں معمولی سا اختلاف ہے، اوپر ابن ماجہ کے الفاظ ہیں اور امام احمدؒ کی روایت میں " سنون خداعة " کے لفظ آئے ہیں اور انس بن مالکؓ سے امام احمدؒ کی روایت میں "أن أمام الدجال سنين خداعة " (دجال سے پہلے خداع سال آئیں گے) کے لفظ ہیں اور ایک روایت میں " قبل الساعة سنون خداعة " کے الفاظ آئے ہیں؛ اسی طرح "رُوَيْبِضَةُ" کی تفسیر میں امام احمد کی روایت میں "السفيه يتكلم في أمر العامة " اور ایک روایت میں "الفويسق" فرمایا گیا ہے؛ یعنی "رُوَيْبِضَةُ" وہ بے وقوف یا فاسق آدمی ہے، جو عام لوگوں کے معاملات میں گفتگو کرتا ہے ابن حجرؒ نے حضرت انسؓ کی حدیث کو بہ حوالہ أحمد وبزار و ابو یعلیٰ

درج کر کے اس کی سند کو جید کہا ہے۔(۱)

کر وفریب کا دَور دَورہ

اس حدیث میں چند امور بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ " سَيَأتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ " (یعنی لوگوں پر چند سال ایسے آئیں گے، جو خداعات ہیں)

خَدَّاعَاتٌ لفظ "خداع" سے مبالغے کا صیغہ ہے اور "خداع" کے معنے: دھوکہ دینے کے ہیں اور سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ کے معنے ہوئے "بہت دھوکہ دینے والے سال"۔ اس کی شرح میں بعض علما نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بارش تو خوب ہوگی، جس سے پیداوار میں کثرت کی امید بندھے گی؛ مگر جب وقت آئے گا، تو کچھ بھی پیداوار نہ ہوگی اور قحط پڑ جائے گا، یہی ان سالوں کا دھوکہ ہوگا۔(۲)

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ "خَدَّاعَاتٌ" کا لفظ "خدع الريق" سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت بولتے ہیں جب "منہ کا تھوک خشک ہو کر بدبو ہونے لگے" اور سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ کا مطلب یہ کہ بارش کی کمی کی وجہ سے کھیتیاں اور باغات اور ندی نالے سب خشک ہو جائیں گے۔

احقر کہتا ہے کہ "سَنَوَات خَدَّاعَات" کو لغوی معنے پر محمول کرتے ہوئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایسے سال آئیں گے، جن میں دھوکہ اور فریب زیادہ ہو جائے گا، مکر و دجل کی گرم بازاری ہوگی اور سچ وجھوٹ، کفر وایمان اور حق و باطل میں امتیاز دشوار ہو جائے گا اور یہ تشریح حدیث میں آئے ہوئے اور جملوں سے مطابق وموافق بھی ہو جائے گی جیسا کہ آگے آ رہا ہے اور سال کو خداع ودھوکے باز کہنا، مجازاً ہے، مراد اہلِ زمانہ ہیں کہ اس زمانہ کے لوگ دھوکہ اور فریب کے عادی؛ بل کہ ماہر ہو جائیں گے، جیسا کہ آج بھی یہ کیفیت مشاہد ومحسوس ہو رہی ہے؛ پہلے دھوکہ بازی کو دھوکہ بازوں اور مکاروں کی جماعت میں دیکھا جاتا تھا اور اب ان میں بھی دیکھا جا رہا ہے، جو اہلِ دین واہلِ دیانت کہلاتے ہیں؛ حتی کہ اہلِ علم میں علمائے سو کا گروہ دین میں غیر دین اور سنت میں بدعت کی

---

(۱) فتح الباري: ۸۴/۱۳

(۲) إنجاح الحاجة: ۲۹۳، ولسان العرب: ۳۹/۴

ملاوٹ کر رہا ہے، جس سے ایک خالی الذہن متلاشیِ حق کو تلاشِ حق کی راہ میں رکاوٹ پیش آتی ہے؛ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لیے ہمیشہ علمائے حق کے ایک گروہ کو علمائے سو کی جاری کردہ و پیدا کردہ بدعات وخرافات اور تحریفات وتاویلات کی نقاب کشائی اور ان کی اصلیت وحقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے تیار رکھتے ہیں اور وہ دلائل و براہین کی روشنی میں ان کا قلع قمع کرتے رہتے ہیں؛ تاہم انجانے لوگوں کے لیے علمائے سو کی تحریفات وتاویلات اور دین میں ایجادات واحداثات حیراں وسرگرداں کردیتے ہیں۔

سچ اور جھوٹ میں امتیاز مشکل ہو جائے گا

۲- يُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ وَيُصَدَّقُ فِيهَا الكَاذِبُ (یعنی اس زمانے میں سچے آدمی کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا)۔

مطلب یہ ہے کہ سچ و جھوٹ میں اور سچے اور جھوٹے میں امتیاز مشکل ہو جائے گا، جس کی وجہ سے لوگ سچ کے بارے میں شک کرنے لگیں گے اور اس کو بھی جھوٹا سمجھ لیں گے اور اس کا اعتبار نہ کریں گے اور جھوٹے لوگوں کا امتیاز نہ ہو سکنے کی وجہ سے، ان پر اعتماد کرلیں گے اور ان کو دھوکے سے سچا خیال کر بیٹھیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جھوٹے لوگ ایسی چکنی چپڑی باتیں اور فریب اور دھوکہ بازی سے کام لیں گے کہ لوگ ان کو سچا سمجھیں گے اور ان پر اعتماد کرلیں گے اور جب ان پر اعتماد کرلیں گے، تو نتیجۃً سچوں کو جھوٹا اور ناقابلِ اعتبار سمجھیں گے۔

اس حالت کا بہت کچھ اندازہ ہمارے زمانے میں بھی ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ آج بھی سچ اور جھوٹ میں امتیاز مشکل ہو گیا ہے اور جھوٹے اور مکار لوگ مختلف ذرائع اور تدابیر سے اپنے جھوٹ کی نشر واشاعت اور اس کو ماننے کی ترغیب ودعوت دے رہے ہیں اور سچے لوگ لوگوں کی نظر میں ناقابلِ اعتماد اور مشکوک بنے ہوئے ہیں، اس کی زندہ اور تازہ مثال امریکہ اور افغانستان کی حکمراں ”جماعتِ طالبان“ ہے، اسی طرح ہندوستان میں ”بی۔ جے۔ پی“ ”وشو ہندو پریشد“ (VHP) وغیرہ اور مسلمان واہلِ مدارس بھی اس کی واضح مثال ہیں۔ امریکہ نے تمام ذرائع ابلاغ کو کام میں لا کر ایک صالح حکومت کو دہشت گرد قرار دیا اور دنیا والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس جھوٹ کو

باور کراتا رہا اور خود ہزاروں ہزار بے خطا اور معصوم انسانوں پر ظلم ڈھا کر دہشت گردی کا کھیل کھیلتا رہا، مگر اپنی اصلی دہشت گردی کو اس نے امن وشانتی اور انسانیت نواز کارنامہ قرار دیا اور اس کا یہ جھوٹ سب نے مان لیا اور ''يُصَدَّقُ فِيهَا الكَاذِبُ وَ يُكَذَّبُ فِيهَا الصَادِقُ'' کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوگیا۔ اسی طرح ''بی۔ جے۔ پی'' اور وشوا ہندو پریشد (VHP) وغیرہ آئے دن مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں اور اس سے قبل ''بابری مسجد'' کو شہید کر کے اپنی دہشت گردی کا کھلا اور ننگا ناچ دکھا چکے ہیں؛ مگر ان کو دہشت گرد کہنے کے بہ جائے اسلامی مدارس کو دہشت گردی کے اڈے اور اہلِ مدارس کو دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے۔ فیا للعجب!

امین کو خائن اور خائن کو امین سمجھا جائے گا

۳- وَيُخَوَّنُ فِيهَا الأَمِينُ وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الخَائِنُ (اس زمانے میں امانت دار کو خائن اور خائن کو امانت دار سمجھ لیا جائے گا۔

اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ جھوٹ اور مکر وفریب اس قدر بڑھ جائے گا کہ امانت دار کون ہے اور خائن کون ہے؟ اس میں امتیاز مشکل ہو جائے گا اور لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جائیں گے اور امانت دار کو بھی شک کی وجہ سے خائن سمجھ لیں گے اور خائن کو اس کی دھوکے کی باتوں سے متاثر ہو کر امین سمجھ لیں گے، یہ صورتِ حال بھی آج معاشرے میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حذیفہ ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے دو باتیں بیان فرمائیں: ایک تو میں نے دیکھ لی، دوسری کا انتظار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں میں رکھ دی گئی ہے؛ پھر انھوں نے قرآن وسنت کو سیکھا؛ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت کے اٹھ جانے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ آدمی سوئے گا اور امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی، تو اس کا اثر صرف ایک دھبے کی طرح رہ جائے گا؛ پھر آدمی سوئے گا اور باقی حصہ بھی اٹھالیا جائے گا اور اس کا اثر صرف ایسا رہ جائے گا جیسے تو اپنے پاؤں پر چنگاری گرا بیٹھے اور دیکھنے پر آبلہ نظر آئے؛ لیکن اس کے اندر کوئی چیز نہ ہو، صبح ہونے پر لوگ خرید وفروخت کریں گے، تو انہیں ایک بھی امانت دار نہیں ملے گا؛ بل کہ یوں کہا جائے گا کہ فلاں قبیلے میں فلاں شخص امانت دار ہے۔ (۱)

---

(۱) البخاري:۶۴۹۷، الترمذي:۲۱۷۹، ابن ماجة:۴۰۵۳، مسند أحمد:۲۳۲۵۵

نا اہلوں کا تسلط

۳-رُوَیبَضَۃ ''ربض'' سے ہے اور ''رابضۃ'' کی تصغیر ہے اور ''ربض'' کے معنے عاجز ہونے کے ہیں اور رُوَیبَضَۃ کے معنے ہیں: ''عالی امور کے حاصل کرنے سے عاجز''؛ یعنی نکما اور نا قابل انسان اور ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ''الرجل التافه'' یعنی کم عقل آدمی، جو عام لوگوں کے معاملات میں رائے زنی کرتا ہو اور ایک حدیث میں ''الفویسق'' سے اس کی تفسیر آئی ہے؛ یعنی فاسق و گنہگار، جو معاملاتِ ملیہ میں رائے زنی کرے، اس میں اشارہ ہے کہ آخری زمانے میں قیامت کے قریب مسلمانوں کے ملی امور، جاہل و فاسق لوگوں کے ہاتھ میں چلے جائیں گے اور وہ اپنی جہالت و فسق و فجور کی وجہ سے غلط اور غیر دانش مندانہ فیصلے کریں گے اور ملت کو تباہ و برباد کریں گے اور آج یہ بات بھی کھلی آنکھوں دیکھی جا رہی ہے کہ ہر بڑے چھوٹے ملی و دینی اداروں پر فساق و فجار اور جاہلوں کا قبضہ ہے اور علما و صلحا ان کے تابع و محکوم ہیں اور اس کی وجہ سے ملت تباہی کی طرف بڑھتی جا رہی ہے۔

اَللّٰھم احفظنا مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ أَعْمَالِنَا۔

❖ ❖ ❖

« سَيَأْتِي عَلَى أُمَّتِي زَمَانٌ، يَكْثُرُ فِيهِ الْقُرَّاءُ وَيَقِلُّ فِيهِ الْفُقَهَاءُ وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ ثُمَّ؛ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذٰلِكَ زَمَانٌ، يَقْرَءُ الْقُرْآنَ رِجَالٌ مِنْ أُمَّتِي لَايُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ؛ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذٰلِكَ زَمَانٌ يُجَادِلُ الْمُشْرِكُ بِاللّٰهِ الْمُؤْمِنَ فِي مِثْلِ مَايَقُوْلُ »

ترجمہ: میری امت پر ایک زمانہ آئے گا، جس میں قاری بہت ہوں گے؛ مگر فقیہ کم، علم کا قحط ہو جائے گا اور فتن وفساد کی کثرت؛ پھر اس کے بعد ایک اور زمانہ آئے گا، جس میں میری امت کے ایسے لوگ بھی قرآن پڑھیں گے، جن کے حلق سے نیچے قرآن نہیں اترے گا؛ (دل قرآن کے فہم اور عقیدت واحترام سے کورے ہوں گے) پھر اس کے بعد ایک اور زمانہ آئے گا، جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والا، مومن سے دعویٰ توحید میں حجت بازی کرے گا۔

تخریج وشرح

اس حدیث کوطبرانی نے المعجم الاوسط :(۳۲۷۷،۳/۳۱۹)اور دیلمیؒ نے مسند الفردوس: (۸۷۰۰،۵/۴۴۸)میں روایت کیا ہےاور صاحبِ کنز العمال نے بہ رقم:(۳۸۴۵۷)اس کو درج کیا ہے اور علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد :(۱/۱۸۴)، میں فرمایا کہ اس کی سند میں ابن لہیعۃ ایک راوی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابن لہیعہ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، بعض نے ان کی توثیق کی ہے اور بعض نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ مصر میں کثرتِ حدیث، ضبطِ حدیث اور اتقانِ حدیث میں ابن لہیعہ کے جیسا کون ہے؟ اسی طرح احمد بن صالحؒ اور ابن وہبؒ وغیرہ نے ان کی تعریف کی ہے؛ اس لیے ان کی حدیث کم از کم حسن ہوگی۔ (تہذیب التہذیب:۵/۳۷۵،۳۷۶)

قرا کی کثرت، فقہا کی قلت

یہ حدیث بھی متعدد منکرات اور ہولناک امور کی طرف نشان دہی کر رہی ہے:

۱-"یکثر فیه القرّاء ویقل فیه الفقهاء" (قاری زیادہ ہوں گے اور فقیہ کم ہو جائیں گے) یہ دراصل ایک روحانی روگ کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ کہ قرآن پاک کے نزول کا مقصدِ اصلی اس پر عمل کرنا ہے، تاکہ انسان اللہ کے نزدیک سرخ رو ہو اور عمل کے لیے ضروری ہے کہ قرآن پاک کو سمجھا جائے؛ مگر لوگ صرف اپنی شہرت اور عندالناس مقبولیت کی خاطر قرآن پاک کے علم وفہم، تحصیل اور اس پر عمل کے بہ جائے قرآن پاک کو بنا بنا کر پڑھیں گے اور اس کا مظاہرہ کریں گے، تو قرآن کا مقصدِ اصلی ہی پیشِ نظر نہ ہوگا اور یہ قاری اس کو دنیا کی فانی دولت یا عزت کا ذریعہ بنالیں گے؛ اس لیے قرآن کی تلاوت وقرأت کے فن کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کے اصلی مقصد (فہم وعمل) کی طرف بھی توجہ دینا چاہیے؛ مگر یاد رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن کو بلا سمجھے پڑھنے سے فائدہ نہ ہوگا اور ثواب نہ ملے گا، قرآن کو پڑھنے کا ثواب ہر حال میں ملے گا، یہاں قرأت سے روکنا مقصد نہیں؛ بل کہ قاریوں کو قرآن فہمی کی طرف توجہ دلانا مقصد ہے، خوب سمجھ لیا جائے!!

علم اٹھالیا جائے گا

۲-"یقبض العلم" (علم اٹھالیا جائے گا) ایک حدیث میں ہے کہ علم اس طرح نہیں اٹھایا جائے گا کہ وہ دلوں سے نکال لیا جائے؛ بل کہ اہلِ علم اٹھتے چلے جائیں گے؛ حتیٰ کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا، تو لوگ جاہلوں کو امیر بنالیں گے اور ان سے مسائل پوچھیں گے اور یہ جاہل لوگ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (۱)

اور ظاہر ہے کہ اہلِ علم اٹھتے چلے جائیں اور دوسرے لوگ علم کی طرف مشغول ومتوجہ نہ ہوں، تو یہی ہوگا کہ علم کا قحط ہو جائے گا اور جہل کا دور دورہ ہوگا اور لوگ جاہلوں کو علما کا منصب دے کر ان سے فتوے لیں گے اور گمراہی میں پڑ جائیں گے۔

قتل کی گرم بازاری

۳-"ویکثر الهرج "(ہرج بہت ہو جائے گا) "ھرج" کی تفسیر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں "قتل" سے آئی ہے (۲) نیز طبرانی میں خود اسی حدیث میں ہے کہ صحابہؓ نے ہرج کا

(۱) ریاض الصالحین: ۵۲۸، البخاری ۱۰۰

(۲) البخاري: ۸۵، المسلم: ۶۷۸۸

مطلب معلوم کیا، تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قتل سے اس کی تفسیر فرمائی۔ (۱)

اور لغت میں "ھــرج" کے معنے فتنہ وفساد کے ہیں اور قتل و غارت گری بھی فتنہ وفساد ہی ہے؛ بل کہ اس کی اعلیٰ فرد ہے؛ اس لیے اس سے قتل مراد لیا گیا ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ آخری دور میں قتل وغات گری کا بازار خوب گرم ہو جائے گا، حتی کہ ایک حدیث میں فرمایا کہ قاتل کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے اور نہ مقتول کو پتہ ہوگا کہ وہ کس پاداش میں قتل کیا گیا ہے؟!! (۲)

بے عمل قاری

۴- "یقرأ القرآن رجال من أمتي الخ" (ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ میری امت میں سے بعض لوگ قرآن پڑھیں گے، مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا) اس حدیث میں قرآن پاک کو غذا سے اور ان پڑھنے والوں کو ایسے بیماروں سے تشبیہ دی گئی ہے، جو کسی بہتر سے بہتر غذا کو بھی اپنی بیماری کی وجہ سے حلق سے نیچے نہیں اتار سکتے اور منہ میں لے کر تھوک دیتے ہیں؛ اسی طرح کچھ لوگ روحانی بیماری (ریاکاری ونفاق) میں مبتلا ہوں گے اور ریا کے لیے یا دنیوی دولت کے لیے قرآن پڑھیں گے، مگر وہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا اور ظاہر ہے کہ یہ قرآن کو اپنے حلق کے نیچے نہیں اتاریں گے، تو ان کو قرآن سے کیا فائدہ ہوگا؟ جیسے: غذا کو تھوک دینے والے کو غذا سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا، اسی طرح ان کو قرآن سے فائدہ نہ ہوگا؛ اس حدیث میں دنیادار قاریوں اور علما کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

کفار کے حوصلے بلند ہو جائیں گے

۵- "یُجَادِلُ الْمُشْرِکُ الخ" (مشرک مؤمن سے توحید کے بارے میں جھگڑے گا) یعنی شرک وکفر کے علم برداروں کی جرأت بڑھ جائے گی اور اہلِ ایمان بزدلی کے شکار ہوں گے، جس کی وجہ سے ایک مشرک، مؤمن سے حجت بازی کرنے لگے گا۔ طبرانی ودیلمی میں مشرک کے ساتھ منافق کا بھی ذکر ہے، علامہ مناوی رَحِمَہُ اللہُ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ منافق

---

(۱) المعجم الأوسط للطبراني: ۳۲۷۷

(۲) المسلم: ۷۳۰۳، ومشکاۃ المصابیح: ۴۶۲

ومشرک مؤمن سے جھگڑا کریں گے اور اس کو مغلوب کریں گے اور اس کا مقابلہ اسی جیسی دلیل سے کریں گے؛ لیکن کافر کی حجت کمزور و باطل ہوگی اور مؤمن کی حجت و دلیل غالب و واضح ہوگی۔ (۱)

مگر یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین کا مسلمانوں سے حجت بازی و مقابلہ کرنا تو ہر دور میں رہا ہے، خود نبی کریم ﷺ کے دورِ مبارک میں بھی یہ بات رہی ہے؛ پھر حضور ﷺ نے اس کو آخری زمانے میں پیدا ہونے والی حالت کہہ کر کیسے پیش فرمایا؟ خود قرآن میں ہے کہ کفار لوگ بغیر علم کے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور یہ بات نزولِ قرآن کے زمانے میں ہی مشاہد تھی؛ لہٰذا حدیثِ مذکور میں آئندہ زمانے میں پیدا ہونے والی بات کے طور پر جو اس کو بیان کیا ہے یہ کیسے صحیح ہوگا؟

احقر کے خیالِ ناقص میں آتا ہے کہ حدیث میں جو کفار کا مؤمن سے مجادلہ مذکور ہے، اس سے کوئی خاص قسم کا جھگڑا اور مقابلہ مراد ہونا چاہیے، جو حضور ﷺ کے دور میں نہیں تھا اور آخری دور میں پیدا ہوگا۔ واللّٰہ أعلم۔

(۱) فیض القدیر: ۴/۱۱۷

« سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يُخَيَّرُ الرَّجُلُ بَيْنَ الْعَجْزِ وَالْفُجُورِ فَمَنْ أَدْرَكَ ذَالِكَ الزَّمَانَ فَلْيَخْتَرِ الْعَجْزَ عَلَى الْفُجُوْرِ. »

ترجمہ: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا، جس میں آدمی کو مجبور کیا جائے گا کہ یا تو احمق (ملا) کہلائے یا بدکاری کو اختیار کرے؛ پس جو شخص یہ زمانہ پائے اسے چاہیے کہ بدکاری اختیار کرنے کے بہ جائے "نکو" کہلانے کو پسند کرے۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو امام احمدؒ نے اپنے مسند میں دو طریقوں سے روایت کیا ہے، ایک: حضرت وکیعؒ سے بہ رقم: (۹۷۶۷) دوسرے: امام عبد الرزاقؒ سے بہ رقم: (۷۷۴۴) اور ان دونوں طریقوں میں ایک شیخ ہیں، جن کا نام مذکور نہیں؛ یعنی یہ راوی مجہول ہے اور اس کے علاوہ ان دونوں سندوں کے تمام رجال ثقات، اثبات ہیں اور امام حاکمؒ نے اس کو روایت کر کے صحیح کہا ہے اور اس شیخ کا نام "سعید ابن ابی جبیرہ" بتایا ہے: (المستدرک الرقم: ۸۴۱۹، ۴/ ۲۰۳) اور امام بیہقیؒ نے الزہد الکبیر: (الرقم: ۲۳۱ ص ۱۲۹) میں روایت کیا اور اس مجہول شخص کا نام "ابو عمر" بتایا ہے؛ نیز اس کو نعیم نے الفتن: (۱/ ۱۹۱) میں اور امام ہنادؒ نے کتاب الزھد: (۶۰۶/۲) میں روایت کیا ہے۔

بدکاری

یہ حدیث بھی قیامت کی ایک علامت کی نشان دہی کر رہی ہے، وہ یہ کہ ایسا زمانہ آئے گا، جس میں لوگوں کے درمیان فسق و فجور اور بے ایمانی و بے حیائی کی بہتات ہوگی اور لوگوں کے دلوں سے ان برائیوں کی برائی بھی نکل جائے گی؛ بل کہ برائی کو اچھا اور باعثِ فخر سمجھا جائے گا اور جو لوگ برائی میں ملوث اور بے حیائی میں آگے ہوں گے، ان کو اچھی نظر سے دیکھا جائے گا اور

حالاتِ زمانہ کی رعایت کرنے والے (MODREN) کو معقول انسان سمجھا جائے گا اور اس کے بالمقابل جو لوگ فحش و بے حیائی اور فسق و فجور اور گندگیوں اور خبائث سے دور رہیں گے، ان کے بارے میں عام رائے یہ ہوگی کہ یہ لوگ بے وقوف ہیں، فرسودہ نظریات وعقائد کے پابند ہیں، نرے مُلا ہیں، زمانے کے تقاضوں سے بے خبر ہیں، دنیا کے حالات سے ناواقف ہیں۔ ایسے زمانے میں آدمی کے لیے دو ہی اختیار ہوں گے یا تو سب کی طرح بے حیا و بے ایمان بن جائے اور دنیا والوں کی شاباشی ومبارک بادی قبول کرے یا اللہ کے حکم کے مطابق ایمان وعمل اور تقویٰ وطہارت کی زندگی گزارے، مگر اس صورت میں لوگ اس کو یہی طعنہ دیں گے کہ بے وقوف اور نکما ہے، مسجد کا ملا ہے، زمانے سے بے خبر ہے، اسے یہ سارے طعنے برداشت کرکے اپنے کو دین پر قائم رکھنا چاہیے۔ اسی کو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جو شخص یہ زمانہ پائے، اس کو چاہیے کہ وہ بدکاری اختیار کرنے کے بہ جائے ''نکو'' کہلانا پسند کرے۔

❁❁❁

« لَتُنْقَوُنَّ كَمَا يُنْقَى التَّمَرُ مِنْ أَغْفَالِهِ، فَلَيَذْهَبَنَّ خِيَارُكُمْ وَلَيَبْقَيَنَّ شِرَارُكُمْ، فَمُوتُوا إِنِ اسْتَطَعْتُمْ. »

ترجمہ: تمہیں اس طرح چھانٹ دیا جائے گا، جس طرح اچھی کھجوریں ردی کھجوروں سے چھانٹ لی جاتی ہیں؛ چناں چہ تمھارے اچھے لوگ اٹھتے جائیں گے اور بدترین باقی رہتے جائیں گے، اس وقت (غم سے گھٹ کر) تم سے مرا جاسکتا ہے، تو مر جانا۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سنن کتاب الفتن باب شدۃ الزمان میں بہ رقم: (۴۰۳۸) اور حاکم نے المستدرک: (بہ رقم: ۷۹۶۷، ۷۹۶۸) میں متعدد طرق سے روایت کیا ہے اور "صحیح الاسناد" کہا ہے اور طبرانی نے المعجم الأوسط: الرقم: ۴۶۷۶ (۵/ ۶۳) میں اور دیلمی نے مسند الفردوس: بہ رقم: ۵۳۴۴ (۳/ ۴۳۷) میں الفاظ کے تغیر کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ابوعمرو الدانیؒ نے السنن الواردۃ فی الفتن: (۳/ ۵۸۰) میں اس کو روایت کیا ہے۔

انسانیت کی تلچھٹ

اس حدیث میں بھی قیامت کی ایک علامت کا ذکر ہے، وہ یہ کہ دنیا سے اچھے اور نیک لوگ اٹھتے چلے جائیں گے اور شریر و بدطینت لوگ باقی رہ جائیں گے اور ظاہر ہے کہ جب اچھے لوگ نہ رہیں گے، تو دنیا میں اچھائی کہاں ہوگی؟ اور جب صرف برے لوگ یہاں باقی رہ جائیں گے، تو دنیا شر و فساد کی آماج گاہ بن جائے گی، اس طرح دنیا سے نیکی و بھلائی خیر و سعادت، شرافت و نجابت، ختم ہو کر شر و فساد، نزاع و جھگڑے، ضلالت و گمراہی، بغض و عداوت، رذالت و حماقت باقی رہ جائیں گے۔

اور جو یہ فرمایا کہ "تم کو اس طرح چھانٹ لیا جائے گا، جس طرح اچھی کھجوروں کو ردی کھجوروں سے چھانٹ لیا جاتا ہے" یہ بہ طورِ تمثیل فرمایا ہے کہ جس طرح کھجوروں میں سے مالک اچھی اچھی

کھجوروں کو چن لیتا اور ردی کو پھینک دیتا ہے، اسی طرح نیکوں کو اللہ تعالیٰ چن لے گا اور اپنے یہاں بلا لے گا اور برے لوگوں کو چھوڑ دے گا کہ دنیا کی خباثتوں میں پڑے رہیں۔

"**فموتوا إن استطعتم**" (اس وقت تم غم سے گھٹ کر مر سکتے ہو، تو مر جانا) اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس دور میں خودکشی جائز ہو جائے گی؛ کیوں کہ خودکشی اسلام میں ممنوع وحرام ہے، اس پر وعیدِ شدید بھی آئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے آپ کو کسی دھاردار چیز سے قتل کیا، اس کی یہ دھاردار چیز (قیامت میں) اس کے ساتھ ہوگی، جس سے وہ جہنم کی آگ میں اپنے پیٹ میں بھونکتا رہے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہے گا اور جس شخص نے زہر پی کر خودکشی کر لی، تو وہ جہنم میں بھی ہمیشہ ہمیشہ یہ پیتا رہے گا اور جو شخص پہاڑ پر سے اپنے کو گرا کر خودکشی کر لے، تو وہ جہنم میں بھی ہمیشہ ہمیشہ اپنے کو پہاڑ پر سے گراتا رہے گا۔ (۱)

اس طرح کی متعدد احادیث، کتبِ حدیث میں موجود ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ خودکشی کرنا حرام ہے اور اس پر جہنم میں سخت سزا ہوگی اور اس کو حلال سمجھ کر کرے گا، تو وہ کافر ہوگا اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اگر حرام سمجھ کر کیا، تو ایک طویل مدت کے بعد رہائی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خودکشی اسلام میں جرمِ عظیم ہے؛ لہٰذا اس زیرِ بحث حدیث میں "مر جاؤ" سے مراد خودکشی کی دعوت نہیں ہے؛ بل کہ دراصل اس وقت کی صورتِ حال کی شدت اور نزاعات وفسادات کی کثرت اور شرور وفتن کی زیادتی کی عکاسی مقصود ہے کہ اس دور میں مر جانے کی گنجائش ہوتی، تو مرا جا سکتا؛ مگر چوں کہ اسلام میں اس کی گنجائش نہیں، لہٰذا خودکشی نہیں کر سکتے۔

خودکش دستوں کا حکم

یہاں ایک سوال خودکش دستوں وافراد کے متعلق پیدا ہوتا ہے، جو دشمنانِ اسلام کی چال بازیوں ومکاریوں اور اسلام دشمن کوششوں وسازشوں سے تنگ آ کر اور کوئی دوسری راہ نہ پا کر، اپنے آپ کو قربان کرتے ہوئے، اسلام دشمن عناصر کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، کیا اس طرح کی خودکشی، جس کا مقصد اسلام دشمن عناصر کی مکاریوں، چالبازیوں کے جال کو توڑنا ہو، جائز ہے؟

(۱) البخاري: ۵۷۷۸، المسلم: ۳۰۰، الترمذي: ۲۰۴۳، النسائي: ۱۹۶۷، مسند أحمد: ۷۴۴۸

احقر کا خیال ہے کہ یہ اس حرام خودکشی کے حکم میں داخل نہیں ؛ کیوں کہ اُس خودکشی کا مقصد دنیا کا غم والم ہے اور اِس خودکشی کا مقصد، اسلام دشمن طاقتوں کی مکاریوں کے جال کو توڑنا ہے، جس طرح ایک مجاہد میدانِ جنگ میں اپنے آپ کو ختم کر لینے کے لیے تیار ہو کر جاتا ہے اور اس کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی ایک قسم کی جنگی ٹیکنک کہی جا سکتی ہے؛ اس لیے کہ آج اسلام دشمن عناصر، اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے میدانِ جنگ میں آ کر مقابلہ نہیں کرتے؛ بل کہ ٹینکوں اور میزائیل اور بموں سے ان کی بستیوں کو تباہ و ویران کرتے ہیں، جیسے ابھی افغانستان میں ہوا، اب اس کا مقابلہ اس طرح نہ کیا جائے، تو دوسری بہ ظاہر کوئی تدبیر نہیں ہے؛ لہٰذا اس کو حرام خودکشی قرار دینا مشکل ہے۔ واللہ أعلم

« لَيْتَ شَعْرِي! كَيْفَ أُمَّتِي بَعْدِي حِيْنَ تَتَبَخْتَرُ رِجَالُهُمْ وَتَمْرَحُ نِسَائُهُمْ ؛ وَلَيْتَ شَعْرِي احِيْنَ يَصِيْرُوْنَ صِنْفَيْنِ: صِنْفاً نَاصِبِي نُحُورِهِمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَصِنْفاً عَمَّالاً لِغَيْرِ اللّٰهِ. »

ترجمہ: کاش! میں جان لیتا کہ میرے بعد میری امت کا کیا حال ہوگا (اور ان کو کیا کچھ دیکھنا پڑے گا) جب ان کے مرد اکڑ کر چلا کریں گے اور ان کی عورتیں (سرِ بازار) اِتراتی پھریں گی: اور کاش! میں جان لیتا، جب میری امت کی دو قسمیں ہو جائیں گی ایک قسم تو وہ ہوگی، جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں سینہ سپر ہوں گے اور ایک قسم وہ ہوگی، جو غیر اللہ ہی کے لیے سب کچھ کریں گے۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں ایک صحابی (عن رجل من الصحابة) سے روایت کیا ہے، جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے **الجامع الصغير** میں بہ رقم: (۷۵۴۳) اور علامہ علی متقیؒ نے **كنز العمال** میں بہ رقم: (۳۸۴۶۶) اس روایت کو ان کے حوالے سے درج کیا ہے؛ علامہ مناویؒ نے **فيض القدير**: (۳۵۰/۵) میں اس حدیث کی شرح کی ہے اور اس پر سکوت فرمایا ہے اور میں اس حدیث کی سند پر مطلع نہ ہو سکا۔

مَردوں میں تکبر

مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے اندر پیدا ہونے والے بگاڑ کا ذکر کیا ہے۔

۱- مردوں میں اکڑ کر چلنے کی بیماری پیدا ہو جائے گی؛ چناں چہ آج یہ بات کثرت سے دیکھی جا سکتی ہے، ہر آدمی غرور و تکبر میں چُور ہے اور اسی وجہ سے ان کا لباس و پوشاک بھی تکبرانہ اور چال و چلن بھی تکبرانہ، بات چیت بھی تکبرانہ؛ غرض! ہر ادا و حرکت میں یہی غرور و تکبر جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے

اور اسلاف کی سادگی اور بے تکلفی اور تواضع وانکساری سب رخصت ہو گئی، جاہل سے جاہل اور فقیر سے فقیر آدمی بھی اپنے آپ کو بڑا اور سب سے بڑا سمجھتا ہے اور اس کا مظاہرہ کرتا ہے۔

۲-عورتوں کا اترانا

عورتوں میں اِترا کر اور ناز ونخروں سے چلنے کی بیماری ہو گی جیسا کہ یہ بھی آج مشاہد ہے کہ عورتیں بناؤ سنگار اور فیشن پرستی میں اس قدر آگے نکل چکی ہیں کہ ان کو سوائے اس کے کوئی کام ہی نہیں اور اس فیشن اور بناؤ سنگار کے ساتھ وہ بازاروں اور مختلف مجمعوں میں گھومتی پھرتی اور اتراتی ہوئی چلتی ہیں اور غیروں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں؛ حالاں کہ ایک حدیث میں ایسی عورت کو آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے ''زناکار'' قرار دیا ہے، جو عطر لگا کر مجمع پر سے گزرے۔ (۱)

یہ اس لیے کہ اس سے غیروں کی نظر اس کی طرف ہو گی اور برائی کا دروازہ کھلے گا۔غرض! یہ بھی علاماتِ قیامت میں سے ہے کہ عورتیں فیشن پرستی کا شکار ہوں اور اِتراتی ہوئی بازاروں اور سڑکوں پر پھریں اور بے حیائی کا مظاہرہ کریں اور یہ سب کچھ آج کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے۔

۳-اخلاص کا فُقدان

امت میں ایک طبقہ تو ہمیشہ دین پر قائم ہوگا اور اللہ کے راستے میں سینہ سپر ہوگا؛ مگر آخری دور میں ایک بڑی جماعت وطبقہ ایسا ہوگا، جو ہر کام غیر اللہ ہی کے لیے کرے گا، دینی تعلیم بھی، نماز وامامت بھی، دینی تحریک بھی، سب کے سب کام ہوں گے؛ مگر مقصد، دنیا کا مال ومتاع اور دنیوی وجاہت ومنصب ہوگا، اس کا بہت کچھ اندازہ اس زمانے میں ہو رہا ہے؛ مساجد کی تعمیر، مدارس کی تعمیر اور دینی تعلیم اور مختلف دینی قیادتیں دنیا کے مال ومتاع کی بنیاد پر قائم وجاری ہیں؛ اس لیے ان میں آپسی اختلاف ونزاع اور ایک دوسرے کی عیب گیری ونکتہ چینی بھی انتہا درجے کی ہوتی ہے، جب کہ ہر ایک اپنا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعتِ دین ہی بتاتا ہے،مگر صرف طریق وتدبیر کے اختلاف کو اصل مقصد کے اختلاف کی طرح سمجھ کر آپسی اختلاف وفساد کو ہوا دینے میں اپنے آپ کو حق بہ جانب سمجھتے ہیں اور بعض جماعتیں اور قیادتیں ایسی بھی ہیں، جو اپنے

(۱) الترمذي:۲۷۸٦،الدارمي:۲٦۸۸

سواسب کوغلط اور مجرم قرار دے کر، ان کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہیں، جیسے کسی کافر ومرتد یا فاسق، ملعون سے ہونا چاہیے۔

یہ ساری باتیں دراصل اس لیے ہیں کہ مقصد دین ہوتا ہی نہیں، صرف لیبل دین کا ہوتا ہے اوراندر دنیوی مقاصد واسرار چھپے ہوتے ہیں۔ایک جگہ چند نوجوانوں نے ہر نماز سے قبل گشت کر کے لوگوں کو مسجد کی طرف لانا شروع کیا، تو ایک دوسری جماعت کے افراد نے (جن کو دعویٰ ہے کہ ان کی زندگی کا نصب العین ومقصدِ اعظم ''دعوت وتبلیغ'' ہے) یہ کام کیا کہ مسجد کی طرف آنے والے لوگوں کو یہ کہہ کر مسجد سے روکا کہ ان کے کہنے پر تم مسجد نہ آؤ۔

غور کیجیے کہ جب ایک جماعت کا مقصد بھی دین ہو اور دوسرے لوگ بھی دین کا ہی کام کریں، تو پھر ان کو ایک دوسرے کے معاون اور رفیق ہونا چاہیے تھا اور یہاں رفیق ہونے کے بہ جائے ایک دوسرے کے فریق ہو رہے ہیں، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کم از کم ایک جماعت کا مقصدِ عین دین نہیں ہے، آج یہ صورتِ حال کثرت کے ساتھ دیکھنے میں آرہی ہے، جس کی پیشین گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی فرمادی تھی۔

« مِنْ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ أَنْ يُرىٰ الهِلَالُ قَبْلاً، فَيُقَالُ: لِلَيْلَتَيْنِ. وَأَنْ تُتَّخَذَ المَسَاجِدُ طُرُقاً وَأَنْ يَظْهَرَ مَوْتُ الْفُجَاءَةِ. »

ترجمہ: قربِ قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ چاند پہلے دیکھ لیا جائے گا اور (پہلی تاریخ کے چاند کو) کہا جائے گا کہ یہ دوسری تاریخ کا ہے اور مسجدوں کو گزرگاہ بنالیا جائے گا اور ناگہانی موت عام ہو جائے گی۔

تخریج وشرح

یہ حدیث متعدد محدثین نے مختلف اور کم وبیش الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ دیکھو: الأحاديث المختارة: (٣٠٥/٦) الطبراني في الأوسط: (١٤٧/٩) وفي الصغير: (١٢٩/٢) وأبو عمر و الداني في السنن الواردة في الفتن: (٧٩١/٤) وابن أبي شيبة مرسلاً عن الشعبي: (١٢١٢٩) اس حدیث پر بعض محدثین نے ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے، مگر علامہ مقدسیؒ نے "الأحاديث المختارة" میں اس کی بعض سندوں کو حسن قرار دیا ہے اور "کشف الخفاء" میں ہے کہ متعدد احادیث ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ (کشف الخفاء: ٣١٣/٢)

چاند کا معمول سے بڑا دکھائی دینا

اس حدیث میں علاماتِ قیامت میں سے تین کا ذکر فرمایا گیا ہے:

١- ایک یہ ہے کہ چاند جوں ہی اپنے وقت پر طلوع ہو، صاف طور پر دکھائی دے اور اس کے واضح اور بڑے ہونے کی وجہ سے طلب وجستجو کی ضرورت نہ پڑے اور اس کو دیکھ کر یوں کہا جائے کہ "یہ تو دو دن کا چاند ہے" یہاں حدیث میں "قَبلا" جو آیا ہے یہ "ق" اور "ب" دونوں کے فتحے (زبر) کے ساتھ ہے اور اس کا وہی مطلب بیان کیا گیا ہے، جو اوپر عرض کیا گیا؛ چناں چہ لسان العرب

اور فیض القدیر میں اس حدیث کی تشریح یوں کی ہے:

أي یری ساعة مایطلع لعظمہ و وضوحہ من غیر أن یتطلّب وھو بفتح القاف والباء۔(۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے قریب چاند پہلی ہی تاریخ کو اتنا موٹا اور بڑا ہوگا کہ لوگ اس کو دو دن کا خیال کریں گے؛ چناں چہ بعض احادیث میں اس طرح فرمایا گیا ہے کہ "من اقتراب الساعة انتفاخ الأھلة" اور بعض میں "أشراط الساعة" ہے؛ یعنی قیامت کے قریب ہونے کی ایک علامت چاند کا پھولا ہوا ہونا ہے۔(۲)

مساجد کا دنیوی مقاصد کے لیے استعمال

۲-دوسری بات یہ فرمائی کہ مسجد کو راستہ بنالیا جائے؛ یعنی مساجد تو محض اللہ کی عبادت اور دین کی اشاعت کا مرکز ہیں، لوگ ان کو صرف چلنے پھرنے اور آنے جانے کا راستہ بنالیں گے اور یہ لوگ مساجد کو نماز وذکر وتلاوت یا تعلیمِ دین کے لیے نہیں آئیں گے؛ بل کہ صرف اس کو اپنی ضروریات کے لیے راستہ بنالیں گے، جیسا کہ بہت سے لوگ مساجد میں صرف پیشاب پاخانہ اور اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے آتے ہیں اور بیت الخلا سے نکل کر سیدھے مسجد کے باہر چلے جاتے ہیں، غرض یہ کہ مساجد کو ان کے اصلی کام سے نکال کر دنیوی کاموں کے لیے استعمال کرنا قیامت کی علامت ہے۔

ناگہانی موت (ہارٹ فیل)

۳-تیسری بات یہ فرمائی کہ قیامت کے قریب اچانک موت کے حادثے کثرت سے ظاہر ہوں گے اور اچانک موت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے؛ چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات قسم کی موت سے پناہ مانگی ہے ان میں سے ایک اچانک کی موت بھی ہے۔(۳)

---

(۱) لسان العرب: ۱۱/۱۹، فیض القدیر: ۶/۱۰

(۲) المعجم الصغیر: ۲/۴۱، والکبیر: ۱۰/۲۴۴، والأوسط: ۷/۶۵، والدانی: ۴/۷۹۱

(۳) أحمد: ۴/۲۰۴

اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گدھے کی طرح مرنا پسند نہیں کرتا (یعنی اچانک مرنا)۔(۱)

اور اس کے مکروہ ہونے کی وجہ بعض علما نے یہ بیان کی ہے کہ اچانک موت ہوتی ہے، تو آدمی وصیت کرنے سے محروم رہ جاتا ہے اور آخرت کے لیے توبہ اور دیگر اعمالِ صالحہ کے ذریعے تیاری کرنے سے رہ جاتا ہے؛ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پناہ مانگی ہے۔(۲)

لیکن مؤمن جو تیار ہی رہتا ہے، اس کے لیے اچانک موت کوئی بری چیز نہیں؛ ہاں! جو فاسق وفاجر ہو، اس کے حق میں یہ بری چیز ہے؛ کیوں کہ اچانک موت ہونے سے وہ توبہ واستغفار بھی نہیں کرسکتا؛ چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک موت کے بارے میں سوال کیا تو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچانک موت مؤمن کے لیے راحت ہے اور فاجر کے لیے افسوس ناک پکڑ ہے۔(۳)

اس حدیث میں قیامت کے قریب پیش آنے والے احوال میں، جو اچانک موت کا ذکر ہے یہ بات آج کھلے طور پر دیکھی جاسکتی ہے؛ بل کہ آج اکثر اموات ایسی ہی ہورہی ہیں کہ آدمی بیٹھا ہے، کھڑا ہے، کام میں مشغول ہے اور اچانک موت کا لقمہ بن جاتا ہے۔ اللہ ایسی موت سے پناہ عطا فرمائے، جس سے آدمی ضروری وصیت اور نیک کام اور توبہ واستغفار کی بھی مہلت نہ پائے۔

آمین یارب العالمین

---

(۱) مسند الشاشي: ۱/ ۳۵۸

(۲) فتح الباري: ۳/ ۲۵۴

(۳) البيهقي: الرقم: ۶۵۷۲ (۵۳۱/۳۳)

الحدیث الشریف - ۸

« مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ الْفُحْشُ وَالتَّفَحُّشُ وَ قَطِيعَةُ الرَّحِمِ وَتَخْوِينُ الأَمِينِ وَائْتِمَانُ الْخَائِنِ . »

ترجمہ: قیامت کی خاص علامات میں سے ہے: بدکاری، بدزبانی، قطع رحمی (کا عام ہو جانا) امانت دار کو خیانت کار اور خائن کو امانت دار قرار دینا۔

تخریج و شرح

یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص و حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، حاکمؒ نے المستدرک کا الرقم: ۲۵۳ (۱/ ۱۴۷) میں "سوء المجاورة" (برے پڑوس) کے اضافے کے ساتھ روایت کیا اور بزارؒ نے اپنے مسند (۶/ ۴۱۰) میں اور ابن المبارکؒ نے الزهد: (۱/ ۵۶۱) میں اور معمرؒ نے اپنی الجامع (۱۱/ ۴۰۵) میں اور ابن ابی شیبہؒ نے المصنف أبي شيبة: (۳۸۷۰۳) میں اختصار سے "سوء الخلق" کے اضافے کے ساتھ اور احمد رحمۃ اللہ نے مسند (۶۸۷۲) میں روایت کیا ہے۔

ان سب نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور طبرانی نے الأوسط: (۲/ ۹۳) میں پڑوس کے ذکر کے بغیر اور مقدسیؒ نے الأحاديث المختارة: (۶/ ۱۸۳) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حاکمؒ نے المستدرک: (۸۷۰۹) میں دیلمیؒ نے فردوس: (۴/ ۳۷۰) میں ابن حبان نے صحیح: (۱۵/ ۲۵۸) میں اور ابونعیم نے حلیۃ الأولیا: (۴/ ۳۰۷) میں اور طبرانیؒ نے المعجم الأوسط: (۴/ ۱۲۱) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، قیامت قائم نہ ہوگی، یہاں تک کہ فحش و بخل ظاہر نہ ہو جائے اور امین کو خائن اور خائن کو امین نہ سمجھا جائے اور "وعول" ہلاک ہو اور "تحوت" غالب ہو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "وعول" اور"

تحوت" کیا ہے یارسول صلی اللہ علیہ وسلم ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وعول" لوگوں میں سے عزت دار اور اونچے درجے کے لوگ ہیں اور " تحوت" وہ، جو لوگوں کے قدموں تلے رہیں اور ان کو کوئی جانتا نہ ہو (قال الهيثمي: رجاله رجال الصحيح غير محمد وهو مجمع الزوائد : ۲۳۷/۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو علامہ ہیثمیؒ نے نقل کر کے فرمایا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور بعض میں اختلاف ہے (مجمع الزوائد : ۶۳۲/۷) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں فرمایا کہ اس کا کچھ حصہ صحیح بخاری میں ہے اور اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں "محمد بن سلیمان بن والبہ" ہے میں ان کو نہیں جانتا اور باقی راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد : ۶۲۸/۷) اور بزار کی سند کے بارے میں فرمایا کہ اس کی سند میں "عبدالرحمٰن بن مغراء" ہیں، جن کی ابوزرعہ اور ایک جماعت نے توثیق کی ہے اور علی ابن المدینی نے ان کو ضعیف کہا ہے، باقی راوی صحیح کے راوی ہیں (مجمع الزوائد : ۶۳۲/۷) اور حاکم نے حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (المستدرک: ۱۳۷/۱)

۱۔ فحش و تفحش

اس حدیث میں وارد آخری دو جملوں کی شرح حدیث نمبر: ۲ کے تحت دیکھی جائے اور بقیہ جملوں کی شرح یہ ہے:

اس حدیث میں قیامت کی ایک علامت یہ بیان کی ہے کہ فحش اور تفحش پھیل جائے گا۔ فحش کے معنے ہیں: "زیادتی اور حد سے تجاوز کرنا"؛ پھر یہ بدزبانی و بدکلامی اور گالی گلوج کے لیے استعمال ہونے لگا اور "تفحش" بھی اسی لفظ سے بنا ہے اور عام طور پر اس سے بے حیائی مراد لی جاتی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ نے شرح مسلم میں فرمایا کہ

قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ "فحش کی اصل زیادتی اور حد سے نکلنا ہے"۔

طبری نے کہا کہ "فاحش، بدزبان کو کہتے ہیں" اور ابن عرفہ نے کہا کہ فواحش کے معنے اہلِ عرب کے نزدیک قبائح کے ہیں اور متفحش سے کبھی بے حیائی کا کام کرنے والا مراد ہوتا ہے (۱)

---

(۱) شرح المسلم: ۱۱۴/۱۵

اور فیض القدیر میں مناوی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ

فاحش وہ ہے، جس کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ نا مناسب کلام کا عادی ہو اور جو اپنی زبان پر قابو نہ رکھتا ہو اور متفحش وہ ہے، جو فحش کا مظاہرہ کرے؛ (یعنی فطرت تو ایسی نہیں، مگر ایسا بن جائے)(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے قریب بدزبانی و بدکلامی اور بے حیائی کی کثرت ہوگی، زبان سے بھی بے حیائی کی باتیں کھلے عام صادر ہوں گی اور لوگ اس کو معیوب نہ سمجھیں گے اور بے حیائی کے کام بھی کھلے طور پر ہوں گے اور لوگ کوئی شرم و حیا محسوس نہ کریں گے۔ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ ''ولد الزنا کی کثرت ہوجائے گی؛ حتی کہ آدمی بیچ راستے میں عورت پر چڑھ جائے گا، تو ان لوگوں میں سب سے بہتر اور اچھا آدمی یوں کہے گا کہ اے کاش! کتنا اچھا ہوتا کہ تم راستے سے ذرا ہٹ کر یہ کام کرلیتے!!(۲)

آج جو بے حیائی اور فواحش کا منظر خصوصاً شہروں میں نظر آتا ہے، وہ اسی پیشین گوئی کا مصداق ہے، بازاروں اور سڑکوں اور بس اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں اور بسوں اور ریلوں اور ہوائی جہازوں میں مردوں اور عورتوں کا مجرمانہ اختلاط اور بے حیائی کا مظاہرہ جس طرح ہو رہا ہے، کون انکار کرسکتا ہے کہ وہ اسی کی تصدیق ہے اور یہ بے حیائی اور بدزبانی؛ یعنی فحش گوئی، روز بہ روز ترقی کرتی جارہی ہے، نوجوان لڑکوں میں فحش گوئی اس قدر عام ہو رہی ہے کہ اس کو نقل کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی، بعض اوقات بسوں میں یا کہیں سفر کے موقعے پر ہوٹل وغیرہ میں نوجوان لڑکوں کی فحش گفتگو کان میں پڑتی ہے، تو ہماری آنکھیں اور گردن شرم کے مارے جھک جاتے ہیں۔

غرض یہ کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشین گوئی فرمائی ہے، وہ پوری طرح ظاہر ہو رہی ہے اور آگے نہ معلوم مزید کیا کیا ہوگا ؟

---

(۱) فیض القدیر: ۲/۲۸۵

(۲) المستدرک: ۴/۶۲۲، الطبراني في الأوسط: ۵/۱۲۷، مجمع الزوائد: ۷/۶۲۶ وقال: فیه سیف بن مسکین، وهو ضعیف.

۲-قطع رحمی

دوسری چیز علاماتِ قیامت میں سے "قطع رحمی" بیان کی گئی ہے؛ یعنی رشتوں کا توڑ لینا؛ حالاں کہ رشتے کے توڑنے پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں اور قرآن پاک میں بھی اس کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ رشتہ داری عرش سے لٹک کر کہہ رہی ہے، جس نے مجھے جوڑا، اللہ اس کو جوڑے گا اور جس نے مجھے توڑا، اللہ اس کو توڑے گا۔ (۱)

ایک حدیث میں ہے کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (۲)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس قوم میں قاطع رحم ہو، ان پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی۔ (۳)

غرض یہ کہ قطع رحمی اور رشتہ توڑنا اسلام میں بہت بڑا گناہ ہے اور اس پر وعید آئی ہے؛ مگر آج دیکھا جاسکتا ہے کہ رشتہ داری رسہ کشی کا نام ہوگیا ہے، آپسی اختلافات اور نزاعات اس قدر کثرت سے پیش آرہے ہیں کہ عدالت گاہوں میں ان کی سماعت دس دس سال سے بھی زائد عرصے میں ہوتی ہے اور یہ حال ہے کہ رشتہ دار، رشتہ دار کو پہچانتا بھی نہیں اور پہچانتے ہیں، تو ایذا و تکلیف رسانی اور لڑائی اور فساد کے سوا رشتہ داری کا کچھ حاصل ہی نہیں؛ یہ صورتِ حال انتہائی خطرناک ہے۔

۳-بد خلقی

جیسا کہ اوپر تخریجِ حدیث میں ذکر کیا گیا، اس حدیث کی بعض روایات میں بد خلقی یعنی بداخلاقی کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آخری زمانے میں بداخلاقی زیادہ ہوجائے گی اور آج یہ بات بھی کثرت سے پیش آرہی ہے۔

۴-برا پڑوسی

"یعنی برا پڑوسی" بعض روایات میں اس کا بھی ذکر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں

---

(۱) المسلم:۶۵۱۹،ابن أبي شيبة :۲۵۸۹۷، فردوس الديلمي:۲/۲۸۶

(۲) البخاري:۵۹۸۴،المسلم:۶۵۴۰،موارد الظمان :۳/۳۵۴،الترمذي:۱۹۰۹،جامع معمر:۱۱/۱۷۴، الطبراني في الأوسط :۴/۳۲،أحمد:۱۱۰۷،حميدي:۱/۲۵۴، أبو داؤد:۱۶۹۶

(۳) الأدب المفرد :۱/۳۶،نوادر الأصول: ۲/۹۲، ديلمي:۵/۷۵

پڑوس کے لوگ ایک دوسرے کے لیے برے اور بد خلق ہو جائیں گے؛ حالاں کہ پڑوسی کو دوسرے کے لیے اچھا اور فائدہ مند ہونا چاہیے؛ اسلام میں پڑوسی کا بہت بڑا حق بتایا گیا ہے؛ یہاں تک کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام مجھ کو پڑوسی کے بارے میں برابر وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ پڑوسی کو میراث میں بھی حصہ دار قرار دے دیا جائے گا۔(۱)

مگر آج اس کے برعکس پڑوسیوں کو تکلیف دینا، ان کے حق کو پامال کرنا، ان سے بدسلوکی کرنا، ایک رواج ہو گیا ہے اور آپس میں لڑائی اور جھگڑے عام ہو گئے ہیں، گویا قیامت کی یہ نشانی بھی آج پائی جا رہی ہے۔

۵-وُعُول وتَحوُت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، ''وُعُول'' ہلاک ہوں گے اور ''تَحوُت'' غالب ہوں گے اور خود وعول وتحوت کی تفسیر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے کہ وُعُول ''شریف'' اور اچھے لوگ اور تحوت ''رذیل'' وذلیل لوگ ہیں؛ مطلب یہ ہے کہ آخری دور میں شریف لوگ مر جائیں گے اور ذلیل اور رذیل اور نکمے لوگ غالب اور ہر چیز پر قابض ہو جائیں گے اور بخاری نے کتاب الکنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ تحوت وعول پر غالب ہو جائیں گے۔(۲)

غرض یہ کہ قیامت کے قریب ایک تو اچھے لوگوں کو اٹھا لیا جائے گا اور وہ مر جائیں گے، جیسا کہ حدیث نمبر: ۵ میں گذرا اور برے لوگ رہ جائیں گے اور وہ باقی اچھوں پر غالب ہو جائیں گے۔ یہ صورتِ حال بھی آج واضح طور پر دکھائی دیتی ہے کہ نیک لوگ کم رہ گئے اور ان کی آواز پر فاسق وفاجر لوگوں کی آواز غالب ہو گئی ہے، علما، صلحا، اہلِ دین، واہلِ مدارس، سب پر فاسقوں، فاجروں

---

(۱) البخاري: ۶۰۱۴، الصحیح لابن حبان: ۲/۲۶۵، موارد الظمان: ۶/۳۸۵، الترمذي: ۱۹۴۲، البیهقي: ۱۳۲۲۵، أبوداؤد: ۵۱۵۱، ابن ماجه: ۳۶۷۳، البزار: ۶/۳۷۱، الطبراني في الأوسط: ۱/۲۰۲، أحمد: ۵۵۷۷، حمیدي: ۲/۲۷۰، مسند إسحاق: ۱/۱۹۰.

(۲) الکنی: ۱/۵۹، و الطبراني في الأوسط: ۱/۲۲۸.

اور نکمے لوگوں کا تسلط ہے، مساجد میں دیکھیے اس کے ذمہ دار بھی بے دین وغلط کار، مدارس پر بھی ایسے ہی لوگ حاوی، دینی تحریکوں اور انجمنوں پر بھی انھی کا تسلط اور رہی سیاست، تو اس پر ہر جگہ ایسے ہی نکمے اور بد بخت لوگوں کا قبضہ ہے اور اہلِ دین کی کوئی آواز سنی نہیں جاتی، حتیٰ کہ اسلامی مملکت کے نام سے جن ممالک کا وجود ہے، وہاں اسلام اور اہلِ اسلام نہایت مظلومانہ حالت میں ہیں، دکھاوے کے لیے کچھ امورِ دینیہ کا مظاہرہ تو وہاں ہے، مگر حقیقت کے لحاظ سے اسلام واہلِ دین کی کچھ نہیں چلتی اور عربی ممالک کی صورتِ حال اس سلسلے میں زیادہ تشویش ناک ہے اور وہاں مغربی ذہن فروغ پا رہا ہے اور اہلِ مغرب نے ان پر اپنا تسلط قائم کر لیا ہے؛ اسی کی پیشین گوئی کرتے ہوئے علامتِ قیامت میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔
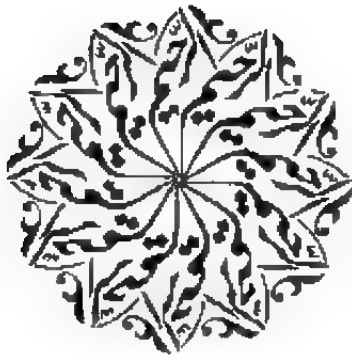
« لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ: يُكَذَّبُ فِيهِ الصَّادِقُ وَيُصَدَّقُ فِيهِ الْكَاذِبُ وَيُخَوَّنُ الْأَمِينُ وَيُؤْتَمَنُ الْخَائِنُ وَيَشْهَدُ الْمَرْءُ وَلَمْ يُسْتَشْهَدْ وَيَحْلِفُ وَإِنْ لَمْ يُسْتَحْلَفْ وَيَكُونُ أَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ ابْنُ لُكَعٍ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ. »

ترجمہ: لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ سچوں کو جھوٹا اور جھوٹوں کو سچا کہا جائے گا اور خیانت پیشہ لوگوں کو امانت دار اور امانت دار لوگوں کو خیانت پیشہ بتلایا جائے گا، بغیر طلب کیے لوگ گواہیاں دیں گے اور بغیر حلف اٹھوائے حلف اٹھائیں گے اور کمینے باپ دادا کی اولاد، دنیاوی اعتبار سے سب سے زیادہ خوش نصیب بن جائیں گے، جن کا نہ اللہ پر ایمان ہوگا اور نہ رسول پر۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے طبرانی نے اپنے المعجم الأوسط: (۲۸۲/۸) میں اور المعجم الكبير: (۳۱۴/۲۳) میں اور بخاریؒ نے اپنی تاريخ الكبير: (۲۷۸/۸) میں اور ہیثمی نے مجمع الزوائد: (۵۵۵/۷) میں روایت کیا ہے اور امام طحاویؒ نے اس کا آخری جملہ "يكون اسعد الناس بالدنيا الخ" معاني الآثار (۲۳۶/۲) میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی "عبد اللہ بن صالح" کاتب اللیث ہیں، ان کے بارے میں علما کی آرا مختلف ہیں: ابن معینؒ، ابو الاسودؒ، سعید بن عفیرؒ، ابو زرعہؒ وغیرہ محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور اکثر علما نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ دیکھو: تہذیب التہذیب: ۵۵۳۵ تا ۲۵۹) اس سے معلوم ہوا کہ ان کی حدیث حسن ہوگی چناں چہ ابو زرعہؒ نے ان کو حسن الحدیث قرار دیا ہے۔ (كمافي التهذيب)

جھوٹی گواہیوں کا دور دورہ

اس حدیث کے پہلے چار جملوں، یعنی "**یکذب فیه الصادق ویصدق فیه الکاذب ویخون الأمین ویؤتمن الخائن**" کی تشریح دوسری حدیث کے تحت گزر چکی ہے، وہاں دیکھا جائے۔ اس کے بعد اس حدیث میں مزید تین علامات وفتن کا ذکر ہے "**ویشهد المرء ولم یستشهد**" (یعنی آدمی بغیر گواہی چاہے، خود گواہی دے گا) ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ میرا زمانہ سب سے بہتر ہے، پھر اس کے بعد کا، پھر اس کے بعد کا زمانہ بہتر ہے، پھر ایک قوم آئے گی، جو اپنی شرافت کی ڈینگیں مارے گی اور موٹے ہونے کو پسند کرے گی اور طلب کرنے سے پہلے گواہی دے گی۔ (۱)

اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ پھر جھوٹ پھیل جائے گا، حتی کہ آدمی بلا طلب گواہی دے گا اور قسم کھائے گا۔ (۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم وقاضی کی عدالت ودربار میں اپنے ناجائز مطالبات اور باطل دعوؤں کو منوانے اور ثابت کرنے کے لیے لوگ جھوٹے گواہوں کو کرایے پر لے جائیں گے اور بغیر قاضی وحاکم کی طلب کے جھوٹی گواہی دینے والے گواہی دیں گے اور باطل دعوؤں کو منوائیں گے۔ اس تشریح سے وہ تعارض ختم ہو گیا، جو ایک دوسری حدیث اور اس حدیث میں بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ

خیر الشهداء الذي یأتي بشهادة قبل أن یسألها. (یعنی بہترین گواہ وہ ہے، جو سوال سے پہلے حقِ شہادت ادا کر دے) (۳)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلب سے پہلے شہادت وگواہی دینا اچھا کام ہے اور اوپر کی حدیث سے اس کا بُرا اور علاماتِ قیامت میں سے ہونا معلوم ہوتا ہے، مگر ہماری تشریح سے یہ تعارض رفع ہو گیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اوپر کی حدیث جھوٹی گواہی کے بارے میں ہے اور یہ

---

(۱) الترمذي: ۲۱۶۵

(۲) ابن ماجة: ۲۳۶۳، الطحاوي: ۱۱۷، أحمد: ۱۱۴، بألفاظ مختلفة

(۳) الترمذي: ۲۳۰۳، المسلم: ۴۴۹۴، أبوداؤد: ۳۵۹۶، ابن ماجة: ۲۳۶۴، أحمد: ۲۱۶۸۳، مالک: ۲۶۶۵ الطحاوي: ۶۱۳۳

حدیث سچی گواہی کے بارے میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب شہادت دینے کا موقعہ ہو، تو سچی بات کی گواہی دے دے اور اس میں بخل نہ کرے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے اہلِ علم کے حوالے سے ان دونوں احادیث کی تشریح فرمائی ہے۔(۱)

اور امام طحاوی رحمۃ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔(۲)

اور امام نووی رحمۃ اللہ نے شرح مسلم میں اس حدیث کی شرح میں طویل کلام کیا ہے اہلِ علم حضرات کے لیے ہم یہاں ان کا کلام نقل کرتے ہیں، حاشیے پر اس کو ملاحظہ فرمائیں۔(۳)

---

(۱) دیکھو: الترمذي: ۲۳۰۲

(۲) شرح معاني الآثار: ۶۱۳۲

(۳) ان دو احادیث کی تطبیق میں علامہ نووی رحمۃ اللہ نے جو لکھا ہے، وہ یہاں اہلِ علم کے لیے عربی میں نقل کیا جاتا ہے: ملاحظہ فرمائیں

"خير الشهداء من يأتي بالشهادة قبل أن يسألها": قال النووي رحمه الله: وفي المراد بهذا الحديث تأويلان: أصحهما وأشهرهما تأويل مالک وأصحاب الشافعي رحمهم الله أنهٔ محمول علىمن عنده شهادة لإنسان بحق ولا يعلم ذلک الإنسان أنه شاهد فيأتي إليه، فيخبره بأنه شاهد له. والثاني: أنه محمول علىٰ شهادة الحسبة وذلک في غير حقوق الآدميين المختصة بهم فمما تقبل فيه شهادة الحسبة الطلاق والعتق والوقف والوصايا العامة والحدود ونحو ذلک،فمن علم شيأً من هذا النوع وجب عليه رفعه إلى القاضي وإعلامه به والشهادة قال الله تعالىٰ: (وأقيموا الشهادة لله) وكذا في النوع الأول يلزم من عنده شهادة الإنسان لايعلمها أن يعلمه إياها أمانةً له عنده.وحكىٰ تأويل ثالث: أنه محمول علىٰ المجازِ وَالمبالغة في أداء الشهادة بعد طلبها لاقبله ،كما يقال:"الجواد يعطي قبل السؤال" اى يعطي سريعاً عقب السؤال من غير توقف؛ قال العلماء: وليس في هذا الحديث مناقضة للحديث الأخر في ذم من يأتي بالشهادة قبل أن يستشهد في قوله عليه السلام "يشهدون ولايستشهدون" وقد تأول العلماء هذا تأويلات أصحها تأويل أصحابنا أنه محمول علىٰ من معه شهادة لآدمي عالم بها فيأتي فيشهد بها قبل أن تطلب منه الثاني أنه محمول علىٰ شاهد الزور، فيشهد بها لاأصل له ولم يستشهد. والثالث: أنه محمول علىٰ من ينتصب شاهداً وليس هو من أهل الشهادة. والرابع: أنه محمول علىٰ من يشهد لقوم بالجنة أوالنار من غير توقف وهذا ضعيف. والله أعلم. (شرح مسلم للنووي رحمه الله: ۱۲/ ۲۵).

اس سے جھوٹی گواہی اور کرایے کی گواہی کا حرام ہونا ثابت ہوا اور بعض احادیث میں جھوٹی گواہی کو ''اکبرالکبائر''؛ یعنی بڑے گناہوں میں سے بھی بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ (۱)

اور آج کل انتخابات کے موقعے پر جو پیسوں کی بنیاد پر ووٹ ڈالا جاتا ہے، یہ بھی اس حدیث کا واضح مصداق ہے؛ کیوں کہ ووٹ بھی ایک گواہی ہے، امیدوار کے حق میں کہ یہ آدمی قابلِ وثوق اور دیانت دار اور قوم وملت کے لیے سچا خادم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے؛ اگر نا قابل کے حق میں ووٹ دیا گیا، تو یہ جھوٹی گواہی ہے اور آج سیاسی عہدوں پر زیادہ تر نا قابل اور بد بخت لوگ ہی آتے ہیں، ان کے حق میں گواہی جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور آج امت اور قوم کی جو تباہی ورسوائی دیکھنے میں آرہی ہے، یہ دراصل انہیں سیاسی کھلاڑیوں کے سیاسی کھیل کا نتیجہ ہے، جن کو ووٹ دے دے کر لوگ جتاتے ہیں اور وہ جیتنے کے بعد قوم وملت کی رسوائی کا سب سے بڑا سبب بنتے ہیں۔ (ووٹ کی شرعی حیثیت پر احقر کا مفصل مضمون ہے، جس میں اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے) اسی طرح جھوٹا سرٹیفیکٹ وسند بھی اسی زمرے میں شامل ہے، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں اور سرکاری وغیر سرکاری دفاتر میں اس کی بڑی کثرت ہے کہ لوگ روپیے خرچ کر کے جھوٹا سرٹیفیکٹ بناتے اور عہدوں ومنصبوں پر فائز ہوجاتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سب باتیں قیامت کی علامات میں سے ہیں، جن کا ظہور کھلی آنکھوں ہو رہا ہے۔

جھوٹی قسم

۲- ''**ویحلف ولم یستحلف**'': (لوگ قسم کھائیں گے، جب کہ ان سے قسم کا مطالبہ نہیں ہوگا) یعنی بغیر طلب قسمیں کھائیں گے، اس سے یا تو جھوٹی قسم کھانا مراد ہے کہ لوگ روپیے، پیسے لے کر جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔ (۲)

یا یہ مراد ہے کہ ہر بات پر بلا وجہ قسم کھائیں گے، امام طحاوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

''یہ بھی مکروہ ہے کہ زیادہ قسمیں کھائی جائیں''۔ (۳)

معلوم ہوا کہ بعض لوگ، جو بلا وجہ قسمیں کھاتے ہیں، یہ بھی علاماتِ قیامت میں سے ہے۔

---

(۱) البخاري: ۵۹۷۷، المسلم: ۲۶۱، الترمذي: ۱۹۰۱، النسائي: ۴۰۱۵، أحمد: ۱۲۳۳۶

(۲) الطحاوي: ۲/۲۲۰

(۳) الطحاوي: ۲/۲۶۷

دنیا پر ذلیل لوگوں کا تسلط

" ویکون أسعد الناس بالدنیا لکع بن لکع لایؤمن باللّٰہ ورسولہ " (یعنی آخری زمانے میں دنیا کے لحاظ سے سب سے زیادہ خوش عیش وہ آدمی ہوگا، جو بے ایمان ذلیل ونکما ہوگا اور ذلیل ونکمے کی اولاد ہوگا) یعنی اس کا نکما پن خاندانی ہوگا۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی، جب تک کہ ذلیل بن ذلیل کے قبضہ میں دنیا نہ ہو جائے۔ (۱)

اور ایک دوسری حدیث میں اس طرح فرمایا گیا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی، جب تک کہ ذلیل بن ذلیل دنیا کے لحاظ سے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوش عیش نہ ہو جائے۔ (۲)

اور ابن حبان رحمۃ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

لاتنقضي الدنیا حتی تکون عند لکع بن لکع (۳)

ایک حدیث میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ روایت کیے گئے ہیں:

لاتقوم الساعة حتیٰ یغلب علی الدنیا لکع بن لکع. (۴)

اس قسم کی متعدد احادیث ہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ آخری زمانے میں سب سے زیادہ مال و دولت والا اور دنیوی عیش و عشرت والا اور اعلیٰ منصب والا اور دنیوی امور میں حکم چلانے والا، وہ آدمی ہوگا، جو ذلیل ورذیل اور نکما ہوگا اور اس کا باپ بھی ذلیل ونکما ہوگا۔ (۵)

علامہ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ نے "جامع العلوم والحکم" میں ان کی تشریح میں فرمایا کہ

ان ساری احادیث کا مضمون، جو قیامت کی علامات میں ذکر کیے گئے ہیں، ایک

---

(۱) أحمد :۸۳۲۲

(۲) أحمد :۲۳۳۰۳، الترمذي :۲۲۰۹

(۳) صحیح ابن حبان :۱۵/۱۱۶

(۴) الطبراني في الأوسط :۳/۲۵۷، الزهد للإمام أحمد ۱/۹۷

(۵) تحفة الأحوذي:۶/۴۵۲

بات کی طرف لوٹتا ہے کہ کام اور معاملات، نا اہل لوگوں کے سپرد کیے جائیں گے؛ جیسا کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جب کہ کسی نے آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھا تھا کہ إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ (جب معاملات اور ذمہ داریاں غیر اہل لوگوں کے سپرد کی جانے لگیں، تو قیامت کا انتظار کرو) کیوں کہ جب ننگے بدن، ننگے پیر بکریوں کے چرانے والے جو کہ اہلِ جہل و جفا ہیں، لوگوں کے سردار اور اہلِ دولت واموال بن جائیں گے؛ حتی کہ عمارات بنا کر اس پر فخر کریں گے، تو اس سے دین ودنیا کا نظام فاسد ہو جائے گا؛ کیوں کہ اگر لوگوں کے سردار وہ ہو جائیں گے، جو فقیر ومحتاج تھے اور وہ لوگوں پر حاکم بن جائیں گے، خواہ ان کی یہ حکومت عام ہو یا بعض چیزوں پر خاص ہو، تو وہ لوگوں کو ان کے حقوق ادا نہ کر سکیں گے؛ بل کہ اپنے لیے اس مال کو مخصوص کر لیں گے، جس سے انھوں نے یہ تسلط حاصل کیا ہے اور اگر اس کے ساتھ ساتھ وہ جاہل بھی ہوں اور بے مروت بھی ہوں، تو ان سے دین بھی فاسد ہو جائے گا؛ کیوں کہ ان (جیسوں) کو لوگوں کی دینی اصلاح وتربیت کی فکر نہ ہوگی اور نہ ان کی تعلیم کی فکر ہوگی؛ بل کہ ان کی فکر ولگن تو مال کی تحصیل اور اس کو بڑھانے میں ہوگی اور وہ اس کی پرواہ نہ کریں گے کہ کونسی چیز سے لوگوں کا دین فاسد ہو رہا ہے اور نہ اس کی پرواہ کریں گے کہ کن کن حاجت مندوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ (۱)

آج دنیا کی صورتِ حال پر نظر ڈالیے، تو اس حدیث میں بیان کردہ نقشہ صاف دکھائی دے گا کہ انتہائی ذلیل ورذیل قسم کے لوگ، جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ رسول پر، دنیا کے مالک بن بیٹھے ہیں اور اہلِ علم واہلِ دین پر ان کا تسلط قائم ہے اور اہلِ علم واہلِ دین کو ہر جگہ سے بے دخل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اگر آگے بڑھ کر دیکھیں، تو امریکہ نے سارے ممالک پر اپنا تسلط جمالیا ہے اور سارے اسلامی وغیر اسلامی ممالک اس کے محکوم وغلام بنے دکھائی دیتے ہیں اور امریکہ جو چاہتا ہے، نافذ کرتا ہے اور اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف پوری دنیا میں سازشوں کا جال بچھا رکھا ہے، یہ (سابق) امریکی صدر ''بش'' (BUSH) ہے، جو بہت حد تک لکع بن لکع کا مصداق ہے۔ واللہ أعلم

(۱) جامع العلوم والحکم: ۱/۱۴۳

« يَأْتِي عَلَى النَاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَا الْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ . »

ترجمہ: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں اپنے دین پر ثابت قدم رہنے والے کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص آگ کے انگاروں سے مٹھی بھرے۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے اپنی سنن، کتاب الفتن میں بہ رقم: (۲۲۶۰) اور دیلمی نے الفردوس: (۴۴۵/۵) میں "الصابر علیٰ دينه له أجر خمسين فيكم" کے اضافے کے ساتھ روایت کیا ہے اور ترمذی کے حوالے سے کنز العمال: (۵۵۳۱) میں اور سیوطیؒ نے جامع الصغیر: (۹۹۸۸) میں اور علامہ عجلونیؒ نے کشف الخفاء: (۳۲۴۳) میں نقل کیا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حدیث امام ترمذیؒ کی ثلاثی ہے؛ یعنی امام ترمذیؒ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صرف تین راویوں کا واسطہ ہے اور امام ترمذیؒ کی سنن میں صرف یہی ایک حدیث ثلاثی ہے۔ (كما في الرسالة المستطرفة للكتانيؒ: ۹۷/۱)

اس حدیث کو امام سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں درج کر کے حسن ہونے کا اشارہ دیا ہے اور علامہ مناویؒ نے اس پر سکوت کیا ہے (فیض القدیر: ۴۵۶/۶) اس حدیث کے ایک راوی "عمر بن شاکر" کو بعض نے ضعیف قرار دیا ہے؛ مگر امام بخاریؒ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ هو مقارب الحديث (علل الترمذي للقاضي: ۳۲۹/۱، التهذيب: ۲۳۲/۳) اور ابن حبانؒ نے ان کو كتاب الثقات: (۱۵۱/۵) میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے اور وہ اس حدیث کی شاہد ہے، جس سے اس حدیث کا ضعف منجبر ہو جاتا ہے؛ چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں یہ بھی جملہ آیا ہے کہ نبی کریم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "

المتمسک یومئذ بدینہ ، کالقابض علی الجمر ؛أوقال: علی الشوک“ (یعنی اس زمانے میں دین پر قائم رہنے والا ایسا ہوگا، جیسا کہ آگ کو پکڑنے والا یا یہ فرمایا کہ جیسے کانٹے کو پکڑنے والا)(رواہ أحمد :۹۰۷۳،والفریابي في صفة المنافق :۸۱والدیلمي في الفردوس:۴/۳۹۵)

دین کے لیے مشکلات کا پیش آنا

اس حدیث کا حاصل یہ کہ آخری زمانے میں دین پر چلنا اور اس پر قائم رہنا، اس قدر مشکل ہو جائے گا، جیسے آگ کو پکڑنا مشکل ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس زمانے میں کافر و فاسق اور سرکش و بددین لوگوں کا ہر طرف غلبہ ہوگا اور وہ اہلِ ایمان و اہلِ دین کو ستائیں گے، پریشان کریں گے اور ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑیں گے، جس کی وجہ سے ایمان پر قائم رہنا آسان نہ ہوگا؛ بل کہ ایسا سخت اور مشکل ہوگا، جیسے آگ کو تھامنا مشکل ہوتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں، حدیث کے یہ معنی ہیں کہ

> جس طرح آگ کو تھامنے والا ہاتھ کی جلن و سوزش پر صبر کی قدرت نہیں رکھتا، اسی طرح دین دار آدمی نافرمانیوں اور گناہوں کے غلبے اور فسق و فجور کے پھیلنے اور ایمان کے ضعیف ہونے کی وجہ سے دین پر قائم رہنے کی قدرت نہ پائے گا(۱)

مگر اس سے بہتر بات علامہ علی القاری رحمۃ اللہ نے فرمائی کہ

> حدیث کے معنی یہ ظاہر یہ ہیں کہ جس طرح سخت صبر اور مشقت کے تحمل کے بغیر آگ کو پکڑنا ممکن نہیں، اسی طرح اس زمانے میں اپنے دین کی حفاظت اور خود ایمان کا تحفظ، بغیر صبر عظیم کے ہو نہیں سکتا۔ (۲)

غرض یہ کہ کفر و اہلِ کفر اور فسق و اہلِ فسق کا اس قدر غلبہ ہوگا کہ بغیر صبر و تحمل، دین پر کوئی قائم نہ رہ سکے گا؛ مگر جو اللہ کے بندے ایسے زمانے میں بھی صبر و تحمل کا دامن نہیں چھوڑیں گے اور ہر طرح کے مصائب اور تکالیف کو برداشت کر کے اور جان و مال و عزت و آبرو کو خطرے میں ڈال کر دین

---

(۱) تحفة الاحوذی :۶/۵۳۸

(۲) مرقاة:۹/۵۵۰

پر قائم رہیں گے، ان کے لیے بڑا اجر وثواب ہے؛ چناں چہ ”دیلمی“ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زمانے میں دین پر قائم رہنے والے کو تم میں کے پچاس آدمیوں کے برابر اجر وثواب ملے گا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب کر کے فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل کے برابر اس کو ثواب ملے گا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زمانے میں دین پر چلنے والا ایسا ہوگا جیسا کہ آگ کو پکڑنے والا اور دین کو تھامنے والے کا اجر پچاس کے برابر ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ہمارے پچاس کے برابر یا ان کے پچاس کے برابر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پچاس کے برابر اجر ملے گا۔ (۱)

غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ آج کا دور اس کا مصداق پیش کر رہا ہے اور دین پر چلنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے، غیر تو غیر، خود مسلمان بھی دین پر چلنے والوں کے لیے مشکلات اور مصائب کھڑے کرتے نظر آتے ہیں؛ حتیٰ کہ بعض جگہ ذمہ دارانِ مساجد (جو عام طور پر انانیت وغرور میں مبتلا ہوتے ہیں) کی طرف سے بھی اہلِ علم اور اہلِ دین کو پریشانیاں پیش آتی ہیں، رہا غیروں کی طرف سے مشکلات کا پیش آنا، تو وہ ظاہر ہے اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اللّٰھم احفظنا۔

(۱) نوادر الاصول: ۳۸۳/۴

الحدیث الشریف - ۱۱

« يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ الْأَوَّلُ، فَالْأَوَّلُ وَيَبْقَى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيرِ اَوِ التَّمرِ لَايُبَالِيهِمُ اللّٰهُ بَالَةً. »

ترجمہ : نیک لوگ یکے بعد دیگرے رخصت ہوتے جائیں گے جیسا چھٹائی کے بعد ردی جو یا کھجوریں باقی رہ جاتی ہیں، ایسے ناکارہ لوگ رہ جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

تخریج وشرح

یہ حدیث بخاری کتاب الرقاق: (۶۴۳۴) اوردارمی کتاب الرقاق: (۲۷۶۱) میں ہے، الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ اس کو امام احمدؒ نے مسند: (۱۷۷۳۰) بیہقی نے السنن الکبریٰ: (۲۰۳۸۶) طبرانی نے المعجم الأوسط: (۱۲۳/۳) والمعجم الکبیر: (۲۹۸/۲۰) رامہرمزی نے أمثال الحدیث: (۱۹۶/۱) اور بخاری نے التاریخ الکبیر: (۴۳۴/۷) القضاعی نے مسند الشهاب: (۳۵۵/۱) اور الشیبانی نے الآحاد والمثاني: (۳۳۳/۴) میں روایت کیا ہے اور حدیث کا صحیح ہونا بخاری کی تخریج سے ظاہر ہے۔

نیک لوگوں سے محرومی کا نقصان

حاصلِ کلام یہ ہے کہ صالح اور متقی لوگ ایک ایک کر کے چلے جائیں گے؛ یعنی مرجائیں گے اور دنیا میں صرف ایسے لوگ رہ جائیں گے، جیسے جو یا کھجور کا بھوسہ ہوتا ہے؛ یعنی جو کسی کام کے نہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔ اس میں ایک لفظ ''حثالة یاحُفالة'' آیا ہے اور دونوں کے معنے ایک ہی ہیں: یعنی کسی چیز کا بے کار حصہ یا تیل کا تلچھٹ یا بھوسہ اور ردی چیز یا کم مایہ لوگ (۱)

(۱) دیکھو، فتح الباری: ۲۵۲/۱۱

مطلب یہ کہ قیامت کے قریب صرف بے کار لوگ اور گھٹیا قسم کے لوگ رہ جائیں گے اچھوں کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس یکے بعد دیگرے بلالے گا اور ان ردی اور گھٹیا لوگوں کی اللہ تعالیٰ کوئی پرواہ نہیں کرے گا؛ یعنی ان کی کوئی قدر و قیمت اللہ کے نزدیک نہ ہوگی۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی اور یہ معلوم ہے کہ قیامت شریر اور بد بخت لوگوں ہی پر قائم ہوگی اور ابن بطال رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی موت قیامت کی علامات میں سے ہے اور نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی اقتدا کرنا چاہیے اور ان کی مخالفت سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان لوگوں میں شامل نہ ہو جائے، جو ان نیک لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ کوئی پرواہ نہیں کرے گا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بات ہوسکتی ہے کہ آخری زمانے میں اہلِ خیر سب کے سب اٹھ جائیں گے اور سوائے اہلِ شر کے کوئی باقی نہ رہے گا۔ (۲)

عبرت

اس حدیث سے عبرت لینا چاہیے کہ آج بھی تقریباً ایسا دور آچکا ہے کہ اولیاء اللہ اور مقربانِ خداوندی، علما و صلحا اٹھتے چلے جارہے ہیں اور ان کی جگہ کو کوئی پُر کرنے والا نہیں ہے اور دوسری طرف اہلِ شر و اہلِ فساد کا غلبہ و کثرت دکھائی دے رہی ہے اور ہر جگہ انہی کا سکہ چل رہا ہے، جس سے قیامت کا قریب ہونا ظاہر ہورہا ہے، اس سے قبل کہ اہلِ شر کا پورا پورا تسلط ہو اور ان کی شرارتیں و خباثتیں مزید ہوں، اہلِ خیر حضرات کو خیر میں اضافہ اور نیکیوں کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہونا چاہیے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خیر و نیکی میں اضافہ اور ان کی اشاعت سے مراد، واقعی خیر و نیکی ہونا چاہیے، نہ یہ کہ محض دکھاوے کی نیکی و خیر؛ آج یہی بڑی مصیبت ہے کہ انجمنیں، جماعتیں، تحریکیں اور مختلف ادارے جب خیر و نیکی کی دعوت و اشاعت کا بیڑا اٹھاتے ہیں، تو عموماً ان میں ایسی چیزیں شامل ہو جاتی ہیں، جو نیکی و خیر کو اپنے حقیقی مفہوم سے ہٹا کر شر کے دائرے میں داخل کر دیتی ہیں، جس کی وجہ سے نیکی کی اشاعت، بدی و شر کی اشاعت ہو جاتی ہے

---

(۱) فتح الباری: ۱۱/۲۵۲، مرقاۃ: ۹/۵۴۵

(۲) فتح الباری: ۱۱/۲۵۲

اور یہ کام عموماً غیر شعوری طریقے پر انجام پاتا ہے۔ مثلاً: ہر شخص جانتا ہے کہ نماز عبادت اور خیر ہی خیر ہے؛ مگر کیا دکھاوے کے لیے ہو تو، تب بھی خیر ہے؟ نہیں ہرگز نہیں؛ بل کہ اب نماز شر ہو جائے گی، اسی طرح دعوت و تبلیغ، درس تدریس، وغیرہ امور بھی کبھی اس طرح کی خرافات سے مخلوط ہو کر اپنی اصلیت کھو دیتے ہیں اور وہ فوائد و منافع ان پر مرتب نہیں ہوتے، جن کی ان سے توقع کی جاتی ہے یا کی جانی چاہیے۔ مثلاً: تبلیغ و دعوت میں کسی دوسری جماعتِ صالحہ کی تنقیص و توہین، دوسرے شعبہ ہائے دین و شریعت کی تحقیر یا تردید، اپنے کام اور اپنے طریقے پر بے جا اصرار، دوسرے طریقوں سے اعراض و انکار، مدارس میں ایک مدرسہ کا دوسرے کی مخالفت یا ایک دوسرے سے حسد و بغض وغیرہ ایسے امور ہیں، جو ان دینی تحریکوں اور جماعتوں اور خدمات میں رسہ کشی اور تفریق و عداوت کے جراثیم پیدا کر کے بہ جائے، نیکی اور خیر کی اشاعت کے بدی اور شر کی اشاعت کا کام کرنے لگتے ہیں، جو انتہائی خطرناک صورتِ حال ہے۔

ایک روایت

اس حدیث کی تشریح میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کا یہ قول نہایت مناسب و مفید ہے کہ آپ نے فرمایا:

يذهب الصالحون أسلافاً ويبقىٰ أصحاب الريب،قالوا: وما أصحاب الريب؟ قال:قوم لايأمرون بالمعروف ولاينهون عن المنكر.[1]

ترجمہ: نیک لوگ گذرتے چلے جائیں گے اور شک والے باقی رہ جائیں گے، لوگوں نے عرض کیا کہ شک والے کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ قوم، جو نہ امر بالمعروف کرے گی، نہ نہی عن المنکر کرے گی۔

اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب تک امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا سلسلہ قائم رہے گا، دنیا میں خیر باقی رہے گا اور قیامت نہیں آئے گی؛ اس لیے اوپر عرض کیا گیا کہ نیکی اور خیر کی تعلیم و تبلیغ میں اہلِ خیر کو پوری طرح کوشاں ہونا چاہیے۔

---

(۱) (شعب الايمان :۹۴/۶،طبراني في الكبير :۱۰۹/۹،حلية الأولياء: ۱۳۵/۱)

یَکُوْنُ فِي اٰخِرِ الزَّمَانِ عُبَّادٌ جُهَّالٌ، وَقُرَّاءُ فَسَقَةٌ .

ترجمۃ: آخری زمانے میں بے علم عبادت گذار اور بے عمل قاری ہوں گے۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو حاکمؒ نے المستدرک:(۴/۳۵۸) بیہقی رحمۃ اللہ نے شعب الإیمان: (۳۶۱/۵) ابونعیم رحمۃ اللہ نے حلیۃ الأولیاء: (۳۳۱/۲) دیلمی رحمۃ اللہ نے الفردوس: ۴۵۲/۵) اور ابن حبان رحمۃ اللہ نے المجروحین: (۱۳۵/۳) میں روایت کیا ہے اور حاکمؒ نے المستدرک اور سیوطی رحمۃ اللہ نے الجامع الصغیر میں اس کو صحیح قرار دیا ہے؛ مگر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ اور علامہ مناوی رحمۃ اللہ نے ان پر رد کیا ہے؛ کیوں کہ اس کی سند میں "یوسف بن عطیہ الصفار البصری" ایک راوی ہے، جس کے بارے میں ذہبی رحمۃ اللہ نے فرمایا: "مجمع علی ضعفه" یعنی اس کے ضعف پر علما کا اجماع ہے۔ (میزان الإعتدال: ۳۰۱/۷) اور ابنِ حبان رحمۃ اللہ المجروحین میں لکھا ہے: "لایجوز الاحتجاج به بحال" یعنی ان سے کسی بھی صورت میں احتجاج جائز نہیں۔ (المجروحین :۱۳۴/۳) نیز یحیٰی بن سعید رحمۃ اللہ نے فرمایا: "لیس بشيء" کہ یہ کچھ نہیں ہیں اور عمرو بن علی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ "کثیر الوهم والخطاء" ہیں؛ مگر میں نے ان کو جھوٹا نہیں پایا اور میں نے ان سے حدیث لکھی ہے، ابوحاتم رحمۃ اللہ، ابوزرعہ رحمۃ اللہ و دارقطنی رحمۃ اللہ نے ضعیف قرار دیا اور ابو داؤد رحمۃ اللہ نے فرمایا: "لیس بشيء" اور نسائی رحمۃ اللہ و دولابی رحمۃ اللہ نے متروک الحدیث فرمایا (تهذیب الکمال :۴۴۶/۳۲) لہذا یہ حدیث ضعیف ہے، "البانی" نے جو اس حدیث کو سلسلة الأحادیث الضعیفه:(۶۳۹/۱) میں موضوع قرار دیا ہے، میرے نزدیک یہ تجاوز ہے۔

جاہل عابد اور فاسق قاری

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ آخری زمانے میں "عباد جهال "(یعنی جاہل عبادت گذار) اور" قراء فسقة "(فاسق و بےعمل قاری ہوں گے) دیلمی کی روایت میں "علماء فساق " آیا ہے کہ بےعمل علما ہوں گے۔ اور یہ دونوں طبقے دین وملت کے لیے انتہائی خطرناک ہیں؛ کیوں کہ جاہل عبادت گذار دین کا صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے بدعات وخرافات؛ بل کہ شرکیات و لغویات میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور اپنی جہالت سے ان کو دین میں بھی داخل کر لیتے ہیں، پھر اپنی عبادت کے غرور میں علمائے حق کے فتاویٰ کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور ایک مستقل محاذ بنا لیتے ہیں اور جو لوگ ان کی عبادت وریاضت اور محنت ومجاہدے کو دیکھتے ہیں، وہ ان کے معتقد وحامی بن جاتے ہیں اور مستقل ایک فرقہ اور جتھا بنا لیتے ہیں؛ چناں چہ جاہل صوفیا، جو اپنے آستانوں اور خانقاہوں میں بدعات وخرافات اور شرکیات میں ملوث ہیں اور دوسروں کو ملوث کررہے ہیں، یہ اس حدیث کے مصداق ہیں۔ ہاں! جو صوفیا واقعی اللہ کے محبوب ومقرب ہیں، جنھوں نے علمِ شریعت بھی حاصل کیا اور علمِ شرع کے مطابق عمل کیا اور کرتے ہیں، وہ دین کے داعی اور محافظ ہیں۔

اسی طرح فاسق قرا، علما بھی دین وملت کے لیے خطرہ ہیں؛ کیوں کہ ان کا فسق وفجور اور ان کی بے راہ روی ودنیا طلبی، ان کو کبھی دین میں تحریف وتبدیل پر، کبھی تاویل وترمیم پر، کبھی حذف واضافے پر ابھارتی ہے اور محض اپنی خواہشات کی بنیاد پر اللہ کے دین کو کھلواڑ بنا لیتے ہیں اور اللہ سے بے خوفی وبے تعلقی ان کو حرام وحلال کی تمیز سے محروم کردیتی ہے؛ اس لیے محض دنیا کے لالچ اور خواہشات کی پیروی کی بنا پر یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور عوام الناس کو بھی گمراہی میں لے جاتے ہیں؛ اس لیے اس طبقے کو بھی خطرہ سمجھا جاتا ہے۔

صاحبِ ہدایہ "علامہ برہان الدین مرغینانی" کے دو شعر "تعليم المتعلم "میں نقل کیے گئے ہیں:۔

فساد كبير عالم مُتَهَتِّكٌ	وأكبر منه جاهل مُتَنَسِّكٌ
هما فتنة في العالمين عظيمة	لمن بهما في دينه يَتَمَسَّكُ

ترجمہ: دین کی ہتک کرنے والا عالم بہت بڑا فساد وفتنہ ہے اور عبادت گذار جاہل اس سے بڑھ کر فتنہ؛ جو شخص دین میں ان دونوں کی طرزِ زندگی کو اپنے لیے راہِ عمل بنائے گا، وہ دین ودنیا کے فتنے میں مبتلا ہوگا۔

« لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ ، حَتّٰى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ . »

ترجمہ: قیامت قائم نہ ہوگی، یہاں تک کہ لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر (یا مساجد کے بارے میں) فخر کرنے لگیں گے۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو متعدد حضراتِ محدثین نے روایت کیا ہے: ابن خزیمہؒ نے صحیح: (۲/۲۸۲) میں ابن حبانؒ نے صحیح: (۴/۴۹۳) میں، دارمیؒ نے سنن: (۱۴۴۸) میں بیہقیؒ (۴۲۹۹) نے السنن الکبریٰ: (۲/۴۳۹) میں احمدؒ نے مسند بہ رقم: (۱۲۳۷۹)، ابوداؤد نے بہ رقم: (۴۴۹)، نسائی نے السنن الکبریٰ: (۷۷۰) اور المجتبیٰ: (۶۸۹) میں، ابن ماجہؒ نے بہ رقم: (۷۳۹) مقدسیؒ نے الأحاديث المختارة: (۶/۲۲۳) میں، امام احمدؒ نے الورع: ۱/۱۹۴ میں، روایت کیا ہے۔ بعض نے "من أشراط الساعة أن يتباهي" الخ کے الفاظ سے اور بعض نے "لاتقوم الساعة حتى يتباهي" الخ کے الفاظ سے روایت کیا ہے اور موارد الظمان میں ایک روایت "نهىٰ عن أن يتباهي الناس" کے الفاظ سے بھی آئی ہے۔ (موارد الظمان: ۱/ ۳۰۸)، علامہ مقدسیؒ نے الأحاديث المختارة میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

مساجد پر فخر

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ لوگ مساجد بنانے اور اس کو سنوارنے اور زینت سے آراستہ کرنے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے، یہ اخلاص کی کمی اور ریاکاری اور دنیوی عزت وشہرت کی طرف میلان اور جھکاؤ کا نتیجہ ہوگا، معلوم ہوا کہ مساجد کا بنانا اور حدود میں رہتے ہوئے اس کو مضبوط و مستحکم اور خوش نما بنانا، اگرچہ ثواب کا کام ہے، مگر یہ

اس شرط سے مشروط ہے کہ اخلاص کے ساتھ ہو؛ جیسا کہ تمام دینی کاموں میں یہی شرط ہے۔
جیسا کہ حدیث میں ہے" إنما الأعمال بالنيات " اگر اخلاص نہ ہوگا؛ بل کہ فخر وناز مقصود ہوگا، تو اس میں ثواب تو کُجا، مزید عتاب وعقاب ہوگا۔ بعض لوگ مساجد پر اپنا نام کندہ کرانے کی شرط لگا کر کمیٹی کو چندہ دیتے ہیں، اس طرح کی شرط لگانا خلوص نہ ہونے کی علامت ہے اور وہی فخر وناز اس کا منشا ہے، جس کو علاماتِ قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ ہاں! اگر کمیٹی نے یا کسی ادارے کے ذمہ دار نے دوسروں کی ترغیب کے لیے کسی کا نام کندہ کرا کر لگا دیا اشتہار وغیرہ مشتہر کر دیا، تو جائز ہے؛ مگر خود چندہ دہندگان کو اس طرح کی شرط نہ لگانا چاہیے۔
غرض یہ کہ جب لوگ مساجد بنا کر ان سے ایک دوسرے پر فخر کریں گے، تو سمجھو کہ قیامت قریب آ گئی اور آج یہ حالت کثرت سے مشاہد ہو رہی ہے کہ لوگ چاہے مسجد میں نماز نہ پڑھیں اور مسجد سے دوری اختیار کریں، مگر مسجد بنا کر فخر وناز کی باتیں ضرور کریں گے اور اپنی بڑائی وعظمت کے مظاہرے کے لیے ڈینگیں ضرور ماریں گے۔ اسی کو علاماتِ قیامت میں شمار کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ جو اختیاری کام علامتِ قیامت میں سے ہو، وہ معصیت اور گناہ ہے، جس پر اللہ کی طرف سے ضرور پکڑ ہوگی۔
لہٰذا مساجد بنانے والوں اور دینی کاموں میں حصہ لینے والوں کو چاہیے کہ وہ محض اللہ کے لیے کام کرنا سیکھیں اور اخلاص وللّٰہیت کی بنیاد پر دینی کام کرنے کی فکر کریں۔

❀❀❀

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: صِنْفَانِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَمْ أَرَهُمَا: قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ، يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ؛ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُوْسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ، لَايَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا، وَأَنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ كَذَا وَكَذَا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ دو جہنمی گروہ ایسے ہیں، جن کو میں نے نہیں دیکھا، (بعد میں پیدا ہوں گے) ایک: وہ گروہ، جن کے ہاتھ میں بیل کی دم جیسے کوڑے ہوں گے، وہ ان کوڑوں کے ساتھ لوگوں کو (ناحق) ماریں گے؛ دوم: وہ عورتیں، جو (کہنے کو تو) لباس پہنے ہوئے ہوں گی؛ لیکن (چوں کہ لباس بہت باریک یا ستر کے لیے ناکافی ہوگا، اس لیے وہ) درحقیقت برہنہ ہوں گی، (لوگوں کو اپنے جسم کی نمائش اور لباس کی زیبائش سے اپنی طرف) مائل کریں گی (اور خود بھی مردوں سے اختلاط کی طرف) مائل ہوں گی، ان کے سر (فیشن (FASHION) کی وجہ سے) بختی اونٹ کے کوہان جیسے ہوں گے، یہ عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی، نہ جنت کی خوشبو ہی ان کو نصیب ہوگی؛ حالاں کہ جنت کی خوشبو دور دور سے آرہی ہوگی۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو امام مسلمؒ نے بہ رقم: (۵۵۸۲) ابن حبانؒ نے صحیح میں (۱۶/۵۰۰) بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ: (۳۲۶۰) میں احمدؒ نے مسند میں بہ رقم: (۸۶۶۵) طبرانی نے المعجم الأوسط: (۲/۲۲۵) میں ابو یعلیٰؒ نے مسند: (۱۲/۴۶) دیلمیؒ نے مسند الفردوس: (۲/۴۰۱) میں رامہرمزیؒ نے أمثال الحدیث: (۱/۲۳۲) میں روایت کیا ہے اور حدیث صحیح ہے۔

یہ حدیث معجزہ ہے!

یہ حدیث نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ اور دلائلِ نبوت میں سے ایک قوی ترین دلیل ہے؛ کیوں کہ اس میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جن دو قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ میرے زمانے میں موجود نہیں ہیں، بعد میں ظاہر ہوں گے، بعینہٖ اسی طرح ان کا ظہور ہوا، اس سے ایک طرف آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا معجزہ ظاہر ہوا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک پیشین گوئی فرمائی اور غیب کی خبر دی اور وہ اسی طرح ظاہر ہوگئی جیسے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تھا؛ پھر اسی سے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نبی ورسول ہونے پر دلالت بھی ہوگئی۔ علامہ نووی رَحِمَہُ اللہُ نے فرمایا کہ یہ حدیث نبوت کے معجزات میں سے ہے اور یہ دو قسمیں (آپ کی امت میں) ظاہر ہوگئیں اور موجود ہیں۔ (۱)

پولیس کے مظالم

۱- اب سنیے کہ وہ دو قسم کے لوگ کون ہیں اور ان کی علامات کیا ہیں؟ ایک قسم وہ، جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کے مانند کوڑے ہوں گے، جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے، اس سے کون مراد ہیں؟ اس سلسلے میں علامہ مناوی رَحِمَہُ اللہُ نے "فیض القدیر شرح الجامع الصغیر" میں فرمایا کہ

> صدرِ اول کے بعد ایک قوم آئی، جو ہمیشہ ایسے کوڑے رکھتی ہے، جن سے (شرعی) سزاؤں میں بھی لوگوں کو تکلیف پہنچانا قصداً جائز نہیں، یہ پولیس والوں کے مددگار ہوتے ہیں، جو جلاد کے نام سے معروف ہیں، ان کو اگر (امیر کی طرف سے) مارنے کا حکم دیا جاتا ہے، تو یہ کوڑے مارنے کی مقدار میں اور اس کی کیفیت میں حدِ مشروع سے تجاوز کر جاتے ہیں اور بسا اوقات ان کو ان کی نفسانی خواہش اور ان کی ظالمانہ فطرت وجبلت یہاں تک پہنچا دیتی ہے کہ پٹنے والے آدمی کو ہلاک کر دیتے یا اس کو حد سے زیادہ ایذا وتکلیف دیتے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ اس سے

(۱) شرح المسلم: ۱۷/۲۷۶

مراد وہ لوگ ہیں، جو ظالم بادشاہوں اور حاکموں کے دروازوں پر پھرتے رہتے ہیں اور ان کے پاس کوڑے ہوتے ہیں، جن سے وہ عام لوگوں کو (بادشاہوں کے دروازوں سے) بھگاتے رہتے ہیں۔ (۱)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں جن لوگوں کا ذکر ہے، ان سے مراد کوتوال کے ماتحت کام کرنے والے جلاد لوگ ہیں، جو کوڑوں کے ذریعے بعض دفعہ مظلوم لوگوں کو ایذا و تکلیف پہنچاتے ہیں یا مجرمین پر بھی حد سے زیادہ ظلم و تشدد کرتے ہیں یا ظالم بادشاہوں کے دربان مراد ہیں، جو کوڑے لیے عام آدمیوں کو دربار میں آنے سے باز رکھتے یا بھگاتے ہیں۔

بندے کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ اُس زمانے میں بندوق و رائیفل کا وجود نہیں تھا، اگر اس کا ذکر کرتے، تو لوگ سمجھ نہ پاتے؛ لہٰذا آپ نے کوڑوں کے ذکر پر اکتفا فرمایا، ورنہ اس دور کے بعد ایجاد شدہ ہتھیار، جن میں رائیفل و بندوق بھی داخل ہیں، وہ سب اس حدیث کا مصداق ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جلاد لوگ مختلف ہتھیاروں سے لوگوں کو ایذا و تکلیف پہنچائیں گے اور حق و ناحق ہر طرح ستائیں گے اور معمولی جرم پر بڑی بڑی سزائیں دیں گے؛ بل کہ مجرمین کے بہ جائے غیر مجرم لوگوں پر سزائیں جاری کریں گے۔

کیا آج کی پولس و فوج پر یہ ساری باتیں صادق نہیں آتیں؟ بلا شبہ یہ ساری باتیں ان پر صادق آتی ہیں اور موجودہ دور میں، جو اہلِ اسلام پر اور اہلِ مدارس پر دنیوی حکمرانوں اور پولیس والوں کی طرف سے زیادتیاں اور مظالم ہو رہے ہیں، یہ اس کا واضح مصداق ہیں؛ چناں چہ متعدد ملکوں میں بے شمار معصوم انسانوں خصوصاً مسلمانوں پر حکمرانوں اور ان کے جلادوں کی طرف سے مصائب و مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں اور مجرموں کو کھلی چھوٹ ہے کہ وہ جو چاہیں کرتے رہیں؛ ''وشو ہندو پریشد'' اور ''بجرنگ دل'' اور ''آر-ایس-ایس'' کی طرف سے گجرات میں ہونے والے تشدد اور دہشت گردی، جس میں بے شمار انسانوں کو جلا کر خاک کا ڈھیر کر دیا گیا اور بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں تک کو نہیں بخشا گیا، انسانی تاریخ کا ایک ایسا المیہ ہے، جس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی؛ مگر اس جرم کے مرتکب لوگوں پر آج تک نہ گجرات حکومت نے کوئی سزا جاری کی اور

---

(۱) فیض القدیر: ۲۰۹/۴

نہ سنٹرل حکومت نے اس کا کوئی نوٹس لیا؛ بل کہ سنٹرل حکومت نے اپنی بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک درجے میں گجرات حکومت کو اس قتل وغارت گری کے ننگے ناچ پر شاباشی دیتے ہوئے حکومتِ گجرات کو مضبوط کر دیا کسی نے کہا تھا ۔

ہم آہ! بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں، تو چرچا نہیں ہوتا

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمہ اللہ نے اس میں یوں ترمیم فرمائی ہے، جو بالکل بجا ہے ۔

ہم آہ! بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں، تو پاتے ہیں انعام

اسی تفسیر کو علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح المسلم: (۱۷/۲۷۶) میں اور سیوطیؒ نے الدیباج (۵/۱۶۳) میں اختیار فرمایا ہے اور اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے، جو حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانے میں "شُرطة" (پولیس والے) ہوں گے، جو اللہ کے غضب میں صبح کو جائیں گے اور اللہ کی ناراضی کے ساتھ واپس لوٹیں گے، پس تم بچو اس سے کہ ان کے خاص لوگوں میں سے ہو جاؤ۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ آخری زمانے میں آنے والی قوم "شُرطة" (پولیس) ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ایک موقوف روایت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ پولیس ہے، جو بلا کسی جرم کے لوگوں کو سزا و تکلیف دے گی؛ چناں چہ ابن ابی شیبہ نے ان سے روایت کی ہے کہ

"ہم کتاب اللہ میں دو جہنمی طبقوں کو پاتے ہیں: ایک وہ قوم، جو آخر زمانے میں ہوگی، ان کے ساتھ کوڑے ہوں گے جیسے کہ گائے کی دم ہوتی ہے، اس سے وہ بغیر کسی جرم کے لوگوں کو ماریں گے اور ان کے پیٹوں میں سوائے حرام چیز کے کچھ داخل نہ ہوگا"۔ (۲)

ان دو مرفوع و موقوف احادیث سے اوپر کی حدیث کی پوری طرح وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس سے مراد پولیس ہے، جو لوگوں کو بلا جرم سزا دیتی اور اذیت و تکلیف پہنچاتی ہے اور یہ بات آج کل پوری طرح مشاہد و محسوس ہے، جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔

(۱) مسند الشامیین: ۱/۳۱۰، مسند الفردوس: ۲/۳۱۵، المستدرک: ۸۴۱۱

(۲) ابن ابی شیبہ: ۳۸۸۹۷

۲ – دوسری: عورتوں کی قوم جو (بہ ظاہر) کپڑوں میں ملبوس، مگر (درحقیقت) وہ کپڑوں سے عاری اور ننگی ہوں گی، جو غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود ان کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کے کوہان کی مانند ہوں گے؛ یہ عورتیں جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گی، جب کہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی (دور کی) مسافت سے محسوس ہوگی۔ یہاں عورتوں کی جس قوم کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی چند علامات و آثار بیان کیے گئے ہیں:

۱-لباس میں ملبوس، مگر ننگی

"كاسيات عاريات" (یعنی کپڑوں میں ملبوس، مگر ننگی) اس کے متعدد مطالب بیان کیے گئے ہیں:

۱-ایک مطلب یہ ہے کہ ظاہر میں تو وہ کپڑوں میں ملبوس ہوں گی، مگر کپڑے اس قدر باریک ہوں گے، کہ جسم جھلکتا ہوا ہوگا اور حقیقت میں ننگی ہوں گی۔

۲-دوسرا مطلب یہ ہے کہ کپڑے تو پہنی ہوئی ہوں گی، مگر نیکی اور بھلائی کے کاموں اور آخرت کے لیے اہتمام سے خالی و عاری اور ننگی ہوں گی۔

۳-تیسرا مطلب یہ ہے کہ بدن کا کچھ حصہ چھپائیں گی اور کچھ زیب و زینت اور جمال کے ظاہر کرنے کے لیے کھلا رکھیں گی، تو کچھ ملبوس اور کچھ عاری اور ننگا ہوگا۔

۴-چوتھا مطلب یہ ہے کہ وہ کپڑوں کا ظاہری لباس تو پہنیں گی، مگر تقوے کے لباس سے محروم اور ننگی ہوں گی۔ (۱)

ان مطالب میں سے آخری مطلب کو علامہ قرطبی رَحِمَہُ اللہُ نے اپنی تفسیر میں اختیار فرمایا ہے اور اس کو اصح قرار دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ظاہری لباس و پوشاک سے وہ عورتیں اپنے آپ کو ملبوس رکھیں گی، مگر جو اصل لباسِ "تقویٰ" ہے، جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا: "وَلِبَاسُ التَّقْوىٰ ذٰلِكَ خَيْرٌ" (کہ تقوے کا لباس ہی بہترین لباس ہے) اس سے وہ عاری

(۱) شرح المسلم للنووي: ۱۷/۲۷۷، فيض القدير: ۴/۲۰۹ نيل الأوطار: ۲/۱۳۰،

تفسیر القرطبي: ۱۲/۳۱۰ سورة النور، آیت: ۶۰

ہوں گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ سو رہا تھا، خواب میں دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کیے جارہے ہیں اور وہ قمیص پہنے ہوئے ہیں، بعض کی سینہ تک ہے اور بعض کی اس سے کم اور وہاں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بھی گذر ہوا اور ان پر اتنی لمبی قمیص ہے، جس کو وہ جھاڑتے جارہے ہیں۔

صحابہ نے عرض کیا کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟ فرمایا کہ "دین" (مسلم) معلوم ہوا کہ لباس وقمیص تو رکھتی ہوں گی، مگر دین وتقوے کا لباس ان کے پاس نہ ہوگا؛ بل کہ اس اعتبار سے وہ ننگی ہوں گی کہ تقویٰ نہ ہوگا، جس سے وہ فحش و بے حیائی اور جاہلی تبرج کے کسی کام کو بھی کرنے سے گریز نہ کریں گی۔ امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ فرماتے ہیں کہ

> آج کے زمانے میں یہی مطلب لینا ان عورتوں کے اور خاص طور پر جوان عورتوں کے مناسب ہے؛ کیوں کہ یہ آج کی عورتیں زیب وزینت کر کے بے حیائی سے باہر نکلتی ہیں؛ لہٰذا یہ کپڑوں میں تو ملبوس ہیں، مگر تقوے سے حقیقت اور ظاہر و باطن کے لحاظ سے ننگی ہیں، کیوں کہ یہ اپنی زینت کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتیں کہ کون ان کو دیکھ رہا ہے؛ بل کہ یہی (دکھانا) ان کا مقصود ہے۔[1]

میں کہتا ہوں کہ جو دیگر مطالب ہیں، ان کو بھی مراد لیا جاسکتا ہے؛ بل کہ یہ ساری ہی باتیں بطورِ قدرِ مشترک مراد لی جاسکتی ہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ بے حیائی کی عادی اور فیشن پرستی کی شکار عورتیں، جس طرح کبھی بعض حصہ بدن کو چھپاتی اور بعض کو کھول کر اپنی زینت ظاہر کرتی ہیں، اسی طرح بعض وقت رقیق اور باریک کپڑے پہن کر بے حیائی کا مظاہرہ کرتی ہیں؛ نیز اس فیشن پرستی اور دنیوی حرص ولالچ کے نتیجے میں مختلف قسم کے کپڑے اور انواع واقسام کے جوڑے بناتی اور اس میں بڑی باریکیوں کا لحاظ کرتی ہیں؛ مگر آخرت اور عملِ صالح سے غافل اور دین سے خالی وعاری ہوتی ہیں۔

غرض یہ کہ ان عورتوں میں یہ ساری باتیں بہ طورِ قدرِ مشترک پائی جاتی ہیں؛ لہٰذا یہ ساری باتیں مراد لینا بھی درست ہے۔

اس کے بعد اس پر غور کیجیے کہ آج عورتیں جس بے حیائی، فحاشی، عریانی اور فیشن کے نام پر آزادی

---

(۱) تفسیر القرطبي: ۱۲/۳۱۱، سورۃ النور: ۶۰

کی شکار ہوگئی ہیں اور اللہ کے ڈر وخوف اور آخرت کی فکر وطلب وشریعت سے وابستگی وتعلق سے دور و بے زار ہوچکی ہیں، اس صورتِ حال پر یہ حدیث کس قدر منطبق ہے؟ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ نے تو اپنے زمانے کی عورتوں ہی کو اس کا مصداق قرار دے دیا، جب کہ آج کی نسبت اس وقت کا حال بہت اچھا تھا، تو آج کی عورتوں پر اس کا انطباق اور زیادہ واضح اور پورے طور پر ہوتا ہے۔

مائل کرنے و مائل ہونے والیاں

۲-"مُمِیلات مَائلات" (مائل کرنے والیاں، مائل ہونے والیاں) اس کے بھی کئی مطالب بیان کیے گئے ہیں:

۱-ایک یہ کہ اللہ کی اطاعت سے (جس میں شرم گاہوں کی حفاظت بھی داخل ہے) روگردانی کرنے والی اور دوسروں کو برائی کی تعلیم دے کر، اس پر مائل کرنے والی عورتیں مراد ہیں؛ چناں چہ یہ فیشن پرستی کی شکار اور فحش و بے حیائی کی بیمار عورتیں اللہ کی اطاعت وفرماں برداری اور شرم وحیا اور عفت وعصمت کی حفاظت سے روگردانی کرتی ہیں اور یہی باتیں اپنی بچیوں اور دوسروں کی بچیوں اور دیگر عورتوں کو سکھاتی ہیں؛ بل کہ (اللہ ہماری حفاظت کرے) بعض معتبر ذرائع سے ایسی خبریں بھی معلوم ہوئی ہیں کہ ماں نے اپنی بچیوں کو غیر مردوں سے آشنائی کی راہ دکھائی، خود بھی ملوث ہوئی اور اپنی بچیوں کو بھی ملوث کیا۔

۲-دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ عورتیں چلنے میں اکڑ دکھاتی ہیں اور اپنے بازوؤں اور پہلوؤں کو اکڑا کر چلتی ہیں۔ (CAT WALK)

۳-ایک مطلب یہ ہے کہ خود غیر مردوں کی طرف مائل ہوتی ہیں اور دوسرے غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں، کبھی زیب وزینت سے اور کبھی اپنی گفتگو سے اور کبھی اپنے کپڑوں سے، کبھی اپنے جسموں کو ظاہر کرکے؛ غرض! کسی بھی طرح یہ بے حیائی کا کام کرتی ہیں اور آج کی ان فیشن پرست عورتوں میں یہ ساری باتیں بھی علی وجہ الاتم پائی جاتی ہیں اور یہ عورتیں اس حدیث کا مصداق بن کر ان وعیدوں کی مستحق بنتی جاتی ہیں، جو آگے بیان ہوئی ہیں۔

بختی اونٹوں جیسی سَر والیاں

۳-"روسهن كأسنمة البخت" (ان عورتوں کے سَر، بختی اونٹوں کے کوہان کے مانند

ہوں گے)"بخت" اونٹ کی ایک قسم ہے، جو بڑے جثّے اور کوہان والے ہوتے ہیں۔ حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ عورتیں اپنے بالوں یا کسی کپڑے وغیرہ سے سر کو باندھ کر سروں کو بڑا بناتی ہیں، جیسے اونٹ کے کوہان ہوتے ہیں، آج کل اس کو "چونڈا" کہتے ہیں کہ سارے بال سر کے اوپر بیچ میں یا سامنے لا کر کوہان جیسا بنالیتی ہیں اور اس پر کچھ خاص قسم کا کپڑا یا جالی ڈال لیتی ہیں؛ یہ حرام ہے اور اس کا آج فیشن چل پڑا ہے۔

ایک شبہے کا جواب

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں کے لیے وعید بیان فرمائی ہے کہ یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہو سکیں گی اور نہ جنت کی خوشبو ہی پائیں گی، جب کہ خوشبو بہت دور سے محسوس کی جاسکتی ہے۔

اگر یہ عورتیں کافرہ ہیں، تو یہ بات ظاہر ہے کہ وہ جنت میں نہیں جاسکیں گی کہ جنت میں کافروں کا کوئی حصہ نہیں اور اگر مسلمان ہیں، تو اس پر اشکال ہوگا کہ مسلمان تو کبھی نہ کبھی جنت میں داخل ہوگا؛ پھر اس حدیث میں یہ کیسے فرمایا کہ وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی؟

اس کا جواب بعض علما نے یہ دیا کہ یہ اس صورت میں ہے کہ یہ عورتیں ان فحش و منکر کاموں کو حلال سمجھ کر کریں؛ کیوں کہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے اور بعض علما نے یہ جواب دیا کہ جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب یہ کہ اولِ وہلہ میں داخل نہ ہوں گی؛ بل کہ سزا بھگت کر پھر جنت میں داخل ہوں گی۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ نے یہ دونوں جواب نقل کیے ہیں۔ (۱)

اس کا جواب علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ نے دیا ہے، فرمایا کہ

> میرے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر محمول ہے اور یہ سزا، ان عورتوں کی سزا ہے، اگر اللہ چاہے، تو ان سے درگذر بھی کر سکتا ہے؛ کیوں کہ وہ مغفرت اور معاف کرنے والا ہے۔ (۲)

مطلب یہ ہے کہ جو سزا ان عورتوں کی بیان کی گئی ہے کہ وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی، یہ ان کے جرم کی سزا ہے کہ جو بھی یہ جرم کرے، اس کو یہی سزا ملنی چاہیے؛ مگر اللہ تعالیٰ معاف بھی کر سکتا ہے۔ اے کاش! کہ یہ عورتیں اپنے جرائم سے توبہ کر کے اللہ کی عنایت و توجہ کی مستحق بن جائیں۔

---

(۱) شرح المسلم: ۲۷۶/۱۷، فیض القدیر: ۲۰۹/۴

(۲) التمہید: ۲۰۴/۱۳

« عَنْ ثَوْبَانَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعىٰ عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلٰى قَصْعَتِهَا. فَقَالَ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: بَلْ أَنْتُم يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللّٰهُ فِي قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ. فَقَالَ قَائِلٌ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! مَاالْوَهْنُ؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ. »

ترجمہ: حضرت ثوبان ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ وقت قریب آتا ہے، جب کہ تمام کافر قومیں تمہارے مٹانے کے لیے (مل کر سازشیں کریں گی اور) ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گی، جیسے (دستر خوان پر کھانا کھانے والے) (لذیذ) کھانے کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری قلت تعداد کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہوگا؟ فرمایا: نہیں! بل کہ تم اس وقت تعداد میں بہت ہوں گے؛ البتہ تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ناکارہ ہوں گے، یقیناً اللہ تعالی تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب اور دبدبہ نکال دیں گے اور تمہارے دلوں میں ''بزدلی'' ڈال دیں گے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! بزدلی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت سے نفرت''۔

تخریج و شرح

یہ حدیث أبو داؤد: (۴۲۹۷)، مسند أحمد: (۲۲۳۹۷) الزھد لابن أبي عاصم: (۱/۱۳۴) مصنف ابن أبي شيبة: (۳۸۴۰۲) میں روایت کی گئی ہے؛ البتہ ابن ابی شیبہ کے الفاظ میں کچھ فرق ہے، باقی مفہوم وہی ہے۔

بعض علما نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے؛ کیوں کہ اس کی سند میں ایک راوی ابو عبد السلام

ہے، جن کو ابو حاتمؒ نے مجہول قرار دیا ہے (الجرح والتعدیل (۴/۴۰۳)، مگر یہ صحیح نہیں ؛ کیوں کہ ان سے دو ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے۔ المیزان :۳/۴۰۴، المغنی في الضعفاء: (۱/۴۳۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجہول نہیں ہیں ؛ کیوں کہ دو آدمیوں کے کسی راوی سے روایت کرنے سے جہالت عین مرتفع ہو جاتی ہے اور جہالت وصف بھی اس طرح مرتفع ہے کہ ذہبیؒ نے الکاشف میں فرمایا کہ ان کی توثیق کی گئی ہے (الکاشف :۱/ ۴۹۵) اور ابن حبانؒ نے بھی ان کا ذکر (الثقات :۶/ ۴۵۷) میں کیا ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ ابو عبد السلام (جن کا نام صالح بن رستم ہے) کی متابعت امام احمدؒ کی روایت میں ''ابو اسماء عمرو بن مرثد الدمشقی'' نے کی ہے (مسند أحمد :۲۲۳۹۷) اور یہ ابو اسماء ثقہ ہیں، ابن حجرؒ نے لکھا کہ عجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے اور ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (تهذیب التهذیب : ۲/۱۹۳) لہٰذا یہ حدیث ضعیف نہیں ؛ بل کہ حسن ہے۔

عالمِ اسلام کی زبوں حالی کے اسباب

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ سارے کافر فرقے (جیسے یہود، نصاریٰ، ہنود و مجوس وغیرہ) مسلمانوں سے مقابلہ اور ان کی شوکت و طاقت کو توڑنے اور ان کے املاک و اموال اور ان کی بستیوں اور شہروں پر قبضہ کرنے کے لیے، ایک دوسرے کو اس طرح بلائیں گے، جیسے کھانے والے دستر خوان پر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں، تا کہ جس طرح دستر خوان پر بلا مانع و حارج اور بغیر کسی مزاحمت و پریشانی کے برتن کو صاف کر کے کھا لیتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کی جائیدادو املاک اور مال و دولت کو بلا کسی تعب و تکان اور بلا کسی ضرر و نقصان اور بغیر تکلیف و پریشانی کے حاصل کر لیں۔ (۱)

جب اللہ کے نبی ﷺ نے یہ فرمایا تو صحابہ ؓ نے پوچھا کہ کیا ہم اس وقت تعداد کے لحاظ سے کم ہوں گے؟ صحابہ ؓ کا مطلب یہ تھا کہ سارے کفار مسلمانوں کے خلاف ایک ہو کر، ان کی طاقت و شوکت کس طرح توڑیں گے اور ان کے اموال و املاک پر کس طرح قابض ہو جائیں گے، جب کہ ہم تعداد میں کثیر اور طاقت میں مضبوط ہیں؟ تو کیا جس وقت یہ

(۱) عون المعبود :۱۱/۴۰۴، مرقاۃ:۹/۵۵۱

واقعہ پیش آئے گا، ہم تعداد کے لحاظ سے قلیل ہوں گے؟ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ نہیں! بل کہ تم اس وقت (آج سے بھی زیادہ) کثیر تعداد میں رہو گے؛ مگر ایسے، جیسے سیلاب کے اوپر جھاگ ہوتا ہے، جس میں کوئی قوت وطاقت نہیں ہوتی، جس کو پھونکوں سے اڑایا جاسکتا ہے۔

پھر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ تمہارے رعب و دبدبے کو کفار کے دلوں سے نکال دیا جائے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری اور بزدلی ڈالی جائے گی۔ ایک روایت میں یوں فرمایا کہ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے بزدلی کو نکال کر تمہارے دلوں میں ڈال دیا جائے گا، جس کے نتیجے میں یہ حالت ہوگی۔ اس پر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ "وھن" اور کمزوری کیا ہے؛ یعنی اس کا سبب کیا ہے؟

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ایک "دنیا کی محبت" دوسرے "موت سے نفرت" ان دو وُجوہات سے تمہارے اندر کمزوری و بزدلی پیدا ہو جائے گی۔

ان دو باتوں پر غور کیجیے، تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت ان میں سے بزدلی و کمزوری کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے "دنیا کی محبت" اور دوسری چیز "موت سے نفرت"، جو دراصل حب دنیا کا نتیجہ اور لازمہ ہے؛ کیوں کہ جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے، وہ موت سے نفرت و کراہت کرتا ہی ہے؛ کیوں کہ موت "ھاذم اللّذات" (یعنی لذتوں کو ختم کردینے والی) ہے، تو دنیا کی محبت کا شکار اور اس میں گرفتار، کب یہ چاہے گا کہ موت آئے اور اس کی شہوتوں اور لذتوں پر پانی پھیر دے؟

غرض یہ کہ کمزوری و ضعف کی اصل وجہ دنیا کی محبت ہے، جس کے نتیجے میں موت سے نفرت بھی پیدا ہوگی اور اس کمزوری سے کفار مسلمانوں پر حاوی ہو جائیں گے۔

عبرت وموعظت

یہ حدیث بھی اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا معجزہ ہے کہ آپ کی یہ بات آج من وعن ظاہر ہو رہی ہے، سارے کفار جن میں یہود، نصاریٰ اور ہنود اور دیگر فرقے ہیں، مسلمانوں کی قوت وشوکت کو توڑنے پر تُلے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ہر جگہ اپنی چال بازیوں اور مکاریوں کو کام میں لاکر دہشت گردی اور بے حیائی کا ننگا ناچ دکھا رہے ہیں؛ فلسطین میں جو ہو رہا ہے اور مکار یہودیوں کی طرف سے وہاں جو ظلم و بربریت کا ننگا ناچ کھیلا

جارہا ہے اور افغانستان میں امریکہ کی طرف سے جو انسانیت سوز حملے اور دھماکے ہوئے اور ہزار ہاہزار معصوم انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور پھر ہندوستان میں مختلف جگہ ہندوؤں کی طرف سے وقتاً فوقتاً مسلمانوں پر اور ان کی جائدادوں پر ہونے والے حملے، جس کی تاریخ بہت پرانی اور بے حد افسوس ناک ہے اور آزادی کے بعد سے اب تک اس طرح پچاس سال کا عرصہ بیت چکا ہے اور اب تازہ تازہ گجرات میں گجرات حکومت کی لاپرواہی؛ بل کہ دہشت گردوں اور فسادیوں کی پشت پناہی کے نتیجے میں "آر-ایس-ایس" کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف ہونے والی سفاکیوں اور ہندستان کے سر کو اقوامِ عالم کے سامنے شرم کے مارے جھکا دینے والی درندگیوں اور شیاطین کو بھی شرما دینے والی مجرمانہ و بہیمانہ قتل و غارت گریوں کا جو ریکارڈ قائم کر دیا گیا ہے، یہ سب دراصل اسی حدیثِ نبوی کی تعبیر اور اس کا مصداق ہے۔

اس صورتِ حال میں اہلِ اسلام کو اپنے حالات کا بہ غور جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور اس حدیث کے مطابق یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہماری یہ غیروں کے ہاتھوں رسوائیاں دراصل ہماری کمزوری کا نتیجہ ہے اور یہ کمزوری، دنیا کی محبت میں گرفتار ہونے کی بنا پر ہے؛ لہٰذا دنیا کی محبت کو دلوں سے نکالیے، اللہ کی محبت سے اس کو آباد کیجیے، دین کی محبت سے اس کو روشناس کرائیے اور پھر دین پر چلنا سیکھیے اور دوسرے مسلمانوں کو اس پر چلائیے؛ پھر دیکھیے کہ کون ہمارا کیا بگاڑتا ہے؟!! یہ حدیث ہماری بیماری کی نشان دہی بھی کر رہی ہے اور ہماری بیماری کا علاج بھی بتا رہی ہے، جس کا حاصل اس شعر میں بیان کیا گیا ہے۔ شعر؎

فضائے بدر پیدا کر! فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں، گردوں سے قطار اندر، قطار اب بھی

❀❀❀

« عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَامِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِي أُمَّتِهٖ قَبْلِي إِلاَّ كَانَ لَهُ فِي أُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِأَمْرِهٖ؛ ثُمَّ أَنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ، يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ، وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ جَاهَدَ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ؛ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ . »

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ سے پہلے جس نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی امت میں مبعوث فرمایا، اس کی امت میں کچھ مخلص اور خاص رفقا ضرور ہوا کرتے، جو اس کی سنت کی پابندی اور اس کے حکم کی پیروی کرتے؛ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے، جو کہتے کچھ اور کرتے کچھ، اور جو کچھ ان کو حکم دیا گیا تھا، اس کے خلاف عمل کرتے (اسی طرح اس امت میں بھی ایسے ناخلف پیدا ہوں گے، جو اسلام کا نام تو لیں گے؛ لیکن ان کا عمل اس کے خلاف ہوگا) پس جو شخص (بہ شرطِ قدرت) ہاتھ سے ان کے خلاف جہاد کرے گا، وہ مؤمن ہے اور جو زبان سے اُن کے خلاف جہاد کرے گا، وہ بھی مؤمن ہے اور جو اُن کے خلاف دل سے جہاد کرے گا، (کہ ان بدعملی کو کم از کم دل سے ہی بُرا سمجھے وہ بھی (کمزور درجے کا) مؤمن ہے اور اس کے بعد تو، رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں رہتا۔

تخریج و شرح

یہ حدیث الصحیح للمسلم بہ رقم: (۱۷۹) الصحیح لابن حبان (۱۴/۷۳) المسند لأبي عوانة: (۱/۴۳)، المعجم الكبير للطبراني (۱۰/۱۴) شعب الإيمان للبيهقي: (۶/۸۶) میں روایت کی گئی ہے اور امام احمدؒ نے مسند میں بہ رقم: (۴۳۷۹) ابتدائی

حصے میں روایت کیا ہے اور ابن مندہ نے الإیمان: (۱/۳۴۶) میں مسلم کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حدیث صحیح ہے۔

ناخَلَف و نالائق امتی

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مبعوث فرمایا، ان کے کچھ حواری ضرور تھے، حواری انبیا کے مخلص اور خاص لوگوں کو کہتے ہیں، جو ہر قسم کے عیب سے پاک ہوتے ہیں، بعض علما نے فرمایا کہ حواری انصاری حضرات کو کہتے ہیں، جو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی ہر موقعے پر مدد و اعانت کرتے اور دین کے فروغ و ترقی کے لیے کام کرتے ہیں، بعض نے حواری سے مراد مجاہدین کو لیا ہے، بعض نے فرمایا کہ مراد وہ لوگ ہیں، جو خلافت کے کام کی اصلاح کرتے ہیں۔ (۱)

غرض یہ کہ کچھ اللہ کے نیک و صالح، خاص و مخصوص بندے ایسے ہوتے تھے، جو انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی مدد کرتے، ان کے دین کے فروغ و ترقی میں ہاتھ بٹاتے اور ان کے دین کی اشاعت و حفاظت میں جد و جہد کرتے تھے، جن کی خاص صفت یہ تھی کہ "یأخذون بسنته ویقتدون بأمره" (یعنی وہ اپنے نبی کی سنت کو لے کر چلتے تھے اور اس کے حکم کی اقتدا و اتباع کرتے تھے؛ پھر ان کے بعد ان کے کچھ ناخلف لوگ خلیفہ و جانشین ہوتے۔ یہاں حدیث میں "خُلُوْف" کا لفظ ہے، جو "خَلْفٌ" (بسکون اللام) کی جمع ہے، جس کے معنے ہیں، "برا جانشین" اور اگر "خَلَفٌ" (بفتح اللام) ہو، تو اس کے معنے ہیں، "اچھا جانشین" مطلب یہ ہوا کہ انبیا کے ان حواریوں اور مخصوص و مخلص مددگاروں کے بعد، ان کے جانشین کچھ ناخلف لوگ ہوتے، جو اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے، جس پر خود عمل نہ کرتے اور ایسے کام کرتے، جس کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔

"یقولون مالا یفعلون" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی باتیں دعوے کے طور پر کہتے، جن کو وہ کرتے نہیں تھے؛ یعنی دعویٰ کرتے کہ ہم یہ کام کرتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں، ہم ایسی عبادت کرتے ہیں؛ مگر یہ صرف زبانی جمع خرچ ہوتا، حقیقت میں وہ اس سے کورے ہوتے یا یہ معنیٰ ہے

(۱) شرح المسلم: ۲/۳۷

کہ دوسروں کو نیک کاموں کا حکم دیتے، مگر خود اس پر عمل نہ کرتے؛ یعنی ''بے عمل واعظ'' ہوتے۔

''ویفعلون مالایؤمرون'' کا مطلب یہ کہ نبی نے جو حکم نہیں دیا، جو کام مشروع نہیں کیا، ان کاموں کو کرتے تھے؛ یعنی بدعات وخرافات اور من مانی رسومات وغیرہ۔ یہ ناخلف لوگ سنتوں سے روگردانی کرتے اور بدعات ولغویات کو اپناتے اور اس طرح دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیتے۔

آپ ﷺ کا منشا اس سے یہ ہے کہ جس طرح ہر نبی کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے، اسی طرح میرے ساتھ بھی ہوگا کہ میرے بعد بھی اولاً صحابہ وتابعین اور دیگر نیک اور صالح لوگوں اور دین کے لیے جان دینے والوں کا مقدس طبقہ ہوگا؛ پھر اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے، جو ناخلف اور نالائق ہوں گے۔

اس کے بعد نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ جوان لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے گا، وہ بھی مؤمن ہے اور جوان سے زبان سے جہاد کرے گا، وہ بھی مؤمن ہے اور جوان سے دل سے جہاد کرے گا، وہ بھی مؤمن ہے اور اس کے بعد ایمان کا رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی حصہ نہیں ہے۔

ہاتھ سے جہاد یہ ہے کہ ان ناخلف لوگوں کو ان کی برائیوں اور ان کے شر سے تلوار، ہتھیار اور اپنی طاقت وقوت سے روک دیا جائے، جس سے وہ دوبارہ ان کاموں کی ہمت نہ کر سکیں اور زبان سے جہاد یہ ہے کہ اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو، تو زبان سے ان کو روکیں اور منع کریں اور اتنی بھی طاقت نہ ہو، تو پھر آخری درجہ یہ ہے کہ دل سے جہاد کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دل سے ان برائیوں کو برائی جانے؛ اگر کسی نے یہ جہاد بھی نہ کیا، تو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد ایمان کا کوئی حصہ نہیں؛ یعنی کوئی ان برائی کی باتوں کو برا نہ جانے، تو وہ مؤمن ہی نہ رہے گا؛ بل کہ کفر میں چلا جائے گا۔

عبرت

اس حدیث سے آپ ﷺ نے یہ بتانا چاہا ہے کہ جس طرح ہر نبی کے ساتھ ایسا ہوا کہ اس کے حواریوں کی ناخلف اولاد یا ان کے ناخلف جانشین دین کی اتباع سے گریز کر

کے، من مانی بدعات وخرافات کے حامی ہوئے ہیں اور دین کا حلیہ بگاڑتے رہے ہیں، اسی طرح میرے بھی حواری و نیک جاں نشین ہوں گے؛ پھر ان کے بعد کچھ ناخلف لوگ وہی کریں گے کہ ان کے پاس صرف زبانی جمع خرچ ہوگا، عمل کچھ نہ ہوگا، سنت سے گریز اور بدعت سے پیار ہوگا، ایسے لوگوں سے جس طرح ہو سکے جہاد کرو اور ان کو ان برائیوں سے روکو! تا کہ اسلام اپنی اصلی آب وتاب کے ساتھ قائم رہے۔

ہائے افسوس! اس امت میں بھی ایسے لوگ ہوئے اور آج بھی موجود ہیں، جو لمبے چوڑے عشقِ خدا وعشقِ رسول کے دعوے کرتے ہیں، مگر عمل کے لحاظ سے صفر ہیں، سنت و امرِ نبوی سے ان کو چڑ وعداوت ہے؛ ہاں! من مانی رسومات وخرافات سے ان کو محبت ہے، نماز کی اتنی اہمیت نہیں جتنی اپنے من مانی رسومات کی ہے، گویا ان لوگوں نے دین کو ایک کھیل اور تماشا بنا دیا ہے؛ چناں چہ آج مزاراتِ اولیا پر دین کے نام پر جو خرافات ہوتی ہیں اور عشقِ رسول کے نام پر بدعتی مشائخ اور پیروں میں جو بے دینی وصریح وصاف شرکیہ وکفریہ اعمال وافعال ہوتے ہیں اور شرعی احکامات کا ان لوگوں میں جس انداز سے استہزا اور مذاق کیا جاتا ہے اور اس کے باوجود چیخ چیخ کر اپنے لیے اور اپنی اس بدعتی برادری کے لیے ولی اللہ اور عاشقِ رسول، پیر و بزرگ صوفی وعلامہ وغیرہ لمبے چوڑے القاب وآداب کا ذکر کیا جاتا ہے اور اپنی حقانیت وصداقت اور معصومیت کے بلند بانگ دعوے کیے جاتے ہیں؛ یہ سب اس کا عین مصداق ہیں۔

لٰہذا امت کے انصاف پسند، غیور اور ذی عقل وہوش مسلمانوں پر فرض وضروری ہے کہ اس قسم کی بے دینی والحاد اور من مانی رسومات وخرافات کے خلاف علمِ جہاد بلند کریں اور جس طرح ہو سکے، ان لوگوں کو راہِ راست پر لانے یا کم از کم امت کے بھولے بھالے طبقے کو دین کی آڑ میں اور دین کے نام پر ہونے والی اس بے دینی سے آگاہ کر کے ان کو محفوظ رکھیں۔

ایک واقعہ

ابھی کچھ دنوں قبل بنگلور سے تقریباً ۱۶۰، ۱۷۰ کلو میٹر پر پٹور (ضلع تمکور) کے قریب ایک چھوٹی سی بستی "گرڈ ھلی" ایک مدرسے کے سنگ بنیاد کے لیے جانا ہوا، احقر کے ساتھ حضرت مولانا پی ایم

زکریا صاحب والا جاہی دامت برکاتہم بھی تھے، اس بستی کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ وہاں اکثر لوگ بدعتی خیال کے ہیں اور غلط کار پیروں کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں اور اکثر لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا دو ہیں، کیوں کہ ان پیروں نے ان کو یہ بتایا ہے کہ خدا دو ہیں، ایک خدا تو اللہ ہے، مگر اس تک رسائی کے لیے یہ مزارات میں موجود اہل اللہ دوسرے خدا ہیں اور جب تک ان کو نہیں مانو گے، اس وقت تک اس اللہ تک رسائی نہیں ہو سکتی اور اس سے بڑھ کر حیرت ناک بات یہ معلوم ہوئی کہ وہاں ایک امام تھا، وہ یہ بات علی الاعلان دورانِ خطبۂ جمعہ ممبر پر کہا کرتا تھا!!

اندازہ کرو کہ جہالت نے امت کو کہاں تک پہنچا دیا ہے کہ علی الاعلان دو خدا کہنے میں بھی ان کو کوئی تکلف وتأمل نہیں ہے، جس کا کھلا ہوا شرک ہونا اہلِ اسلام تو اہلِ اسلام، مشرکینِ مکہ جیسے مشرک بھی جانتے تھے اور اس لیے انھوں نے بھی کبھی اس طرح کھلے الفاظ میں اپنے معبودانِ باطلہ کو خدا اور اللہ کا شریک نہیں کہا؛ بل کہ بہ تاویل وہ اپنے معبودوں کو اللہ کا مقرب اور اپنا سفارشی کہتے تھے۔

اللّٰہم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہٗ، وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ

« عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : يَكُوْنُ فِي اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ، يَأْتُوْنَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيْثِ مَالَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَلَا اٰبَائُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ! لَايُضِلُّوْنَكُمْ وَلَايُفْتِنُوْنَكُمْ. »

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخری زمانے میں بہت سے جھوٹے مکار لوگ ہوں گے، جو تمہارے سامنے (اسلام کے نام سے نئے نئے نظریات اور) نئی نئی باتیں پیش کریں گے، جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے باپ دادا نے، ان سے بچنا! کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو امام مسلمؒ نے صحیح میں بہ رقم: (۱۶) اور احمدؒ نے مسند میں بہ رقم: (۸۵۹۶) روایت کیا ہے اور حدیث صحیح ہے، جیسا کہ مسلم کی تخریج سے ظاہر ہے۔

دجّالی فتنہ اور نئے نئے نظریات

اس حدیث میں بتایا گیا کہ آخری زمانے میں ایسے دجال و کذاب لوگ پیدا ہوں گے، جو تمہارے پاس ایسی ایسی حدیثیں لائیں گے، جنہیں نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے باپ داداؤں نے سنا ہوگا۔

دجال کے معنے اصل لغت میں دھوکہ دینے اور ملمع کاری کے ہیں؛ بعض نے جھوٹے کے بتائے ہیں اور بعض نے کہا کہ حق کو باطل سے ملمع کرنے والے کو دجال کہتے ہیں۔ (۱)

مطلب یہ ہے کہ آخری زمانے میں ایسے دجل و فریب کے مجرم اور جھوٹے اور مکار لوگوں گے کہ نئی نئی حدیثیں بیان کریں گے، جن سے ان کا مقصود کوئی دنیوی مفاد و نفع ہوگا تا کہ

(۱) شرح المسلم للنوویؒ: ۱/۱۲۲، فتح الملهم: ۱/۳۴۲

حدیث کا نام سن کر لوگ ان باتوں پر یقین کرلیں اور ان کا مفاد ان کو حاصل ہو جائے؛ بل کہ مسلم کی ایک حدیث میں یہ ہے کہ کچھ شیاطین سمندر میں قید ہیں، جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے باندھ دیا تھا، قریب ہے کہ وہ نکلیں اور لوگوں پر قرآن پڑھیں۔(۱)

علامہ نووی وعلامہ شبیر احمد عثمانی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شیاطین، غیرِ قرآن پڑھیں گے اور لوگوں سے کہیں گے کہ یہ قرآن ہے، تاکہ لوگ اس کی وجہ سے دھوکہ کھا جائیں؛ لہٰذا تم دھوکہ نہ کھانا۔(۲)

ایک انگریز کی قرآن کے خلاف سازش

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس اثر کی شرح میں ایک تاریخی واقعے کی جانب اشارہ کیا ہے، جو ان کے دور میں پیش آیا تھا؛ وہ یہ کہ ایک انگریز ''ڈاکٹر منجانا'' نے سمندر پار سے ایک صحیفہ لاکر یہ دعویٰ کیا یہی اصلی وقدیم قرآن ہے، جب کہ اس میں مسلمانوں کے پاس موجود قرآن پاک کے خلاف بہت سی باتیں تھیں، اس انگریز نما شیطان کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کے بارے میں شک پیدا کیا جائے اور نعوذ باللہ قرآن میں تحریف ثابت کی جائے۔(۳)

بہ ہر حال! مقصد یہ ہے کہ آخری دور میں جھوٹے اور مکار لوگ قرآن اور حدیث کے نام پر دھوکہ دیں گے؛ چناں چہ یہ سب باتیں ظاہر ہو رہی ہیں، اب سے بہت پہلے وضاعینِ حدیث اپنی طرف سے بہت سی احادیث گھڑ گھڑ کر لوگوں میں پھیلاتے رہے ہیں اور لوگوں نے اس سے دھوکہ کھایا اور آج تک اس قسم کی حدیثوں سے امت میں دھوکہ کھانے والے موجود ہیں۔

اس لیے علمائے محدثین نے اس فتنے کا جم کر مقابلہ کیا اور اصلی ونقلی حدیثوں کے مابین فرق وامتیاز کے لیے اصول وقواعد مرتب فرمائے اور پھر ان پر اصلی ونقلی حدیثوں کو جانچ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردیا؛ مگر پھر بھی جاہل یا عالم کالجاہل لوگ اس فتنے کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

---

(۱) المسلم:(۱۸)

(۲) شرح المسلم: ۱/۱۱۲، فتح الملهم: ۱/۳۴۳

(۳) فتح الملهم: ۱/۳۴۳

فریبی لوگوں کی چالاکیاں

اور یہ دجال و کذاب لوگ بہت چالاک ہوتے ہیں اور اپنی چالاکی و مکاری سے اپنے مفاد کی خاطر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر کے من گھڑت حدیثیں بیان کرتے ہیں۔

تاریخ میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک مسجد میں مشہور محدث "امام احمد بن حنبل" اور "امام یحییٰ بن معین" رحمہما اللہ نماز کے لیے حاضر ہوئے، بعد نماز ایک صاحب نے وعظ کا اعلان کیا اور وعظ میں حدیث سنائی اور اس کی سند میں امام احمد اور یحییٰ بن معین کا نام لیا اور یہ دونوں حضرات تو وہاں تھے ہی؛ مگر تعجب یہ کہ ان حضرات کے علم میں ایسی کوئی حدیث تھی ہی نہیں، چہ جائے کہ وہ اس کو بیان کرتے!! وعظ کے بعد ان حضرات نے اس واعظ کو بلایا اور کہا تم نے یحییٰ اور احمد کے حوالہ سے حدیث بیان کی ہے، یحییٰ اور احمد تو ہم ہیں، ہم نے تو ایسی کوئی حدیث بیان نہیں کی؟ تم نے ہم پر جھوٹ کہا ہے؟ تو وہ واعظ کہنے لگا کہ میں نے سنا تھا کہ یحییٰ نام کے لوگ بے وقوف ہوتے ہیں، آج اس کا تجربہ ہو گیا؛ پھر کہا کہ میں نے یہ کب کہا کہ وہ یحییٰ اور احمد تم ہی ہو، میں نے نہ معلوم کتنے احمد اور کتنے یحییٰ سے حدیث سنی ہے۔ (۱)

دیکھیے! یہ کذاب لوگ کتنے چالاک اور مکار ہوتے ہیں کہ "چوری اور سینہ زوری" کے مصداق، ایک تو جھوٹ کہا اور جب باز پرس ہوئی، تو انہیں حضرات محدثین کو بے وقوف بنا دیا۔!!

قریب زمانے میں مرزا غلام احمد قادیانی علیہ اللعنۃ (جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا) اسی طرح اپنی جھوٹی نبوت اور اپنی بے ہودہ بکواس کو ثابت کرنے کے لیے اور لوگوں کو گمراہی میں پھنسانے کے لیے حدیثیں ہی نہیں؛ بل کہ آیات گھڑتا تھا اور اللہ و رسول کی طرف بلا دھڑک منسوب کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے یہ کہا کہ قرآن میں میں نے یہ آیت دیکھی " إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قَرِيباً مِنَ الْقَادِيَانِ " (کہ ہم نے قرآن کو قادیان کے قریب نازل کیا ہے) حالاں کہ ہر قرآن کا جاننے والا جانتا ہے کہ قرآن میں ہرگز ہرگز یہ آیت نہیں ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے اس قسم کے مکار و چالباز لوگوں کا اس حدیث میں ذکر کر کے ہم کو پہلے ہی چوکنا فرما دیا کہ خبردار! تم ان کی باتوں سے گمراہ نہ ہو جانا، جو نئی نئی حدیثیں لائیں گے، جس کو نہ تم نے سنا ہوگا، نہ تمہارے باپ دادوں نے کبھی سنا ہوگا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث بلا سند مانی نہیں جائے گی کہ جو کوئی چاہے کچھ کہہ دے اور اس کو حدیث کا نام دے دے؛ بل کہ اس سے سند پوچھی جائے گی اور اس کی جانچ کی جائے گی، اگر کھری اتری اور معتبر سند کے ساتھ سامنے آئی، تب اس کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۱) السنة ومكانتها، مصطفى السباعي: ۱۰۳

عَنْ عَلِيٍّ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: يُوْشِكُ أَنْ يَّأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ، لَايَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ، وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْاٰنِ إِلَّا رَسْمُهُ، مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى، عُلَمَائُهُمْ شَرٌّ مَّنْ تَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ.

ترجمہ: حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب ایک زمانہ آئے گا، جس میں اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے، ان کی مسجدیں بڑی بارونق ہوں گی، مگر رشد و ہدایت سے خالی اور ویران، ان کے (نام نہاد) علما آسمان کی نیلی چھت کے نیچے بسنے والی تمام مخلوق سے بدتر ہوں گے، فتنہ ان ہی کے ہاں سے نکلے گا اور ان ہی میں لوٹے گا۔ (یعنی وہی فتنے کے بانی بھی ہوں گے اور وہی مرکز و محور بھی)۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے حضرت علی ﷺ سے **شعب الإیمان:** (۳۱۱/۲) میں اور دیلمی نے **مسند الفردوس:** (۳۱۹/۲) میں حضرت معاذ بن جبل ﷺ سے روایت کیا ہے۔ اور نیز **السنن الواردة:** (۵۴۵/۳) اور **مشکاۃ المصابیح:** (۳۸) میں بھی بیہقی کے حوالے سے روایت کی گئی ہے اور بیہقی کی ایک روایت میں "علمائهم" کی جگہ "فقهائهم" آیا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی "عبداللہ بن دکین الکوفی" کی وجہ سے بعض محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے؛ چناں چہ ذہبیؒ نے **المیزان:** (۹۳/۴) میں، ابن عدی نے **الکامل** (۲۲۷/۴) اور ابن ابی حاتم نے **الجرح والتعدیل:** (۴۸/۵) میں، "یحییٰ بن معین" سے ان کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے، مگر ذہبیؒ نے **المغني** (۴۸۰/۱) میں فرمایا کہ ان کی ایک جماعت نے توثیق اور ایک جماعت نے تضعیف کی ہے اور تاریخ بغداد: (۱۱۹/۱۱) و**تهذيب التهذيب:** (۳۲۸:۲) میں ابن معین سے ان کی

توثیق نقل کی گئی ہے؛ نیز ان ہی کتب میں اور کتاب بحر الدم : (۸۵) میں امام احمدؒ سے بھی ان کی توثیق کی گئی ہے؛ لہٰذا یہ مختلف فیہ راوی ہیں اور حسن الحدیث ہیں اور ان کی حدیث حسن ہوگی۔

صرف اسلام کا نام باقی رہ جائے گا

اس حدیث میں متعدد امور علاماتِ قیامت کے طور پر مذکور ہیں:

۱- پہلی بات یہ بیان کی گئی کہ وہ زمانہ قریب ہے، جس میں اسلام کی کوئی چیز باقی نہ رہے گی سوائے نام کے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے اس کی شرح میں فرمایا کہ

''یعنی اسلام کے شعائر میں سے کچھ باقی نہ رہے گا، سوائے اسلام کے نام کے؛ یعنی جس پر اسلام کا نام بولا جاسکے جیسے نماز، زکاۃ، حج''۔ (۱)

مطلب یہ ہے کہ لفظِ اسلام اور اسلام کا نام تو باقی رہ جائے گا، جیسے شعائرِ اسلام میں سے نماز، روزہ، حج وزکات کے نام رہ جائیں گے، مگر ان کی حقیقت واصلیت باقی نہ رہے گی؛ چناں چہ آج لوگ اسلام کے شعائر تک میں غفلت کرتے ہیں، جیسے نماز میں غفلت عام ہے، پھر جو لوگ پڑھتے ہیں، وہ بھی اس کی اصلیت وحقیقت کے ساتھ (کہ اس میں اخلاص وللّٰہیت اور خشوع وخضوع، عاجزی وانکساری اور اللہ کی بڑائی وعظمت کا مظاہرہ ہو) ادانہیں کرتے؛ بل کہ الل ٹپ ادا کر کے اپنے کو فارغ سمجھتے ہیں؛ اسی طرح اور عبادات اور شعائرِ اسلام کا حال ہے۔

غرض یہ کہ اسلام کی بنیادوں اور شعائر تک میں یہ حال ہے، تو اس سے کم درجے کی باتوں میں تنزل اسی کے لحاظ سے ترقی پر ہوگا۔ اس طرح یہ بات صادق آتی ہے کہ اسلام میں سے سوائے اس کے نام کے کوئی اصلیت وحقیقت باقی نہ رہے گی اور آج کے دور میں یہ بات ظاہر ہو چکی ہے۔

قرآن کے صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے

۲- دوسری بات یہ فرمائی گئی کہ قرآن میں سے سوائے اس کے حروف والفاظ کے کچھ باقی نہ رہے گا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ

''یعنی قرآن کے علوم وآداب میں سے کچھ باقی نہ رہے گا، سوائے اس کے ظاہری اثر کے، جیسے محض ایک رسم وعادت کے طور پر، اس کے لفظوں کو پڑھنا اور اس

(۱) مرقاۃ: ۱/۴۸۳

کو لکھنا، نہ کہ تحصیلِ علم اور عبادت کے طور پر۔(۱)

یعنی لوگ قرآن کے لفظوں اور حروف کے مخارج اور آوازوں کے بنانے اور عمدہ طریقے سے پڑھنے کی طرف تو متوجہ ہوں گے؛ مگر اس میں تدبر و تفکر اور اس کے احکام پر عمل اور اس میں منع کردہ چیزوں سے اجتناب و احتراز کی طرف توجہ نہ کریں گے اور یہ بات بھی آج پوری طرح ظاہر ہو چکی ہے کہ بعض علما و قرا اور اصحابِ دین بھی صرف قرآن پڑھنے پڑھانے تک اور اس کے الفاظ و حروف کی صحت اور قرأت اور تلاوت میں خوش الحانی اور لب و لہجے میں ندرت و دل کشی تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور ان ساری باتوں کا جو اصل مقصد اور مغز ہے، اس سے غافل اور دور ہیں اور وہ مقصد ہے" قرآن کے علوم و آداب کی تحصیل، اس کے معانی میں تدبر و تفکر"، اس کے اوامر کی اتباع اور اس کے منہیات سے احتراز؛ چاہیے تو یہ تھا کہ اولین درجہ اس کو دیتے اور اوپر کے امور کو ثانوی درجے پر رکھتے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عثمان غنی، و حضرت ابی بن کعب ﷺ نے فرمایا کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو دس آیات پڑھاتے اس سے آگے نہ پڑھاتے جب تک کہ اس پڑھے ہوئے پر عمل کرنا نہ سیکھ جائیں، فرمایا کہ ہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور عمل دونوں سکھاتے تھے۔

حضرت ابو عبد الرحمٰن اسلمی ﷺ نے فرمایا کہ

"جب ہم قرآن کی دس آیات سیکھتے، تو بعد کی دس آیات اس وقت تک نہ سیکھتے جب تک کہ ان دس آیات میں بیان کردہ حلال و حرام اور امر و نہی کو نہ جان لیتے"۔

حضرت ابن عمر ﷺ سورۂ بقرہ کو آٹھ برس تک سیکھتے رہے اور حضرت عمر ﷺ نے سورۂ بقرہ بارہ برس میں سیکھی، جب ختم کیا، تو ایک اونٹ ذبح فرمایا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ نے فرمایا کہ

"ہم پر قرآن کے الفاظ کا یاد کرنا مشکل ہے؛ لیکن عمل آسان کر دیا گیا ہے اور ہمارے بعد والوں پر حفظِ قرآن آسان ہوگا؛ مگر عمل مشکل ہو جائے گا"۔(۲)

---

(۱) مرقاۃ: ۱/۲۸۳

(۲) تفسیر القرطبی: ۱/۶۹

مساجد ہدایت سے خالی

۳- تیسری بات یہ فرمائی کہ ”ان لوگوں کی مسجدیں ظاہری زیب وزینت سے معمور وآباد ہوں گی؛ مگر ہدایت سے خالی اور ویران ہوں گی“۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ

”بلند عمارات، منقش دیواریں، جلتے ہوئے فانوس، بچھے ہوئے قالینوں اور جاہل ائمہ ومؤذنین، جو حرام مالوں سے وظیفہ دیئے جاتے ہیں، وغیرہ منکر اُمور سے مساجد معمور ہوں گی؛ مگر ہدایت والوں اور ہدایت کا راستہ بتانے والوں سے خالی ہوں گی۔ (اس کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے فرمایا) کہ اس میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ مساجد کا ہدایت سے خالی ہونا، ہدایت کا راستہ بتاتے والوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہو، جو دین کے شعبوں میں لوگوں کو اپنی رہنمائی سے فائدہ پہنچائیں اور خیر کے راستوں کی طرف دلالت کریں۔ دوسرا: یہ کہ مساجد کا خالی وویران ہونا بُرے رہنماؤں (علمائے سو) کے وجود سے ہوگا، جو لوگوں کو اپنی بدعت وضلالت سے گمراہ کرتے ہیں۔ اس صورت پر حدیث میں ان لوگوں کو ”ہادی“ سے تعبیر کرنا از راہِ تہکم (یعنی بطورِ استہزا) ہے۔ (۱)

حاصل یہ کہ یا تو مساجد کا ویران ہونا اس لیے ہوگا کہ مساجد میں بُرے ہادی اور علمائے سو اپنی بدعتوں اور ضلالتوں سے عوام الناس کو گمراہ کر کے ہدایت سے محروم کردیں گے اور یہی مساجد کا ہدایت سے ویران ہونا ہے۔ آج غور کریں، تو یہ بات بھی بہت سی جگہ نظر آئے گی کہ بدعتی علما اور دنیا دار علما کا مساجد پر قبضہ ہے اور وہ اپنی مفاد پرستی یا بدعت نوازی کی بنا پر حق کو چھپا کر اور باطل کو عوام میں ظاہر کر کے گمراہی کے دروازے کھولے ہوئے ہیں اور عوام ان کی وجہ سے شرک وبدعت اور گمراہی وضلالت میں مبتلا ہوتے جارہے ہیں۔ یا مساجد کی ویرانی اور ہدایت سے ان کا خالی ہونا اس وجہ سے ہوگا کہ علمائے حق، جو امت کی صحیح رہبری ورہنمائی کرنے والے ہوں، ان سے مساجد خالی ہوں گی، جب علمائے حق نہ ہوں گے، تو مساجد میں جہال کا قبضہ ہوگا

(۱) مرقاۃ: ۱/۴۸۳ و کذافی التعلیق الصبیح: ۱/۱۶۸

اور وہ غلط سلط باتوں کو عوام میں پھیلا کر، ان کو گمراہ کریں گے؛ اس طرح مساجد ویران اور ہدایت سے خالی ہو جائیں گی۔

آج یہ سب باتیں مشاہد ہو رہی ہیں، ایک طرف اہلِ بدعت مساجد پر قابض ہو کر عوام کی گمراہی کا سبب بنے ہوئے ہیں، تو دوسری طرف علمائے حق کو مساجد سے نکالا جا رہا ہے۔ حق کہنے سے روکا جا رہا ہے، اس طرح عوام کو رہنمائی سے محروم کر کے گمراہی پھیلائی جا رہی ہے اور یہ بھی مساجد کی ویرانی ہے۔

علمائے سو کا فتنہ

۴- چوتھی بات یہ فرمائی گئی کہ اس زمانے میں نام نہاد علما آسمان کے نیچے بسنے والوں میں سب سے بدترین لوگ ہوں گے، فتنہ انہی سے نکلے گا اور انہی میں لوٹ جائے گا۔

اس جملے سے اوپر کے جملے کی پہلی تشریح کی تائید بھی ہوتی ہے۔ (کما لایخفی) حاصل یہ کہ اس زمانہ میں علمائے حق مفقود ہوں گے اور علمائے سو اپنی ساری مکاریوں اور چال بازیوں کے ساتھ گمراہی کے پھیلانے میں لگے ہوں گے اور اس زمانے کے یہ بدترین لوگ ہوں گے؛ کیوں کہ دین و شریعت کی حفاظت کے بہ جائے دین و شریعت میں تحریف و تبدیلی کریں گے اور لوگوں کو ہدایت کی طرف لانے کے بہ جائے گمراہی کا سبق دیں گے اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنے والے تمام مخلوق میں سب سے بدترین لوگ ہیں۔

اس تشریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حدیث کا مصداق علمائے سو ہیں، جو لوگوں میں گمراہی پھیلاتے ہیں؛ لہٰذا علمائے حق کو جو ہدایت پھیلاتے اور لوگوں کو دین و شریعت سکھاتے اور ان پر چلاتے ہیں، اس حدیث کا مصداق سمجھنا اور مطلقاً علمائے دین کی برائی و مذمت پر اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اور منشائے حدیث کے خلاف ہے؛ اس لیے مؤلف نے ترجمے میں (نام نہاد علما کی قید لگائی ہے۔ **فافہم**! (خوب سمجھ لو!)

اور یہ جو فرمایا کہ ''انہی لوگوں سے فتنہ نکلے گا اور انہی میں لوٹ جائے گا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ فتنے کے بانی یہی علمائے سو ہوں گے اور یہ بات معلوم ہے کہ ''**فساد العالِم فساد**

العـــالَـــم“ کہ عالم کا فساد ہی عالَم کے فساد کا سبب وذریعہ ہوتا ہے؛ لہٰذا عالم میں جو فساد وفتنہ اور شر پھیلا ہوا ہے، وہ دراصل انہی نام نہاد علمائے دنیا کا پیدا او بر پا کردہ ہے اور پھر یہ فتنہ انہی میں گشت کرتا رہے گا، یہی اس کا مرکز ومحور ہوں گے اور اس کا ضرر ونقصان بھی انہی کو ہوگا، اللہ تعالیٰ پوری امت کی ان علمائے سو سے حفاظت فرمائے۔ (۱)

متعدد گمراہ فرقوں کے بانی جنہوں نے دین میں تحریف وتاویل کرکے یا دین کو اپنی عقلوں کے تابع بنا کر لوگوں کو گمراہی میں ڈالا ہے، وہ اسی قسم کے نام نہاد علما ہیں اور دراصل یہ علما ہوتے ہی نہیں؛ بل کہ علمائے حق کے خلاف اور دین کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنا نام علما رکھ لیتے ہیں اور بڑے بڑے دعووں سے عوام کو اپنی طرف موہ لینے کی کوشش کرتے ہیں اور جب علمائے حق ان کی تاویلات وتحریفات کا پردہ فاش کرتے ہیں، تو عوام کو یہ سمجھاتے ہیں کہ علما کا کام صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں پر کفر وفسق کے فتوے داغتے ہیں؛ پھر علمائے حق کی برائی کرکے عوام کو ان سے بدظن کرتے ہیں، اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہی نام نہاد علمائے سو کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے اس ناپاک فتنے سے آگاہ کیا ہے۔

---

(۱) مرقاۃ: ۱/۲۸۳ وکذا فی التعلیق الصبیح: ۱/۱۶۸

« عَنْ مُعَاوِيَةَ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ. »

ترجمہ: حضرت معاویہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے گی، انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، نہ ان کی مدد سے دست کش ہونے والے، نہ ان کی مخالفت کرنے والے؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ (قیامت) آجائے گا اور یہ جماعت حق پر قائم ہوں گے۔

تخریج وشرح

اس حدیث کی تخریج متعدد محدثین نے متعدد صحابہ ﷺ سے کی ہے اور اصحابِ صحاح نے بھی اس کی روایت فرمائی ہے۔ بخاری نے مناقب میں حضرت معاویہ ومغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے بہ رقم: (۳۶۴۰ و ۳۶۴۱) مسلم نے حضرت ثوبان ومغیرہ بن شعبہ ومعاویہ وجابر بن سمرہ وجابر بن عبد اللہ ﷺ سے بہ رقم: (۴۹۵۰ تا ۴۹۵۵) اور احمدؒ نے مسند میں ثوبان ﷺ سے بہ رقم: (۲۲۳۹۵، ۲۲۴۰۳) مغیرہ بن شعبہ ﷺ سے بہ رقم: (۱۸۱۳۵ و ۱۸۱۶۶) جابر بن عبد اللہ ﷺ سے بہ رقم: (۱۴۷۲۰ و ۱۵۱۲۷) معاویہ ﷺ سے بہ رقم: (۱۶۹۳۲) عمران بن حصین ﷺ سے بہ رقم: (۱۹۸۵۱) اور ابن الجارود نے المنتقی میں جابر بن عبد اللہ ﷺ سے بہ رقم: (۱۰۳۱) ابن حبانؒ نے جابر ﷺ سے: (۱۵/۲۳۱) حاکمؒ نے عمران بن حصین وعمر رضی اللہ عنہما سے: (۲۴۴۷) ابوعوانہ نے جابر، معاویہ وعمران ﷺ سے: (۱/ ۹۹) ترمذی نے قرۃ ﷺ سے بہ

رقم: (۲۱۹۲) ابوداوُدؒ نے حضرت عمران ﷺ بہ رقم: (۲۲۸۴) ابن ماجہ نے قرۃ وابوہریرہ وثوبان ﷺ سے بہ رقم: (۶، ۷، ۱۱) بیہقیؒ نے السنن میں (۱۷۸۹۲) طبرانی نے الأوسط میں حضرت جابر ﷺ سے (۳۹/۹) بزارؒ نے المسند میں: (۲۱/۹) حضرت عمران ﷺ سے، ابوداوُد طیالسیؒ نے حضرت عمر ﷺ سے المسند میں (۴۲/۱)، طبرانی نے المعجم الکبیر: (۱۷۱/۸) میں حضرت ابوامامہ ﷺ سے اور (۱۱۲/۱۸) میں حضرت عمران بن حصین ﷺ سے ، عبدبن حمیدؒ نے (۲۲۶/۱) میں زید بن ارقم ﷺ سے، القضاعیؒ نے مسند الشھاب: (۷۶/۲) میں حضرت عمر وثوبان رضی اللہ عنہما سے اور دیلمیؒ نے مسند الفردوس: (۱۰۲/۵) میں حضرت جابر ﷺ سے روایت کیا ہے۔

اہلِ حق کا غیر منقطع سلسلہ

اس سے پہلے والی حدیث میں علمائے سوکا ذکر تھا، جو بدعات وخرافات کی ناپاکیوں سے لوگوں کے ذہنوں کو گندہ کر کے گمراہی کے دَلْ دَلْ میں پھنساتے ہیں، اس کو پڑھنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کیا دین قیامت تک محفوظ نہ رہے گا؟ اور کیا لوگوں کے لیے علمائے سو کی وجہ سے ہدایت کے دروازے بند ہوجائیں گے؟ حضرت مصنف علام رحمہ اللہ نے اس سوال کے جواب کے لیے اس دوسری حدیث کو یہاں ذکر کیا ہے، جس میں اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ ”میری امت میں سے ایک جماعت برابر حق پر قائم رہے گی“ اور ایک روایت میں یہ فرمایا کہ ”میری امت میں سے ایک جماعت اللہ کے احکام، یعنی دین کی خاطر برابر جہاد کرتی رہے گی اور اپنے دشمن کو زیر کرتی رہے گی“۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک طرف علمائے سو لوگوں کو گمراہ کرنے میں لگے ہوں گے، تو دوسری طرف اللہ کے نیک بندے، دینِ حق کے داعی اور اللہ کے شیدائی، ایسے بھی ہوں گے، جو برابر حق پر قائم رہیں گے اور حق کے لیے لڑائی و جہاد کرتے رہیں گے اور دین میں تحریف وتبدیلی اور حذف واضافہ کرنے والوں کی مکاریوں اور چالوں کا پردہ فاش کرتے رہیں گے اور دینِ حق زندہ رکھیں گے۔

ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عمر ﷺ کی روایت سے حضرت نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آیا ہے کہ

”ہر بعد کے لوگوں میں سے عدول وقابلِ اعتبار حضرات اس علم (دین) کے وارث بنیں گے، اس حال میں کہ وہ اس (دین) سے جاہلوں کی تاویلات اور باطل پرستوں کے دعووں اور غلو پسندوں کی تحریفات کا پردہ چاک کرتے رہیں گے“۔(۱)

یہ کون طبقہ ہے، جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے؟ علما نے فرمایا کہ ”یہ اہلِ علم حضرات ہیں“؛ چناں چہ امام بخاری نے اپنی صحیح، **كتاب الاعتصام، باب قول النبي** صلی اللہ علیہ وسلم : ”**لاتزال طائفة من أمتي**“ میں، اس جماعت کی تفسیر ”اہلِ علم“ سے کی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی روایت کے بعد امام ابن المدینی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ اس طبقے سے مراد ”أصحاب الحديث“ یعنی محدثین کرام ہیں۔ امام حاکمؒ نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر اس سے مراد ”أهل الحديث“ (یعنی محدثین) نہیں ہیں، تو میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں؟(۲)

غرض یہ کہ حضراتِ علما جو قرآن وحدیث کی حفاظت واشاعت، دعوت وتبلیغ میں لگے ہوتے ہیں اور دینِ حق کے لیے ہر طرح کا مجاہدہ برداشت کرتے ہیں اور بدعات وخرافات، کفریات وشرکیات سے اہل دین کو بچاتے اور راہِ حق دکھاتے ہیں، وہ دنیا میں برابر یہ کام وفریضہ انجام دیتے ہوئے باقی رہیں گے اور ان کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، ”**حتى يأتي أمر الله**“ کا یہی مطلب ہے اور ان حضرات کے بارے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”**لايضرهم من خذلهم**“ کہ جو ان کو ذلیل ورسوا کرنے کی کوشش کرے گا، وہ ان حضرات کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا؛ کیوں کہ اللہ ان کی حفاظت کرے گا اور ان کو تقویت دینے والے اسباب پیدا کرے گا۔

دو متعارض احادیث میں تطبیق

اس حدیث پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب قیامت تک برابر علمائے حق رہیں گے اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا،

(۱) البيهقي في السنن الكبرى: ۲۰۹۱۱، الطبراني في مسند الشاميين: ۱/۳۴۴، الديلمي في مسند الفردوس: ۵/۵۳۷

(۲) الفتح الباري: ۱۳/۲۹۳

تو قیامت جب آئے گی تو علمائے حق کا طبقہ بھی دنیا میں ہوگا، مگر حدیث میں آتا ہے کہ قیامت ان لوگوں پر قائم ہوگی، جو انتہائی شریر ہوں گے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت جن لوگوں پر قائم ہوگی، وہ شریر ہوں گے؛ لہٰذا علمائے حق کا طبقہ اس وقت نہ ہونا چاہیے؟

اس کے متعدد جوابات علما نے دیے ہیں، ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ کسی علاقے میں شریر لوگ ہوں گے اور کسی علاقہ میں علمائے حق واہلِ حق ہوں گے اور وہ جگہ بیت المقدس ہوگی، ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ (حتی یأتي أمر اللّٰہ) اس سے مراد قیامت نہیں؛ بل کہ قیامت سے قبل پیش آنے والی بڑی بڑی علاماتِ قیامت ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں جیسے ظہورِ دجال، طلوعِ شمس وغیرہ ہو جائے گا، تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس اہلِ حق کے گروہ کو دنیا سے اٹھالے گا، پھر دنیا میں صرف شریر لوگ رہ جائیں گے اور ان پر قیامت آئے گی۔ یہ جواب پہلے جواب سے زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔[1]

---

(۱) فتح الباری: ۱۳/۷۷، ارشاد الساری: ۱۵/۲۷۲

«عَنْ أَنَسٍ ﷺ -رَفَعَهُ- اَلْعُلَمَاءُ أُمَنَاءُ الرُّسُلِ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ مَالَمْ يُخَالِطُوا السُّلْطَانَ وَيُدَاخِلُوا الدُّنْيَا ، فَإِذَا خَالَطُوا السُّلْطَانَ وَدَاخَلُوا الدُّنْيَا، فَقَدْ خَانُوا الرُّسُلَ ؛ فَاحْذَرُوهُمْ وَاعْتَزِلُوهُمْ . (وفي رواية: وَاجْتَنِبُوهُمْ.)»

ترجمہ: حضرت انس ﷺ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علمائے کرام اللہ کے بندوں پر رسولوں کے امین (اور حفاظتِ دین کے ذمہ دار) ہیں، بہ شرطے کہ وہ اقتدار سے گھل مل نہ جائیں اور (دینی تقاضوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے) دنیا میں نہ گھس پڑیں؛ لیکن جب وہ حکمرانوں سے شیر وشکر ہوگئے اور دنیا میں گھس گئے، تو انھوں نے رسولوں سے خیانت کی، پھر ان سے بچو اور ان سے الگ رہو!!۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو دیلمیؒ نے "مسند الفردوس" (۳/۷۵) میں حضرت انس وحضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور امام عبدالکریم القزوینیؒ نے "التدوین في إخبار قزوین" (۲/۴۴۵) میں قاضی عبدالجبار ابوالحسنؒ کی المالي سے نقل کیا ہے اور سیوطیؒ نے "الجامع الصغیر" میں اس کو ابونعیم، حسن بن سفیان وتاریخ حاکم کی طرف منسوب کیا ہے اور "کشف الخفاء" (۱۸۳۸) میں ہے کہ عسکری نے حضرت علی ﷺ سے اس کی روایت کی ہے، مگر اس کی سند ضعیف ہے اور قضاعی نے "مسند الشھاب" (۱/۱۰۰) میں حضرت انس ﷺ سے صرف اتنے الفاظ روایت کیے ہیں " العلماء أمناء اللّٰہ علیٰ خلقه"۔

مذکورہ حدیث کے بارے میں علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے؛ چناں چہ انھوں نے "الموضوعات" (۱/۲۳۰) میں اس کا ذکر کر کے اس

کو موضوع قرار دیا ہے اور اس کے روی عمر بن حفص العبدی اور ابراہیم بن رستم کو ضعیف و کذاب قرار دیا ہے اور ابن ابی حاتم نے العِلَل: (۱۸۶/۵) میں فرمایا کہ میں نے اپنے والد (ابو حاتم) سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا، تو فرمایا کہ "یہ حدیث منکر ہے"۔ مگر بعض علما نے اس حدیث پر وضع کے حکم کو مردود قرار دیا ہے اور حدیثِ مذکورہ بالا کو شواہد کی روشنی میں حسن قرار دیا ہے۔(کشف الخفاء: ۱۷۴۹) میں عامری کے حوالے سے اس کو حسن لکھا ہے اور علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اس پر حسن ہونے کا اشارہ دیا ہے اور اس کے شارح علامہ مناویؒ نے اس کو قبول کیا ہے۔(دیکھو: فیض القدیر:۴/۳۸۴)؛ نیز علامہ سیوطیؒ نے (اللآلي المصنوعة: ۱/۲۲۰) میں فرمایا کہ اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں، جو صحیح بھی ہیں اور حسن بھی ہیں اور چالیس حدیثوں سے اوپر تک پہنچتے ہیں؛ اس لیے فنِ حدیث کی رو سے اس کو حسن قرار دینا چاہیے۔ واللہ أعلم

اہلِ حق اور علمائے سو کے درمیان حدِ فاصل

اس حدیث میں علمائے حق و علمائے سو کی ایک پہچان و علامت مذکور ہے؛ نیز علمائے حق کی ذمے داری اور فضیلت کا بیان بھی ہے،فضیلت تو یہ کہ اس میں علما کو "أمناء الرُسُل" فرمایا گیا ہے؛ یعنی علما اللہ کے بندوں پر اللہ کے رسولوں کے امین اور دین کی حفاظت کے ذمے دار ہیں۔"أُمناء""أمین" کی جمع ہے اور"أمین" وہ ہوتا ہے، جو دوسروں کی چیزوں کو امانت کے ساتھ رکھتا اور بہ حفاظت ان تک پہنچاتا ہو؛ لہٰذا علما وہ فضیلت مآب لوگ ہیں، جو اللہ کے بندوں تک اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی شریعت و احکام کو بحفاظت پوری امانت داری و دیانت داری کے ساتھ پہنچاتے ہوں؛ پھر اسی جملے سے علما کے منصب اور ان کی ذمے داری بھی معلوم ہوئی کہ وہ اللہ کے دین کی اور اس کے احکامات کی حفاظت اور پھر بندوں تک ان کے پہنچانے کے ذمے دار ہیں، گویا حفاظتِ دین و اشاعتِ دین دونوں کی ذمے داریاں ہیں اور اس لفظ "أمناء" میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ علما کی خاص صفت امانت ہے کہ وہ دین کے معاملے میں رتی برابر خیانت کو روا نہیں رکھتے اور اپنی عقلوں اور نفسوں کی چاہت و مطالبے پر

دین میں حذف واضافہ، ترمیم وتبدیل اور تقدیم وتاخیر نہیں کرتے؛ بل کہ دین وشریعت کو جوں کا توں اللہ کے بندوں تک پہنچادیتے ہیں۔

اور حدیثِ مذکورہ میں علمائے حق وعلمائے سو کی پہچان وعلامات کا بیان اس طرح ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ علما اس وقت تک اللہ کے رسولوں کے امین ہیں، جب تک کہ وہ اہلِ اقتدار واہلِ حکومت سے گھل مل نہ جائیں اور دنیا کے پیچھے نہ پڑ جائیں اور اگر وہ اہلِ اقتدار اور سلطنت سے گھل مل جائیں اور دنیا میں ملوث ہوجائیں، تو پھر وہ رسولوں کے خائن ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ اہلِ حق علما، اہلِ دنیا و دنیا سے دور ونفور رہتے ہیں، ان میں گھل مل نہیں جاتے اور ان کے ساتھ شیر وشکر نہیں ہوجاتے اور دنیا میں انہماک واشتغال نہیں رکھتے اور علمائے سو کی پہچان اس کے برعکس یہ ہے کہ وہ دنیا واہلِ دنیا کے پیچھے ذلیل وخوار ہوتے رہتے ہیں، ان سے محبت والفت رکھتے ہیں اور ہر وقت ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اور دنیا کی فکر واہلِ دنیا کے شکر میں مشغول رہتے ہیں، اس علامت سے ان دو طبقات (علمائے حق وعلمائے سو) کو اچھی طرح پہچانا جاسکتا ہے۔ اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے علمائے سو کی علامت کا ذکر کرکے فرمایا کہ ان سے بچ کر رہو۔

«عَنْ أَبِي مُوْسىٰ رضي الله عنه -رَفَعَهُ- لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُجْعَلَ كِتَابُ اللّٰهِ عَارًا ، وَيَكُوْنَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا ، حَتّٰى تَبْدُو الشَّحْنَاءُ بَيْنَ النَّاسِ، وَحَتّٰى يُقْبَضَ الْعِلْمُ وَيَهْرَمَ الزَّمَانُ، وَيَنْقُصَ عُمْرُ الْبَشَرِ، وَتَنْقُصَ السِّنُوْنَ وَالثَّمَرَاتُ ، وَيُؤْتَمَنَ التُّهَمَاءُ ، وَيُتَّهَمَ الْأُمَنَاءُ ، وَيُصَدَّقَ الْكَاذِبُ وَيُكَذَّبَ الصَّادِقُ ، وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ -وَهُوَ الْقَتْلُ- وَحَتّٰى تُبْنَى الْغُرَفُ فَتَطَاوَلَ، وَحَتّٰى تَحْزَنَ ذَوَاتُ الْأَوْلَادِ وَتَفْرَحَ الْعَوَاقِرُ، وَيَظْهَرَ الْبَغْيُ وَالْحَسَدُ وَالشُّحُّ، وَيَهْلِكَ النَّاسُ ؛ وَيَكْثُرَ الْكِذْبُ وَيَقِلَّ الصِّدْقُ، وَحَتّٰى تَخْتَلِفَ الْأُمُوْرُ بَيْنَ النَّاسِ ، وَيُتَّبَعَ الْهَوىٰ وَيُقْضٰى بِالظَّنِّ، وَيَكْثُرَ الْمَطَرُ وَيَقِلَّ الثَّمَرُ، وَيَغِيْضَ الْعِلْمُ غَيْضاً وَيَفِيْضَ الْجَهْلُ فَيْضًا، وَيَكُوْنَ الْوَلَدُ غَيْظًا، وَالشِّتَاءُ قَيْظًا ، وَحَتّٰى يُجْهَرَ بِالْفَحْشَاءِ، وَتُزْوَى الْأَرْضُ زَيًّا ، وَيَقُوْمَ الْخُطَبَاءُ بِالْكِذْبِ ، فَيَجْعَلُوْنَ حَقِّي لِشِرَارِ أُمَّتِي؛ فَمَنْ صَدَّقَهُمْ بِذَالِكَ وَرَضِيَ بِهِ لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ.»

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت قائم نہ ہوگی، یہاں تک کہ اللہ کی کتاب (پر عمل کرنے) کو عار ٹھہرایا جائے گا اور اسلام اجنبی ہو جائے گا؛ یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان کینہ پروری عام ہو جائے گی اور یہاں تک کہ علم اٹھالیا جائے گا اور زمانہ بوڑھا ہو جائے گا، انسان کی عمر کم ہو جائے گی، ماہ وسال اور غلہ وثمرات میں (بے برکتی اور) کمی رونما ہوگی، ناقابلِ اعتماد لوگوں کو امین اور امانت دار لوگوں کو ناقابلِ اعتماد سمجھا جائے گا، فساد اور قتل عام ہوگا اور یہاں تک کہ اونچی اونچی عمارتوں پر فخر کیا جائے گا اور یہاں تک کہ صاحبِ اولاد عورتیں غمزدہ ہوں گی اور بے اولاد خوش ہوں گی اور ظلم، حسد اور لالچ کا دور دورہ ہوگا، لوگ ہلاک ہوں گے، جھوٹ کی بہتات ہوگی اور سچائی کم؛ یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان بات بات میں نزاع اور اختلاف ہوگا، خواہشات کی پیروی کی جائے گی، اٹکل پچو فیصلے

دیے جائیں گے، بارش کی کثرت کے باوجود غلے اور پھل کم ہوں گے، علم کے سوتے خشک ہوتے جائیں گے اور جہالت کا سیلاب امڈ آئے گا، اولاد غم و غصے کا موجب ہوگی اور موسمِ سرما میں گرمی ہوگی اور یہاں تک کہ بدکاری علانیہ ہونے لگے گی، زمین کی طنابیں کھینچ دی جائیں گی، خطیب اور مقرر جھوٹ بکیں گے؛ حتی کہ میرا حق (منصبِ تشریع) میری امت کے بدترین لوگوں کے لیے تجویز کریں گے، پس جس نے ان کی تصدیق کی اور ان کی تحقیقات پر راضی ہوا، اسے جنت کی خوشبو بھی نصیب نہیں ہوگی۔ معاذ اللہ

تخریج و شرح

اس کو ابن ابی الدنیاؒ، طبرانیؒ، ابن عساکرؒ اور ابو نصر السنجریؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں کوئی خرابی نہیں "لا باس بسنده" (کنز العمال: ۳۸۵۷۷) علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے بعض الفاظ کے فرق اور بعض میں کمی بیشی کے ساتھ وارد کر کے فرمایا کہ "اس کے بعض اطراف (جملے) صحیح میں بھی آئے ہیں، اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے راوی بعض ثقہ ہیں اور بعض میں اختلاف ہے"۔ (مجمع الزوائد: ۷/ ۶۲۸)، میں کہتا ہوں کہ اختلاف مضر نہیں، لہٰذا حدیث حسن ہوگی۔ واللہ أعلم

نوٹ: حضرت مصنف علامؒ نے اس جگہ حاشیے پر ایک نوٹ لکھا ہے، وہ یہ کہ بین القوسین کی عبارت کنز العمال: ۷/۱۸۲، طبعِ قدیم، حیدرآباد میں موجود ہے، مگر طبعِ جدید (مؤسسة الرسالة، بيروت) میں نہیں ہے۔

تعلیمِ قرآن کو عار سمجھ لیا جائے گا

اس حدیث میں واقع بعض جملوں کی تشریح ماقبل میں گذر چکی ہے، جہاں دوسری حدیثوں میں وہ آئے ہیں اور بعض جملے واضح المراد ہیں؛ لہٰذا یہاں صرف ان جملوں کی تشریح کی جاتی ہے، جو اوپر مذکور نہیں ہوئے یا جن کی تشریح کی ضرورت ہے۔

۱- "لا تقوم الساعة حتى يجعل كتاب الله عارًا" (قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک اللہ کی کتاب کو عار نہ بنالیا جائے گا) یعنی علاماتِ قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ قرآن

پڑھنے، سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو عار و ذلت سمجھ لیں گے، جیسے بہت سے گھرانوں میں حفاظ، علما، طلبا کو ذلیل خیال کیا جاتا اور اس کے بالمقابل انگریزی تعلیم اور عصری علوم کو عزت کی چیز سمجھا جاتا ہے۔ یہ بھی دراصل اس حدیث کا مصداق ہے؛ چناں چہ آج نہ دینی تعلیم کی اہمیت ہے، نہ قرآن پاک کے حفظ کرنے اور پڑھنے کی کوئی قدر و منزلت ہے؛ بل کہ الٹا اس تعلیم کی تحقیر و تذلیل دیکھنے کو ملتی ہے۔

اسلام اجنبی ہو جائے گا

۲- " ویکون الاسلام غریباً " (اور اسلام اجنبی ہو جائے گا) ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ اسلام اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا اور عن قریب اسی حالت کی طرف لوٹ جائے گا۔(۱) اور اجنبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اس سے اور اس کی تعلیم سے اتنے دور ہو جائیں گے کہ ان کو یہ باتیں اجنبی اور نئی معلوم ہوں گی اور لوگ آسانی سے اس کو قبول نہ کریں گے، جیسے اسلام اپنی ابتدا میں بھی اسی طرح تھا کہ صرف چند قلیل لوگوں میں رائج ہوا اور اس کو آسانی کے ساتھ قبول نہیں کیا گیا۔

فتح الملهم میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس حدیث کی شرح میں قاضی عیاضؒ سے نقل کیا ہے کہ

> اسلام چند قلیل لوگوں میں ظاہر ہوا، پھر وہ پھیلا اور ظاہر و غالب ہو گیا، اس کے بعد پھر اس کو نقص و خلل لاحق ہوگا، یہاں تک کہ صرف چند قلیل لوگوں میں محدود ہو کر رہ جائے گا۔(۲)

کینہ پروری عام ہو جائے گی

۳- "حتیٰ تبدو الشحناء بین الناس" (حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان کینہ پروری عام ہو جائے گی) یعنی ایک دوسرے سے نفرت و کدورت بغض و عناد پھیل جائے گا، آج یہ بات بھی بہت حد تک مشاہد ہے کہ ہر آدمی دوسرے کو بُرا سمجھتا اور اس سے کینہ و نفرت رکھتا ہے، (الا ماشاء اللّٰہ) اور اس کی وجہ دراصل خود غرضی اور دنیا طلبی ہے کہ جب آدمی کو کسی سے اپنی غرض پوری ہوتی اور دنیا ملتی نظر آتی ہے، تو اس سے تعلق کا اظہار کرتا ہے، ورنہ دل میں کدورت و نفرت رکھتا اور بغض و عداوت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

---

(۱) مسلم: ۳۷۲، ابن ماجہ: ۳۹۸۶، احمد: ۹۰۵۴، دارمی: ۲۷۹۷

(۲) فتح الملهم: ۱۷۶/۲

زمانہ بوڑھا ہوجائے گا

۴- ’’ ویھرم الزمان‘‘ (زمانہ بوڑھا ہوجائے گا) یعنی اپنی آخری عمر کو پہنچ جائے گا، جس کے بعد اس کی موت وفنا ہی ہوگی اور زمانے کو بوڑھا کہہ کر غالباً اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ لوگ نیکیوں اور خیر کے کاموں میں سست ہوجائیں گے اور شر و برائی کا دور دورہ ہوگا؛ کیوں کہ بڑھاپا سستی کا اور عیب ونقص اور بیماری کا زمانہ ہوتا ہے، اسی طرح اس زمانے میں انسان بھی خیر کے کاموں میں سست اور روحانی بیماریوں میں مبتلا ہوں گے؛ پھر اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کی اصلاح اسی طرح مشکل ہوگی، جس طرح بڑھاپے کی بیماریوں کا علاج مشکل ہوتا ہے؛ بل کہ عام طور پر اس کا علاج یہی ہوتا ہے کہ آدمی مرجائے اور ختم ہوجائے، اسی طرح اس زمانہ کے لوگ جن روحانی امراض کا شکار ہوں گے، ان کی اصلاح بھی نہ ہوسکے گی یا انتہائی مشکل ہوگی۔ واللہ اعلم

عمر اور غذا میں کمی

۵- ’’ وینقص عمر البشر وتنقص السنون والثمرات‘‘ (انسان کی عمر کم ہوجائے گی اور سالوں اور پھلوں میں کمی ہوجائے گی) چناں چہ پہلے کی بہ نسبت اس زمانے میں عمریں گھٹ گئیں ہیں اور نوجوانی وجوانی کی عمر میں بھی کثرت کے ساتھ اموات ہوتی ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ عمر میں برکت کم ہوجائے گی کہ پہلے لوگ اپنی عمر میں جتنا کام کرتے تھے، اتنا کام اتنی عمر میں نہ ہوسکے گا۔ اور آج یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے ساٹھ (۶۰) ستر (۷۰) سال کی عمر میں جو کام انجام دیے، آج کے لوگ سب کے سب مل کر بھی اتنا کام نہیں کرسکتے۔ اسی طرح سالوں کی اور پھلوں کی کمی کا ایک مطلب یہ ہے کہ ان کی مقدار میں کمی ہوجائے گی، جیسے ایک حدیث میں ہے کہ سال: مہینے کی طرح اور مہینہ، ہفتے کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح اور دن ایک گھنٹہ کی طرح اور گھنٹہ اس طرح گذر جائے گا، جیسے کوئی آگ روشن کرے، تو ایک لحظے میں گذر جاتا ہے۔(۱)

یعنی وقت ایسا گذر جائے گا کہ پتہ بھی نہ چلے گا اور ادھر سال ختم ہوچکا ہوگا اور پھلوں میں بھی

---

(۱) الترمذی: ۲۳۳۲، احمد: ۱۰۹۴۳

کمی ہوگی اوراناج ،غلہ کم ہوجائے گا؛ چناں چہ آج ساری دنیا اسی کا رونا رو رہی ہے کہ آبادی کے لحاظ سے غذا حاصل نہیں ہورہی ہے اوراسی لیے اس پر بھی محنتیں صرف ہورہی ہیں کہ اولاد نہ ہواور بچے کم سے کم ہوں اوراناج ، غلے کی کمی کا ایک مطلب یہ ہے کہ مقدار میں تو کمی نہ ہوگی ؛ البتہ ان کی برکتیں ختم ہوجائیں گی اور پھلوں اورغلوں کے استعمال کے باوجود نہ سیرابی ہوگی ،نہ قوت میں اضافہ ہوگا ؛ بل کہ بیماریاں اور کمزوریاں بڑھتی جائیں گی ، یہ برکت میں کمی کا نتیجہ ہوگا، جس کا اندازہ آج کے دور میں اچھی طرح ہورہا ہے کہ اقسام دراقسام ماکولات اورلذیذ سے لذیذ تر مشروبات کے باوجود، کسی غذا میں وہ قوت وطاقت نہیں ہے، جوکسی زمانے میں تھی۔

اونچی عمارات پرفخر

۶- "وحتی تبنی الغرف فتطاول"(اور یہاں تک کہ اونچی عمارتیں بنائی جائیں گی اوران پرفخر کیاجائے گا) ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے یہ پوچھنے پر کہ قیامت کی علامات کیا ہیں؟ قیامت کی علامتیں بیان فرمائیں اوران میں یہ بھی فرمایا کہ تو دیکھے گا کہ بکریاں چرانے والے فقیر لوگ ، جو ننگے پیر و ننگے جسم رہنے والے ہیں، عمارتوں پرفخر کریں گے۔ (۱)

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد، آج کے دور میں ایک واقعہ وحقیقت بن کر سامنے موجود ہے۔ ہر جگہ عمارات کی تجدید وتوسیع وتزئین کا سلسلہ دکھائی دیتا ہے اورامیر وغریب، شاہ وگدا، سب کے سب اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور فخر وناز کر رہے ہیں۔

اولاد ہونے پرغم اور نہ ہونے پرخوشی

۷- "وحتی تحزن ذوات الأولاد وتفرح العواقر" (یہاں تک کہ صاحب اولاد عورتیں غمزدہ اور بے اولاد عورتیں خوش ہوں گی)، جب سے دنیا میں فیشن پرستی کا دور دورہ ہوا اورعیاشی وفحاشی کوفروغ حاصل ہوا، دنیا والوں کے نظریات وخیالات اورعقل وفہم کے پیمانے ہی بدل گئے، پہلے زمانوں میں عورت کا بانجھ ہونا اور بے اولاد ہونا عیب تھا اوراس کی وجہ سے عورتیں

(۱) المسلم: ۹۳، الترمذی: ۲۶۱۰، النسائی: ۴۹۰۴، ابوداؤد: ۴۶۹۵، ابن ماجہ: ۶۳، احمد: ۱۸۴

رنج وغم کرتی تھیں اور عورت کا صاحبِ اولاد ہونا خوشی ومسرت کا پیغام ہوتا تھا، مگر اب معاملہ الٹا ہے، بچوں کے ہونے پر فکر وپریشانی محسوس کرتے ہیں اور غم ورنج کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اولاد کے نہ ہونے پر خوشی ومسرت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور بچوں کے کم کرنے یا نہ ہونے کی تدبیریں کی جاتی ہیں اور آج کل نوجوان جوڑے اپنی عیاشی وفحاشی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے، لیے پہلے ہی دن سے کوشش کرتے ہیں، کہ بچے نہ ہوں اور اس کے لیے بعض لوگ دائمی طور پر مانعِ حمل تدابیر اختیار کرتے ہیں، شریعت میں یہ ناجائز ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کے نہ ہونے پر خوشی بھی علاماتِ قیامت میں سے ہے۔

اٹکل سے فیصلے کا دور

۸- ''ویقضیٰ بالظن'' (اٹکل پچو فیصلے دیے جائیں گے) یعنی شریعت کے احکام کا علم نہ ہونے کے باوجود اپنے قیاس وگمان کی بنیاد پر لوگ فیصلے کریں گے اور حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دیں گے اور حق دار کو محروم اور غیر حق دار کو حق دار قرار دیں گے۔ آج بہت سی مساجد میں کمیٹی کے جاہل لوگ فیصلے کرنے کی جرأت کرتے ہیں اور من مانی فیصلے کرتے ہیں۔ یہ بھی اس کا مصداق ہے؛ حال آں کہ کسی کے معاملے میں فیصلے کے سلسلے میں حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا، تو وہ بغیر چاقو کے، ہی ذبح کر دیا گیا۔ (۱)

ایک حدیث میں ہے کہ قاضی (فیصلے کرنے والے) تین قسم کے ہوتے ہیں: ان میں سے ایک جنت میں ہوگا اور دو دوزخ میں ہوں گے؛ جنت میں وہ ہوگا، جو حق کو جان کر اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اور جو حق کو جان کر نا حق کا فیصلہ کرے، وہ جہنم میں ہوگا اور جو بغیر علم کے جہالت کی بنیاد پر فیصلہ کرے گا، وہ بھی جہنم میں ہوگا۔ (۲)

غرض یہ کہ قربِ قیامت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ لوگ جہالت کے باوجود اٹکل پچو فیصلے کریں گے۔

---

(۱) الترمذی: ۱۳۲۵، ابو داؤد: ۳۵۷۱، ابن ماجہ: ۲۳۰۸، احمد: ۷۱۴۵

(۲) الترمذی: ۱۳۲۲، ابو داؤد: ۳۵۷۳، ابن ماجہ: ۲۳۱۵

بارش کے باوجود غلے میں کمی

۹- "ویکثر المطر ویقل الثمر" (بارش خوب ہوگی؛ مگر پھل وغلہ کم ہوگا) یہ انسانوں کے گناہوں کا وبال ہوگا، گناہوں کے وبال کی ایک صورت تو یہ ہے کہ بارشیں ہی نہ ہوں، جیسا کہ بارہا ایسا ہوتا ہے اور اس کے بارے میں حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لولا عباد اللّٰہ رکع وصبیان رضع وبھائم رتع لصب علیکم العذاب صباً ورص رصاً. (۱)

ترجمہ: اگر اللہ کے عبادت گذار بندے اور شیر خوار بچے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے، تو تم پر (گناہوں کی وجہ سے) عذاب ڈال دیا جاتا۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بارش تو خوب ہوتی ہے؛ مگر اس سے باغات کے پھلنے اور کھیتیوں کے اُگنے کا فائدہ متعلق نہیں ہوتا اور اس طرح اللہ کی طرف سے گناہوں کا وبال وعذاب دیا جاتا ہے۔

اللّٰھم احفظنا من غضبہ وغضب رسولہ۔

جہالت کا سیلاب

۱۰- "ویغیض العلم غیضاً ویفیض الجھل فیضاً" (علم کے سوتے و چشمے خشک ہو جائیں گے اور جہالت کا سیلاب اُمڈ آئے گا) اس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو چشمے سے اور جہل کو سیلاب سے تشبیہ دے کر علم کے لیے "غیض" اور جہل کے لیے "فیض" کا لفظ بہ طورِ استعارۂ ترشیحیہ استعمال فرمایا ہے کہ "غیض" چشمے کے اور "فیض" سیلاب کے مناسبات میں سے ہے۔ غیض کے معنے ہیں "کنوئیں یا چشمے کا پانی زمین کے اندر اتر جانا" اور فیض کے معنے ہیں "پانی کا کثرت وقوت کے ساتھ بہنا"۔

حاصل یہ ہے کہ قربِ قیامت میں علم کے چشمے سوکھ جائیں گے اور یہ علما کے ختم ہو جانے سے ہوگا، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علم بندوں سے

---

(۱) رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط باسناد ضعیف، مجمع الزوائد: ۳۹۰/۱۰

چھین کر نہیں اٹھالے گا؛ بل کہ علما کے مرنے اور ختم ہو جانے سے علم کو اٹھالیا جائے گا۔(۱)

اور جب علما ختم ہوں گے اور اس طرح علم کے چشمے اُبلنے کے بہ جائے سوکھ جائیں گے، تو ظاہر ہے کہ جہل کا سیلاب امڈ آئے گا اور ہر جگہ جہالت و جاہلوں کی حکومت چلے گی، نہ اس سے مساجد بچیں گی، نہ مدارس محفوظ ہوں گے، ہر جگہ جہالت کا قبضہ ہوگا۔

اولاد غم و غصے کا سبب ہوگی

۱۱- "ویکون الولد غیظاً" (اور اولاد غم و غصے کا سبب ہوگی) اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ اولاد کا ہونا موجبِ غم ہوگا، جیسا کہ اوپر کے جملے میں گذرا ہے کہ صاحبِ اولاد عورتیں غم زدہ ہوں گی۔ دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اولاد ماں باپ کی نافرمان اور گستاخ و بے ادب اور غلط کار ہونے کی وجہ سے، ماں باپ دُکھ، رنج میں مبتلا ہوں گے اور اولاد بہ جائے باعثِ فرحت و راحت ہونے کے باعثِ غم و رنج ہوگی۔

زمین کی طنابیں کھینچ دی جائیں گی

۱۲- "وتزوی الأرض زیاً" (زمین کی طنابیں کھینچ دی جائیں گی) یعنی زمین اس طرح سکڑ جائے گی کہ گویا پوری زمین ایک شہر ہے؛ چناں چہ آج اس کا مشاہدہ اچھی طرح ہوتا ہے کہ پوری دنیا ایک مربوط لڑی کی طرح ہوگئی ہے اور مسافتِ بعیدہ بھی قریب سے قریب تر معلوم ہوتی ہے، ہزاروں میل کا سفر گھنٹوں میں پورا ہو رہا ہے، ایک آدمی صبح ایک ملک میں کرتا ہے، تو اس کی دوپہر دوسرے ملک میں ہوتی ہے، ہوائی جہاز نے اس حدیث کی صداقت و حقانیت پر مہرِ تصدیق لگادی ہے۔

جھوٹے خطیب

۱۳- "ویقوم الخطباء بالکذب الخ" (خطیب لوگ جھوٹ بکیں گے، حتی کہ میرا حق (یعنی منصبِ تشریع) میری امت کے بدترین لوگوں کے لیے تجویز کریں گے۔)

---

(۱) البخاری: ۱۰۰، المسلم: ٦٧٩٦، الترمذی: ۲٦۵۲، ابن ماجہ: ۵۱، احمد: ٦۵۱۱، الدارمی: ۲۴۵

مطلب یہ ہے کہ فاسق وفاجر اور بے ایمان لوگ اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شریعت کے خلاف باتیں، اپنے خطبوں میں بیان کریں گے اور لوگوں کو بہکائیں گے۔ اس میں بدعتی علما اور پیروں کی جانب اشارہ ہے، جو اپنی تقریروں کو جھوٹی حدیثوں اور جھوٹے قصوں سے زینت دے کر، شریعت وسنت کے خلاف باتوں کو لوگوں میں رائج کرتے ہیں اور منصب تشریع پیروں اور جاہل مجاوروں کے لیے مانتے ہیں اور ان کی ہانک کو شریعت کی طرح قابلِ اعتبار سمجھتے ہیں۔ آخری جملوں میں ان کی تصدیق کرنے والوں کے لیے سخت وعید سنائی گئی ہے کہ ان کو جنت کی خوشبو بھی نہ آئے گی۔
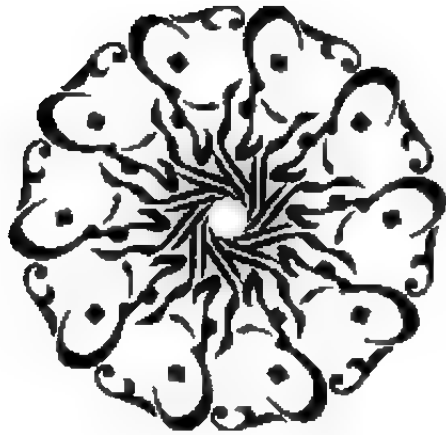
« عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَناً كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ ؛ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا . »

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تاریک فتنوں کی آمد سے پہلے پہلے نیک اعمال کرلو، جو اندھیری رات کی تہہ بہ تہہ تاریکیوں کے مثل ہوں گے، آدمی صبح کو مؤمن ہوگا اور شام کو کافر، یا شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کو کافر؛ دنیا کے چند ٹکوں کے بدلے اپنا دین بیچتا پھرے گا۔ (معاذ اللّٰہ)

تخریج وشرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث المسلم بہ رقم: (۳۱۳)، الترمذي: (۲۱۹۵)، أحمد: (۸۰۳۰)، ابن حبان: (۹۶/۱۵)، أبوعوانة: (۵۵/۱)، المعجم الأوسط للطبراني: (۱۵۶/۳)، أبويعلیٰ: (۳۹۶/۱۱) اسحاق بن راہویہ: (۴۰۱/۱) نے روایت کی ہے اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے، أحمد: (۱۸۴۰۴)، حاکم: (۲۳۴۱) نے تخریج کی ہے، مگر اس کے شروع میں (بادروا بالأعمال) کی جگہ (إن بين يدي الساعة فتناً) آیا ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی حاکمؒ نے المستدرک: (۸۴۲۱) میں تخریج کی ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک دوسرے سیاق میں شروع کے الفاظ آئے ہیں، جس کو حاکم: (۸۴۲۷)، بیہقي (۱۶۸۰۰)، أبوداؤد: (۴۲۶۲)، ابن ماجة: (۳۹۶۱)، ابن أبي شيبة (۳۰۹۷۸) طبرانی الأوسط: (۲۵۷/۸)، بزار: (۱۶۷/۸)، احمد نے: (۱۹۷۳۰) میں روایت کیا ہے؛ نیز ترمذی: (۲۱۹۷) اور ابن ابی شیبہ: (۳۱۰۵۳) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور

طبرانی نے (المعجم الأوسط: ۲۹/۵) میں حضرت حذیفہ وابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے اور حدیث کا صحیح ہونا واضح ہے کہ مسلم و ابن حبان نے بھی اس کی تخریج کی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حاکمؒ نے روایت کر کے فرمایا کہ یہ حدیث "صحیح الإسناد" ہے، مگر شیخین نے روایت نہیں کی۔ (حاکم: ۸۴۲۱)

دنیا کے لیے دین فروشی

اس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کے آنے سے پہلے نیک اعمال کے انجام دینے کی ترغیب دی ہے؛ کیوں کہ فتنوں کے وقت آدمی ایسی پریشانیوں میں گھر جاتا ہے کہ بسا اوقات نیکیوں اور طاعتوں کی طرف توجہ مشکل ہو جاتی ہے اور اعمال کو بہ کمال و بہ تمام ادا کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

"بادروا" مُبَادَرَة سے ہے، جس کے معنے ہیں "جلدی کرنا" اور مطلب یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ انجام دینے میں چستی و جلدی کرو! کیوں کہ اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح آنے والے فتنے اپنے میں ایسا مشغول کر دیں گے کہ ان کو اپنے تمام شرائط و آداب کے ساتھ ادا کرنا ایک مسئلہ بن جائے گا اور اس حدیث میں فتنوں کو "اندھیری رات کے ٹکڑوں" سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اس تشبیہ کی وجہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے یہ بیان کی ہے کہ

> اندھیری رات جس طرح بدصورت ڈراؤنی اور ہیبت ناک ہوتی ہے، اسی طرح قیامت کے قریب ظاہر ہونے والے یہ فتنے بھی انسان کو دہشت و وحشت میں مبتلا کر دینے والے ہوں گے اور جس طرح رات آتی ہے، تو اس کا سبب معلوم نہیں ہوتا اور نہ اس سے خلاصی کا کوئی راستہ معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ان فتنوں کا کوئی ظاہری سبب معلوم نہ ہوگا اور نہ اس سے نجات پانے اور خلاصی حاصل کرنے کی کوئی تدبیر معلوم ہوگی؛ اس لیے ان کو رات کی تاریکیوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (۱)

---

(۱) خلاصہ از مرقاۃ: ۱۲/۱۰

اور تشبیہ کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح رات کی تاریکیاں تہہ بہ تہہ ہوتی ہیں، اور لگاتار ایک دوسرے سے مل کر چلی آتی ہے اور ایک ایسا تسلسل ان میں قائم ہوتا ہے کہ تاریکی کا ایک جز دوسرے جز سے اس طرح مربوط ہوتا ہے کہ سب تاریکیاں مل کر "شیٔ واحد" (ایک ہی چیز) معلوم ہوتی ہے، اسی طرح آنے والے فتنے مسلسل اور لگاتار اور پے در پے آئیں گے اور درمیان میں کوئی فصل اور خلا نہ ہوگا اور لوگوں کو غور کرنے کے لیے کوئی وقت اور مہلت نہ ملے گی۔ (اس وجہِ تشبیہ کی طرف علامہ نووی رحمۃ اللہ کے کلام میں اشارہ ملتا ہے)۔ (۱)

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فتنوں کی شدت اور انتہائی نزاکت کا ذکر کرتے ہوئے، ایک خاص بات ذکر کی ہے کہ اس وقت یہ حال ہوگا کہ آدمی صبح مؤمن ہوگا اور شام میں کافر ہوگا، یا شام میں مؤمن ہوگا، تو صبح کافر ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ دنیا کی خاطر وہ امرِ دین میں تذبذب کا شکار ہو جائے گا، ملا علی قاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

وحاصلهُ التذبذب في أمر الدين والتتبع لأمر الدنيا. (۲)

اور دین میں شک وتردد کرنا کفر و بے ایمانی ہے۔ غرض! دنیا کی محبت کا فتنہ ایسا ہوگا کہ لوگ اپنا ایمان معمولی سے دنیوی مال کی خاطر بیچ دیں گے؛ یہ مال و دولت اور دنیوی چیزوں اور دنیوی زندگی کی محبت کا فتنہ ہوگا، جس میں دین کو بچانا مشکل ہو جائے گا؛ چناں چہ آج اس کے بہت سے آثار دکھائی دیتے ہیں کہ لوگ حبِ دنیا میں گرفتار ہو کر حرام چیزوں کو حرام قرار دینے میں تذبذب کرتے ہیں، سود کی حرمت کا کتنے مسلمانوں کے اندر سے تصور تک نکل گیا ہے، اگر لینے میں احتیاط کرتے بھی ہیں، تو سود دینے کی برائی دلوں میں باقی نہیں رہی۔ اسی طرح اور چیزوں میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ جب علما کسی حرام چیز کو حرام کہتے ہیں یا کسی فرض کام کی اہمیت بیان کرتے ہیں، تو لوگ اس پر چیں بہ جبیں ہوتے اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے یا اس حرمت والی بات کو قبول نہیں کرتے۔ کیا اس کے باوجود ایمان باقی رہ سکتا ہے؟ اور فرائض بیان کرنے پر بھی علما کو برا بھلا کہتے ہیں،

---

(۱) دیکھو، شرح المسلم: ۲/۱۷۵

(۲) مرقاۃ المفاتیح: ۱۰/۱۲

جو دراصل علما کی برائی نہیں ؛ بل کہ اللہ و رسول کی برائی ہے۔ اس طرح دنیا کی خاطر ایمان کھو بیٹھتے ہیں۔ اے اللہ! ہم کو فتنوں سے بچا اور ایمان پر خاتمہ عطا فرما۔ آمین

فائدہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ

> ہم نے اس قسم کے لوگوں کو دیکھا ہے، جو محض بے عقل صورتیں اور بے بصیرت جسم ہیں، جو دوزخ کے پروانے اور حرص وطمع کے پیاسے ہیں، جو صبح دو درہم لے کر جاتے ہیں اور شام کو دو درہم لے کر واپس ہوتے ہیں اور اپنے دین کو ایک جانور کی قیمت کے بدلے بیچ دیتے ہیں!!۔ (۱)

(۱) مستدرک حاکم: ۲۳۴۱، مسند احمد: ۱۸۴۰۴

« عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: يُحَدِّثُ، إِذْجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ، قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا؟ قَالَ: إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ، فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. »

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ اس اثنا میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بیان فرمارہے تھے، اچانک ایک اعرابی آیا اور عرض کیا (یارسول اللہ!) قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: جب امانت اٹھ جائے گی، اعرابی نے کہا: امانت اٹھ جانے کی صورت کیا ہوگی؟ فرمایا: جب اختیارات نااہلوں کے سپرد ہو جائیں، تو قیامت کا انتظار کرو۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو بخاریؒ: (۵۹)، احمدؒ: (۸۷۲۹)، ابن حبانؒ: (۱/ ۳۰۷)، بیہقیؒ: (۲۰۳۶۳)، دیلمیؒ: (۱/ ۳۲۵) نے روایت کیا ہے اور حدیث صحیح ہے۔

امانت میں خیانت اور نااہلوں کا تسلط

مطلب و مفہوم ترجمے سے ظاہر ہے؛ البتہ اس کے ضمن میں یہ بات واضح کرنی ضروری ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کب آئے گی؟ کے جواب میں اس کی علامت کا ذکر فرمایا: کیوں کہ قیامت کا صحیح علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہے، نہ کسی رسول و نبی کو، نہ کسی مقرب فرشتے یا ولی کو؛ لہٰذا آپ نے قیامت کی ایک اہم علامت ذکر فرمائی، وہ یہ کہ قیامت کے قریب امانت ضائع کی جائے گی؛ یعنی امانت میں خیانت کا ارتکاب (کثرت) سے کیا جائے گا۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا کہ امانت کے ضائع ہونے کی شکل کیا ہوگی؟ تو فرمایا کہ جب نااہل لوگوں کو ذمہ داری سونپی جائے، تو سمجھو کہ قیامت قریب ہے؛ لہٰذا اس کا انتظار کرو۔

ملا علی قاری اور علامہ ادریس کاندھلوی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ

امر سے مراد "سلطنت وحکومت، امارت وقضا" ہے اور نا اہل سے مراد وہ ہے، "جس میں ان امور کے حق دار ہونے کی شرائط نہ پائی جائیں"، جیسے عورتیں، بچے، جاہل وفاسق لوگ، بخیل وبزدل لوگ اور غیر قریشی اور اسی پر دوسرے اولو الامر اور اصحابِ مناصب کو قیاس کرلو، جیسے تدریس، فتویٰ، امامت وخطابت وغیرہ؛ جن پر اہلِ زمانہ فخر کرتے ہیں، (کہ اگر یہ بھی نا اہل لوگوں کے سپرد کیے جائیں، تو قیامت کا انتظار کرو)۔(۱)

نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (یہ نا اہل کے سپرد کیا جانا) قربِ قیامت پر اس لیے دلالت کرتا ہے کہ یہ بات، امر (خلافت وامارت) میں خلل، نظامِ دین کی عدمِ تکمیل، امورِ دین میں ضعف اور احکامِ اسلام میں کمزوری تک پہنچا دیتی ہے۔(۲)

غرض یہ ہے کہ کسی بھی شعبے سے متعلق ذمہ داری جب کسی نا اہل شخص کے حوالے کی جائے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کام وذمہ داری میں خلل وضعف پیدا ہو جاتا ہے، جو اسلام ودین کے ضعف کو مستلزم ہوتا ہے اور اگر یہی صورتِ حال باقی رہے، تو دین دنیا سے اٹھ جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی۔

افسوس! آج ہم سب اس صورتِ حال سے دوچار ہو رہے ہیں، مختلف اہم مناصب وعہدوں پر نا اہل لوگوں کا تسلط ہے؛ بل کہ نا اہل لوگوں کو مسلط کیا جا رہا ہے اور اہل اور حق دار لوگوں کو نا اہل قرار دے کر محروم کیا جا رہا ہے اور یہ صورتِ حال نہ صرف ان عہدوں اور مناصب میں پیش آ رہی ہے، جو سیاست وحکومت سے متعلق ہیں؛ بل کہ ان امور میں بھی اس صورتِ حال نے اپنا اثر ونفوذ پھیلانا شروع کر دیا ہے، جو خالص دینی وعلمی کہلاتے ہیں؛ جیسے: امامت، خطابت، تدریس، فتویٰ وغیرہ کہ ان مناصب پر بھی نا اہل لوگوں کا تسلط ہے یا ان کو مسلط کیا جا رہا ہے، جس کے نتیجے میں دین میں ضعف پیدا ہوگا اور آخر کار قیامت قائم ہو جائے گی۔ مساجد اور مدارس پر جاہلوں اور فاسقوں کا تسلط وقبضہ اور ان میں ان کی من مانیاں اور اَنا پرستیاں، شرارتیں اور جہالتیں، جو گل کھلا رہی ہیں، وہ سبھی کے سامنے آشکارا ہیں اور اس کے نتیجے میں امورِ اسلام وعلومِ دینیہ میں روز بہ روز ہونے والا اِدبار وتنزل اور بدعات وخرافات کو حاصل ہونے والا فروغ وترقی بھی واضح ہے، اسی کو حدیث پاک میں قیامت کی علامت کہا گیا ہے۔

---

(۱) مرقاۃ: ۷۶/۱۰، التعلیق الصبیح: ۱۸۹/۶

(۲) مرقاۃ: ۷۶/۱۰

« عَنْ أَنَسٍ ﷺ -مَرْفُوْعًا- إِذَا اسْتَحَلَّتْ أُمَّتِي خَمْسًا فَعَلَيْهِمِ الدِّمَارُ: إِذَا ظَهَرَ فِيْهِمُ التَّلَاعُنُ، وَلَبِسُوا الْحَرِيْرَ، وَاتَّخَذُوا الْقِيْنَاتِ، وَشَرِبُوْا الْخُمُوْرَ، وَاكْتَفَى الرِّجَالُ بِالرِّجَالِ وَالنِّسَاءُ بِالنِّسَاءِ. »

ترجمہ: حضرت انس ﷺ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "جب میری امت پانچ چیزوں کو حلال سمجھنے لگے گی، تو ان پر تباہی نازل ہوگی: جب ان میں باہمی لعن طعن عام ہو جائے، مرد ریشمی لباس پہننے لگیں، گانے بجانے اور ناچنے والی عورتیں رکھنے لگیں، شرابیں پینے لگیں اور مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے جنسی تسکین پر کفایت کرنے لگیں"۔ (معاذاللہ)

تخریج و شرح

اس حدیث کو حضرت انس ﷺ سے بیہقیؒ نے دو سندوں کے ساتھ شعب الإیمان: (۳۷۷/۴) میں، ابونعیمؒ نے حلیة الأولیاء: (۱۲۳/۶) میں، طبرانیؒ نے المعجم الأوسط: (۱۸/۲) ومسند الشامیین: (۲۹۷/۱) میں روایت کیا ہے، طبرانیؒ نے المعجم الأوسط میں خمساً کی جگہ ستاً روایت کیا ہے، امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ اس کی دونوں سندیں اگر چہ غیر قوی ہیں، تاہم جب ایک دوسرے سے ملتی ہیں، تو ان میں قوت آ جاتی ہے اور علامہ متقیؒ نے کنز العمال: (۳۸۴۹۸) میں اور علامہ منذریؒ نے الترغیب: (۳۱۵۷) میں اس حدیث کو بیہقیؒ سے روایت کر کے، ان کی اس بات کو بلا جرح نقل کیا ہے، جس سے ان کا اس سے متفق ہونا معلوم ہوتا ہے اور علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد: (۲۴۰/۷) میں اس کو طبرانیؒ کی المعجم کے حوالے سے نقل کر کے فرمایا کہ اس کی سند میں "عباد بن کثیر" ہے، جس کی یحییٰ بن معینؒ وغیرہ نے توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

غرض یہ کہ یہ حدیث "حسن" ہے، جیسا کہ مختلف فیہ راوی کی حدیث کا یہی حکم ہے۔

دو روایات میں تطبیق

اس میں پانچ باتوں کو حلال سمجھنے پر امت کی تباہی و غارت گری کی وعید سنائی گئی ہے اور جو بعض روایات میں پانچ کی جگہ چھ باتوں کا ذکر ہے، ان میں بھی بلا کم و کاست یہی باتیں آئی ہیں، جیسے طبرانی کی حدیث میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ پانچ ہی باتیں جب بیان ہوئی ہیں، تو ان کو چھ کیوں کہا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید راوی چھٹی بات نقل کرنا بھول گیا ہو، جیسا کہ بعض جگہ حدیثوں میں ایسا ہوا ہے، جیسے: "عشر من الفطرة" والی حدیث میں راوی نے صرف نو چیزیں بیان کی ہیں اور دسویں بات کو بھول گیا اور دوسرا جواب: یہ ہے کہ ان پانچ باتوں میں سے، جو آخری بات ہے، بعض نے اس کو دو حصوں میں کر کے دو باتیں شمار کر لیں اور بعض نے ان دو کو ملا کر ایک شمار کر لیا، تو ایک صورت میں وہ شمار میں چھ ہو گئیں اور ایک صورت میں پانچ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود اللہ کے نبی علیہ السلام نے کبھی آخری دو باتوں کو ملا کر ایک شمار کر لیا ہو اور پانچ کہا ہو اور کبھی ان کو الگ الگ شمار کر کے چھ فرمایا ہو، مگر یہ امکان بعید ہے؛ کیوں کہ حدیث ایک ہی ہے۔ (واللّٰه أعلم)

پھر یہاں ایک اور اشکال بھی ہے، وہ یہ کہ اس حدیث میں فرمایا گیا (إذا استحلت أُمتي) یعنی "میری امت جب ان پانچ باتوں کو حلال سمجھنے لگے" اور بیہقی کی ایک روایت میں "استعملت" اور مسند الشامیین میں "صَنَعتُ" اور حلیة الأولیاء میں "عملت" کے الفاظ آئے ہیں اور ان سب کا ترجمہ ہے "عمل کرنا"، مطلب یہ ہے کہ ان روایات کے مطابق یہ وعید ان پانچ باتوں کے کرنے اور اختیار کرنے پر ہے، جب کہ پہلی روایت کے مطابق یہ وعید ان کاموں کے حلال سمجھنے پر ہے؛ سوال یہ کہ ان دو باتوں میں تعارض ہے؟ اور اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان تطبیق ہو سکتی ہے؛ جس کی صورت یہ ہے کہ جن روایات میں ہے کہ ان اعمال کے کرنے پر امت ہلاک ہو گی، وہاں مراد "حلال سمجھ کر کرنا ہے"؛ لہٰذا دونوں قسم کی روایات اپنی جگہ صحیح ہیں یا تطبیق کی یہ صورت ہو گی کہ "حلال سمجھنے" سے مراد یہ لیا جائے کہ حلال سمجھنے والوں کی طرح لاپرواہ ہو کر، ان کاموں کو کیا جائے، اس طرح مراد یہ ہو گی کہ "اگر میری امت ان پانچ باتوں کو حلال سمجھنے والوں کی طرح بے پرواہ ہو کر کرنے لگے، تو اس پر ہلاکت آئے گی اور تطبیق کی

پہلی صورت پر اس سے کفر لازم آئے گا جب کہ دوسری صورت میں فسق ہوگا“۔

اب وہ پانچ چیزیں ملاحظہ فرمائیں:

لعن طعن کا ظہور

۱- ”إذا ظهر فيهم التلاعن“ (یعنی جب ان میں باہمی لعن طعن عام ہو جائے) جیسا کہ آج دیکھنے میں آرہا ہے کہ لوگ ہر کسی سے بدظن اور ہر کسی کے خلاف بدزبانی و بدکلامی اور لعن طعن پر آمادہ نظر آتے ہیں، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ نہ اسلاف کو بخشتے ہیں، نہ اخلاف کو، نہ اچھوں کو، نہ بروں کو، نہ بڑوں کو، نہ چھوٹوں کو؛ اسی طرح مختلف جماعتیں اور پارٹیاں ایک دوسرے پر لعن طعن کرتی ہیں اور ایک دوسرے کی تغلیط و تردید، تفسیق و تکفیر کرتی ہیں، یہ سب اس حدیث کا مصداق ہے۔ مگر یہاں جاننا چاہیے کہ اس لعن طعن اور تکفیر اور تفسیق سے مراد وہ ہے، جو محض تعصب و جہالت اور نفسانیت و شرارت کی بنا پر ہو اور جو حضراتِ علما کسی کی تردید و تکفیر کرتے ہیں، جس کا مقصد ”شہادت علی الحق“ کا فریضہ انجام دینا اور لوگوں کو گمراہی سے بچانا ہوتا ہے، وہ اس میں داخل نہیں، ہاں! جو علمائے سو محض اپنی بدعات و خرافات کے رواج دینے کے لیے علمائے حق پر لعن طعن کرتے ہیں، وہ اس کا ضرور مصداق ہیں۔ فافہم (خوب سمجھ لو!!)

ریشمی لباس کا عام ہونا

۲- ”ولبسوا الحرير“ (اور (مرد) ریشمی لباس پہننے لگیں)، ریشمی لباس مردوں پر حرام ہے، اگر یہ عام ہو جائے اور مرد بھی عورتوں کی طرح اس کو پہننے لگیں، تو تباہی کی علامت ہے۔

گانے بجانے کا عام رواج

۳- ”واتخذوا القينات“ (جب گانے والیوں کو اپنے پاس رکھیں) یہ عام ہے، خواہ گانے والیوں کو رکھیں یا ان کے گانوں کو رکھیں؛ چوں کہ آپ ﷺ کے زمانے میں گانے کے شوقین لوگ گانے بجانے والیوں کو رکھ کر ان سے گانے سنتے اور ان کا ناچ دیکھتے تھے؛ اس لیے حضور ﷺ نے اسی کا ذکر کیا ہے؛ مگر اب گانے والیوں کی جگہ ان کے گانے اور ناچ

کی کیسٹیں بکتی اور ملتی ہیں اور اس کے شوقین لوگ ان کو جمع کرتے، دیکھتے اور سنتے ہیں، اسی کے عام ہو جانے کو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ہلاکت کا سبب بتایا ہے۔ ہائے افسوس! آج مسلمانوں کے بیشتر گھروں میں گانے بجانے کی اور مختلف قسم کی فلموں کی آڈیو اور ویڈیو کیسٹوں کی بھرمار نظر آتی ہے اور گھر کے مرد و عورت، بچے و بڑے، سب بلا کسی جھجک کے ان کو سنتے اور دیکھتے ہیں؛ حالاں کہ امت پر مختلف قسم کے عذابات آرہے ہیں، مگر ان باتوں سے بچنے کا کوئی خیال مسلمانوں میں اب تک پیدا نہیں ہوا۔

نشے بازی کا دور

۴-"وشربوا الخمور" (اور شرابیں پینے لگیں) بعض احادیث میں ہے کہ شراب کا نام بدل کر (شربت و مشروب کہہ کر) لوگ پئیں گے، آج نشے سے لذت اندوزی عام ہوتی جارہی ہے، نوجوانوں میں اور بالخصوص اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والوں میں اس کا رجحان بڑھتا جارہا ہے اور بے شمار لڑکے؛ بل کہ لڑکیاں بھی نشے کی مختلف قسم کی ادویات اور ڈرگس (DRUGS) کی عادی ہو چکی ہیں۔ افیون، مارفیا، کوکین، گانجہ، ہیروئن وغیرہ کا رواج و رجحان بڑھتا جارہا ہے اور نہ صرف یہ؛ بل کہ اس کے علاوہ نشے بازی کے اور بھی عجیب طریقے اختیار کیے جارہے ہیں:

۱- محرکِ دماغ و اعصاب دوائیوں کا استعمال خوب ہو رہا ہے اور ان کو سوئی سے رگ کے راستے جسم میں پہنچایا جاتا ہے۔

۲- نشہ آور مختلف دواؤں کو ایک ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، جس سے انسان نیم بے ہوشی کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔[1]

اسلام میں شراب کی حرمت ایک متفقہ اور مسلمہ مسئلہ ہے اور نہ صرف مسلم؛ بل کہ غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ اسلام کی نظر میں شراب ایک منحوس اور ناپاک اور بدترین چیز ہے اور اس کی حرمت کا بیان اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے اور اسلام کی اس تعلیم اور حکم کے علاوہ طبی اعتبار سے بھی شراب ایک خطرناک چیز ہے اور اس کے اثرات نہ صرف اشخاص پر؛ بل کہ پورے سماج پر مرتب ہوتے ہیں۔

---

(۱) نوجوان تباہی کے دہانے پر: ۱۹۰

اطبا نے شراب نوشی کے نقصانات پر بہت کچھ لکھا ہے، ان میں سے بعض اہم باتیں یہ ہیں:

۱- شراب کی وجہ سے معدے کی خطرناک بیماریاں پیدا ہوتی ہیں؛ کیوں کہ شراب نوشی کی وجہ سے خون میں موجود ''لائپڈ'' جو ایک خاص قسم کی چربی، معدے کے لیے حفاظتی تہہ مہیا کرتی ہے، وہ تحلیل ہو جاتی ہے۔

۲- شراب کا سب سے زیادہ نقصان دہ اثر، بارہ انگشتی آنت پر ہوتا ہے اور ہاضمے میں کام آنے والے لعاب کے خارج ہونے کی صلاحیت کو متأثر کرتی ہے اور اس طرح شراب کا عادی ہمیشہ آنتوں اور معدے کی بیماریوں میں مبتلا رہتا ہے۔

۳- اسی طرح شراب کا اثر جگر اور گردے پر بھی خطرناک حد تک ہوتا ہے، گردے انتہائی حساس کیمیائی جوہر کی ملاپ (Valence) کے مقام پر چھلنی کا کام دیتے ہیں؛ شراب اس عمل کو تہہ و بالا کر دیتی ہے۔

۴- امراضِ قلب کی آج جو بہتات نظر آتی ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شراب کا استعمال زیادہ ہو رہا ہے؛ اطبا کا کہنا ہے کہ جسم میں زیادہ گرمی پیدا کرنے والے الکحل (Alchohal) کی اقسام مثلاً: برانڈی (Brandy) اور وہسکی (whisky) سے انسان کی حرکتِ قلب بند ہو جانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

۵- اور اس کا ایک واضح اثر یہ ہے کہ دماغی امراض لاحق ہوتے ہیں اور دماغ کی کارکردگی سُست پڑ جاتی ہے اور اس سے جو امراض لاحق ہوتے ہیں، ان میں نسیان، مرگی، سَر چکرانا، نیند کی کمی، مالیخولیا، پاگل پن، سوچنے اور قوتِ فیصلے میں کمی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی تفصیل کے لیے مولانا محمد انور بن اختر صاحب کی کتاب ''نوجوان، تباہی کے دھانے پر'' کا مطالعہ کیجیے۔

اب اس منحوس شراب کے معاشرے پر خطرناک اثرات بھی پڑھیے:

۱- مخمور انسان ایسی ایسی عجیب نازیبا اور انسانیت سوز حرکات کا ارتکاب کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ کوئی باوقار انسان، انہیں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔

۲- شرابیوں میں زود رنجی یا غصے کی بنا پر فوری حملے کے جذبات، ان لوگوں کو لاتعداد تنازعات میں الجھائے رکھتے ہیں؛ شراب میں بدمست، کبھی جوش میں آ کر گالیاں بکنے، مرنے مارنے پر اُتر

آتا ہے، کبھی رونے لگتا ہے اور کبھی خوف زدہ ہو کر کانپنے لگتا ہے۔

۳- شراب کی وجہ سے لاتعداد متواتر طلاقوں کا سلسلہ قائم ہے، جو معاشرے کے بنیادی ڈھانچوں کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔

۴- مختلف قسم کے کام کرنے والے مزدوروں اور کاری گروں پر شراب کی وجہ سے بے دلی اور کاہلی کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس طرح ان کی کارکردگی اور مہارت پر شراب کی وجہ سے بُرا اثر پڑتا ہے، جس کا آخری نقصان معاشرے کو پہنچتا ہے۔

۵- شراب کی وجہ سے انسانوں میں ایک دوسرے کے لیے سخت دلی اور سنگ دلی پیدا ہو جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قومی مسائل کے بارے میں غور و فکر کے لیے انسان آمادہ ہی نہیں ہوتا اور صرف خود غرضانہ ذہنیت اس میں پرورش پاتی ہے۔

۶- شیطان شراب اور جوے کے ذریعے انسانوں کے درمیان منافقت اور فساد پیدا کرتا ہے؛ اس لیے خدا تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں فرمایا (جس کا ترجمہ یہ ہے): (یہ گندے کام شیطانی عمل ہیں، پس ان سے بچتے رہو! تا کہ تمہاری زندگی اچھی گذرے)، گویا یہ کام ہلاکت و بربادی کے موجب ہوتے ہیں۔(۱)

ہم جنس پرستی کا رُجحان

۵- "واکتفی الرجالُ بالرجالِ و النساءُ بالنساءِ" (مرد، مردوں سے اور عورتیں، عورتوں سے جنسی تسکین پر اکتفا کرنے لگیں) مَردوں کا مردوں پر اکتفا کرنا، انہی سے جنسی تسکین حاصل کرنا، قومِ لوط کا وہ بدترین فعل ہے، جس پر خدا تعالیٰ نے ان پر پتھروں کی بارش کا عذاب بھیجا، جس کا ذکر قرآن پاک میں متعدد مواقع پر ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بستیوں کو ایک عبرت گاہ کی حیثیت سے پیش فرمایا ہے، ایک جگہ ارشادِ ربانی ہے کہ

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ (سورۃ الحجر: ۷۴ تا ۷۶)

---

(۱) تلخیص از: نوجوان، تباہی کے دھانے پر: ۲۰۵

ترجمہ: پھر ہم نے ان بستیوں کو اُلٹ کر ان کے اوپر والے حصے کو نیچے کر دیا اور ان لوگوں پر کنکر کے پتھر برسائے؛ اس واقعے میں اہلِ بصیرت کے لیے بہت سی عبرتیں ہیں اور ان کی یہ بستیاں لبِ سڑک واقع ہیں۔

اور احادیث میں حضرت نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے اس کام کی مذمت اور برائی اور اس کے بارے میں سخت قسم کی وعیدیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جس کو یہ کام کرتے ہوئے پاؤ، اس کو قتل کر دو۔ (۱)

اور ایک حدیث میں فرمایا کہ اس کام کے کرنے والے کو سنگ سار کر دو۔ (۲)

علامہ ذہبی رَحِمَهُ اللهُ نے اپنی کتاب "الکبائر" میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی مرد، مرد سے یہ حرکت کرتا ہے تو رحمٰن کا عرش اللہ کے غضب کے خوف سے کانپ اٹھتا ہے اور آسمان گرنے کے قریب ہو جاتے ہیں؛ پس اللہ کے فرشتے آسمان کے اطراف کو تھام لیتے ہیں اور سورۂ اخلاص پڑھنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ اللہ کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے!!! (۳)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ چار آدمی ہیں، جو اللہ کے غضب میں صبح کرتے اور اللہ کی ناراضی میں شام کرتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جو مرد عورتوں جیسا بنے، جو عورت مرد جیسی بنے، جو جانوروں سے بدفعلی کرے اور جو مردوں سے بدفعلی کرے۔ (۴)

پھر اس عملِ بد کے جو طبی نقصانات ہیں، وہ مزید؛ چناں چہ علمائے طب نے اس عملِ بد کے طبی نقصانات پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ

۱- اس کام کے ارتکاب کرنے والے عورت کے قابل نہیں رہتے اور عورت کے حق کا ادا کرنا ان کے بس کا نہیں ہوتا۔

۲- ایسے شخص کو مختلف قسم کے امراض لاحق ہوتے ہیں، جن میں سے ایک یہ کہ اس کے اعصاب کمزوری اور ضعف کا شکار ہو جاتے ہیں۔

---

(۱) کنز العمال: ۵/۴۷۰
(۲) حوالۂ سابق
(۳) کتاب الکبائر: ۵۷
(۴) الکبائر للذہبی: ۵۷

۴- اس کے اخلاق پر بھی اس بد عملی کا اثر مرتب ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ فحش و برائی کا عادی بن جاتا ہے۔

آج کی دنیا میں یہ برائی بھی عام ہے اور بعض ممالک میں اس بدکاری کو قانوناً جائز قرار دیا گیا ہے اور یہ قانون دراصل وہاں کے عوام کے مطالبے پر منظور کیا گیا ہے، جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ آج کس قسم کی ذہنیت پرورش پارہی ہے۔

انگلستان میں عوام کے مسلسل مطالبے اور ان مطالبات کی مختلف تنظیموں اور اداروں کی جانب سے پُر زور و پُر شور سفارشات کی بنا پر اس غیر فطری عمل کو قانونی جواز دینے کے لیے ایک بل، ۴؍ جولائی ۱۹۶۷ء کو "ہاؤس آف کامنس" نے ۱۴ مخالف اور ۶۹ موافق ووٹوں سے منظور کیا، اس کے بعد یہ بل، ہاؤس آف لارڈز میں گیا اور وہاں سے بھی منظوری کے بعد ملکہ معظّمہ کے دستخط ہو کر ۲۸؍ جولائی ۱۹۶۷ء سے قانون بن گیا۔ (۱)

اسی پر بس نہیں کہ اس خلافِ فطرت حرکت کو قانون بنا دیا گیا ہے؛ بل کہ بعض ملکوں میں مردوں کے آپس میں نکاح بھی ہو رہے ہیں۔ فریبِ تمدن کے مصنف نے لکھا ہے کہ

> ابھی حال کی خبر ہے کہ ہالینڈ کے مشہور شہر راٹرڈیم (ROTER-DEM) کے کیتھولک گرجا میں فلاں پادری صاحب نے پورے مسیحی قاعدے وضابطے کے مطابق ایک عقد (نکاح) پڑھا، فلاں صاحب اور فلاں صاحبہ کے درمیان نہیں؛ بل کہ فلاں صاحب اور فلاں صاحب زادے کے درمیان، شوہر فلاں مرد اور بیوی فلاں مرد اور جب کچھ لوگوں نے اونچے پادریوں کے سامنے احتجاج کیا، تو وہاں سے بھی احتجاج مسترد کر دیا گیا؛ اس عجیب و غریب عقد کے جوڑے کی تصویریں برطانیہ کے معروف و مقبول ہفتہ وار (نیوز آف دی ورلڈ) مؤرخہ ۹؍ جولائی ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی ہیں۔ (۲)

اسی طرح عورتوں کا عورتوں سے جنسی تسکین حاصل کرنا بھی بدترین فعل ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت واثلہ بن الاسقع ﷛ نے حضور ﷺ سے روایت کیا کہ

---

(۱) فریبِ تمدن، از اکرام اللہ، ایم-اے

(۲) فریبِ تمدن: ۲۴۰

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ عورتوں کا آپس میں ملنا، آپسی زنا کاری ہے۔(۱)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کا مرد سے بدفعلی کرنا تو قومِ لوط سے چلا آرہا ہے؛ مگر عورتوں کا عورتوں سے بدفعلی کرنا، اس اُمت کے منحوس لوگوں کی ایجاد ہے؛ چناں چہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قومِ لوط کی دس خصلتیں تھیں؛ پھر ان دس خصلتوں کو بیان کرتے ہوئے ایک ''لواطت'' کو بیان کیا ہے، پھر فرمایا کہ یہ امت ان دس پر ایک کا اضافہ کرے گی؛ یعنی عورتوں کا عورتوں سے بدفعلی کرنا۔(۲)

آج اس وبا کا دائرۂ اثر بھی پھیلتا جا رہا ہے؛ ''فریبِ تمدن'' کے مصنف اکرام اللہ، ایم-اے لکھتے ہیں:

''عورتوں میں استلذاذ بالمثل کا اضافہ نہ صرف امریکہ میں؛ بل کہ دنیا کے تمام دوسرے ملکوں میں برابر ہو رہا ہے، مشہور ماہرِ نفسیات ''ڈاکٹر چارلس موکر یڈس'' نے نیویارک میں منعقد ہونے والی ماہرینِ نفسیات کی انجمن کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ عورتوں کی خلافِ فطرت جنسی بدکاریوں کا مسئلہ دنیا بھر میں ایک نازک صورت اختیار کر گیا ہے اور اس کی شدت روز بہ روز بڑھتی جاتی ہے۔ ماہرین اور سوسائٹی نے اب تک عورتوں کے اس جنسی رجحان کو نظر انداز کیا ہے، یہاں تک کہ جن ملکوں میں مردوں کی خلافِ فطرت شہوانی زندگی پر قانونی پابندیاں لگائی گئی ہیں، وہاں بھی یہ قانون عورتوں کی باہمی بداعمالی پر نافذ نہیں ہوتا اور یہ عملِ شنیع برابر بڑھتا ہی جا رہا ہے، گو اس سلسلے میں صحیح اعداد و شمار دریافت نہیں ہو سکے ہیں، تاہم اندازہ یہ ہے کہ برطانیہ میں دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے مردوں کے خلافِ فطرت اعمال میں اضافہ ۶۰۰ / فیصدی کا ہو گیا ہے، اس کا ردِ عمل عورتوں پر ہونا ضروری تھا۔(۳)

غرض! یہ پانچ باتیں امت میں عام ہو جائیں، تو اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس پر ہلاکت و بربادی کی وعید سنائی ہے۔

---

(۱) شعب الایمان: ۳۷۶/۴، و ابویعلی: ۴۷۶/۱۳

(۲) الکبائر: ۵۶

(۳) فریبِ تمدن: ۲۳۹

الحدیث الشریف - ۲۵

«عَنْ أَنَسٍ ﷺ -مَرْفُوْعًا- يُمْسَخُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَيَشْهَدُوْنَ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَأَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ: نَعَمْ! وَيُصَلُّوْنَ وَيَصُوْمُوْنَ وَيَحُجُّوْنَ، قَالُوْا: فَمَابَالُهُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اِتَّخَذُوْا الْمَعَازِفَ وَالْقِيْنَاتِ وَالدُّفُوْفَ وَيَشْرَبُوْنَ هٰذِهِ الْأَشْرِبَةَ، فَبَاتُوْا عَلٰى لَهْوِهِمْ فَأَصْبَحُوْا قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ.» (رواہ سعید بن منصور،فتح الباری:۱۰/۹۴)

ترجمہ: حضرت انس ﷺ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آخری زمانے میں میری امت کے کچھ لوگ بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہوجائیں گے۔ صحابہ ﷺ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وہ توحید ورسالت کا اقرار کرتے ہوں گے؟ فرمایا: ہاں! وہ (برائے نام) نماز، وروزہ اور حج بھی کریں گے، صحابہ ﷺ نے عرض کیا یارسول اللہ! پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ فرمایا: وہ آلاتِ موسیقی، رقاصہ عورتوں اور طبلہ اور سارنگی وغیرہ کے رسیا ہوں گے اور شرابیں پیا کریں گے؛ (بالآخر) وہ رات بھر مصروفِ لہو ولعب رہیں گے اور صبح ہوگی، تو بندر اور خنزیروں کی شکل میں مسخ ہو چکے ہوں گے۔ (معاذ اللہ)

تخریج وشرح

اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے ابونعیمؒ نے حلیۃ الأولیاء: (۱۱۹/۳) میں اور ابن ابی الدنیاؒ نے کتاب الملاھي میں (کما فی نیل الاوطار: (۱۰۴/۲) وعون المعبود: (۱۱/ ۸۵) اور سعید بن منصورؒ نے السنن میں (کما في المحلیٰ لابن حزم الظاھري: (۹/ ۵۸) روایت کیا ہے اور سعید بن منصورؒ ہی نے حضرت انس ﷺ سے (کما في فتح الباري) بھی اس کی تخریج کی ہے۔ ابن حزم نے حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی حدیث کو ضعیف

قرار دیا ہے؛ کیوں کہ اس میں ایک راوی نا معلوم اور مجہول ہے؛ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ غیر معلوم شخص حضرت حسن بصریؒ ہیں، ابونعیمؒ نے حلية الأولياء میں اس حدیث کو حسان ابن أبي سنان عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، پھر کہا کہ اس کو حسان نے تو اسی طرح مرسلاً (منقطعاً) روایت کیا ہے اور دوسروں نے اس کو حسن عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ متصلاً روایت کیا ہے (حلية: ۱۲۰/۳) معلوم ہوا کہ سعید بن منصور کی روایت میں جو شخص غیر معلوم ہے، وہ دراصل یہی حضرت حسنؒ ہیں؛ لہٰذا یہ علت ختم ہوئی۔

اور اس کے ایک راوی سلیمان بن سالم بصری ہیں، جن کی کنیت ابوداؤد ہے، ان کے بارے میں امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ان کی متابعت نہیں کی جاتی اور ابن عدیؒ نے کہا کہ جتنی مقدار یہ روایت کرتے ہیں، اس میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں دیکھا اور ابوحاتمؒ نے ان کو "شیخ" کہا ہے (جو کہ الفاظِ توثیق میں سے ہے) (دیکھو: لسان الميزان: ۱۴۸/۴)، الكامل لابن عدي: ۲۷۰/۳)

اس سے معلوم ہوا کہ اس راوی کے بارے میں اختلاف ہے؛ لہٰذا یہ "حسن الحدیث" ہے اور ان سے اوپر کا سلسلۂ سند متعدد ہے اور سعید بن منصور کی سند کا آغاز انہی "سلیمان" سے ہوا ہے۔ پھر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جو کہ اس حدیث کی شاہد ہے اور اس شاہد کی وجہ سے یہ حدیث "حسن" ہوگی۔

ناچ گانے کی محفلیں بندروں اور خنزیروں کا مجمع

اس حدیث میں ان مسلمانوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو بہ ظاہر نمازی بھی ہوں گے، روزے کے پابند بھی ہوں گے اور حج پر حج بھی کریں گے؛ مگر اسی کے ساتھ گانے بجانے، ناچنے نچانے اور ڈھول باجے اور میوزک وموسیقی کے دل دادہ اور شراب کے عادی اور رَسیا ہوں گے؛ ان کو اللہ تعالیٰ خنزیر اور بندر کی شکل میں مسخ کردیں گے، یہ لوگ رات بھر مصروفِ لہو ولعب رہ کر سوئیں گے اور جو صبح اٹھیں گے، تو مسخ شدہ اٹھیں گے۔

اسلام میں گانا بجانا، رقص وناچ حرام ہے اور شراب کا حرام ہونا سب کو معلوم ہے، جب لوگ اس کے عادی ہوجائیں گے اور بہ ظاہر نماز، روزے کے پابند اور حج پر حج کر کے نیک نامی حاصل

ہونے کے باوجود، وہ ان برائیوں میں مبتلا ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کو خنزیر اور بندر کی شکل میں تبدیل کردیں گے۔

افسوس! آج بہت سے دین دار کہلانے والے اور نمازوں اور روزوں کے پابند اور حج پر حج کرنے والے اور عُمرے پر عُمرے کرنے والے لوگ بھی اپنے گھروں میں "ٹی۔وی" رکھ کر، اس کا استعمال گانے بجانے اور فلموں اور ناچ ورقص دیکھنے کے لیے کرتے ہیں اور تقریبوں میں بلا روک ٹوک یہ ساری برائیاں عام ہو چکی ہیں۔ اس طرح بہت سے نوجوانوں اور بوڑھوں میں شراب اور نشے کی علت پڑی ہوئی ہے اور بالخصوص کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے ہزاروں سے متجاوز نوجوان، اس کے عادی ہو چکے ہیں، جب کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور پر اتنی سخت وعید سنائی ہے۔

«عَنْ حُذَیْفَةَ ﷺ - رَفَعَهُ - إِذَا اسْتَحَلَّتْ هٰذِهِ الْأُمَّةُ الْخَمْرَ بِالنَّبِیْذِ ، وَالرِّبَا بِالْبَیْعِ وَالسُّحْتَ بِالْهَدِیَّةِ وَاتَّجَرُوْا بِالزَّکَاةِ ؛ فَعِنْدَ ذَالِکَ هَلَاکُهُمْ لِیَزْدَادُوْا إِثْمًا .»

ترجمہ: حضرت حذیفہ ﷺ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب امت شراب کو مشروب کے نام سے، سود کو منافع کے نام سے اور رشوت کو تحفے کے نام سے، حلال کرلے گی اور مالِ زکات سے تجارت کرنے لگے گی، تو یہ ان کی ہلاکت کا وقت ہوگا، گناہوں میں زیادتی اور ترقی کے سبب۔

تخریج و شرح

اس کو دیلمیؒ نے مسند الفردوس: (۱/۳۳۴) میں حضرت حذیفہ بن الیمان ﷺ سے روایت کیا ہے اور علامہ علی متقیؒ نے کنز العمال: (۳۱۳۱۱) میں انہی کے حوالے سے درج کیا ہے؛ نیز ذرا سے فرق کے ساتھ حضرت ابو دردا ﷺ سے بھی روایت کیا ہے، اس میں "واتجروا بالزکاۃ" کی جگہ "والبخس بالزکاۃ" آیا ہے اور آخر میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: "فإذا کان ذٰلک تکون عبادۃ اللّٰہ استطالۃ علی الناس" (جب ایسا ہوگا، تو اللہ کی عبادت کرنا لوگوں پر احسان سمجھا جائے گا) اور اس روایت میں یوں فرمایا ہے کہ "اس وقت امت کو ڈھیل دی جائے گی، تاکہ وہ گناہوں میں زیادتی کرلے"۔

غرض! پہلی حدیث کی شاہد، یہ دوسری حدیث ہے، جس سے ایک دوسرے کو قوت مل رہی ہے۔

حرام چیزوں میں خانہ ساز تاویلیں

حاصلِ مطلب یہ ہے کہ امت جب شراب کو نبیذ (یعنی شربت) کا نام دے کر اس کو حلال قرار دینے لگے کہ جیسے شربت حلال ہے، اسی طرح یہ بھی ایک شربت ہے اور سود کو تجارت کا نام

دے کراس کواختیار کر لے، جیسے کفارِعرب نے کہا تھا: "إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا" (یعنی تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے؟) ان کفار نے دونوں کوایک جیسا کہہ کر سودکوروا رکھا تھا؛ اسی طرح اس امت کے بعض لوگ بھی کریں گے اور رشوت جیسی ناپاک چیز کوتحفہ وہدیہ بول کر لینے لگے اور زکات کے مال کو، جوکہ صرف اور صرف غربا ومساکین کا حق ہے، تجارت میں لگا کر اپنی تجارت بڑھائے اور غربا کومحروم کردے، تواس وقت اس کی ہلاکت یقینی ہے۔

دیلمی کی دوسری روایت میں، جوحضرت ابودرداؓ سے آئی ہے، اس طرح فرمایا کہ "اس وقت امت کوڈھیل دی جائے گی، تاکہ وہ مزید گناہ کرے" اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد پھروہی ہلاکت ہے۔

زکاۃ سے تجارت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مال سے جوزکاۃ کی رقم نکال کرغربا ومساکین کودینا چاہیے تھا، اس کونکالے بغیراس سے اپنی تجارت قائم رکھی یاجاری کی جائے۔

"بیع العینہ" کی حرمت

اس حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ "سودکوتجارت کے نام سے حلال کرلیں گے" اس سے بعض فقہا نے "بیع العینہ" کی حرمت پراستدلال کیا ہے، "بیع العینہ" یہ ہے کہ مثلاً: ایک آدمی کوسو روپے کی ضرورت تھی، اس نے زید سے سوروپے قرض مانگے؛ مگرزید نے اس خیال سے کہ قرض دوں گا، تومجھے نفع کچھ نہ ملے گا، اس سے کہا کہ یہ کپڑا سوروپے قیمت کا ہے، اس کومیں تمہیں ایک سودس میں فروخت کرتا ہوں اورتم اس کوبازار میں سوروپے پرفروخت کرکے اپنی ضرورت میں خرچ کرواور جب واپس کرو، تواس کی قیمت ایک سودس مجھے دے دینا۔

اس بیع کے بارے میں بعض فقہا جواز کافتویٰ دیتے ہیں اور بعض نے اس کواسی قسم کی احادیث کی وجہ سے ناجائز کہا ہے، امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس بیع کے عدم جواز پراسی قسم کی احادیث سے استدلال کیا ہے۔[1] امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ اس بیع کوناجائز فرماتے ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ پہاڑ کے برابر بدترین (یعنی بڑا) گناہ ہے، جس کوسودخورلوگوں نے ایجاد کیا ہے۔[2]

---

(۱) الموسوعة الفقهية: ۹/۹٦،شامي: ۵۴۲/۷

(۲) حاشية ابن القيم۹/۲۴۷وبعده

«عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ غَنَمٍ الْأَشْعَرِي ﷺ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُوْ عَامِرٍ أَوْ أَبُوْ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيّ رضی اللہ عنہما، وَاللّٰهِ مَاكَذَبَنِي سَمِعَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: لَيَكُوْنَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَّ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ، وَلَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلٰى جَنْبِ عَلَمٍ تَرُوْحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ يَأْتِيْهِمْ ؛ يَعْنِي: الْفَقِيْرَ لِحَاجَةٍ، فَيَقُوْلُوْنَ: ارْجِعْ إِلَيْنَا غَدًا فَيُبَيِّتُهُمُ اللّٰهُ وَيَضَعُ الْعَلَمَ وَيَمْسَخُ اٰخَرِيْنَ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.»

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن غنم اشعری ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابو عامر یا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: بہ خدا انھوں نے غلط بیانی نہیں کی کہ انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یقیناً میری امت کے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے، جوزنا، ریشم، شراب اور آلاتِ موسیقی کو (خوش نما تعبیروں سے) حلال کرلیں گے اور کچھ لوگ ایک پہاڑ کے قریب اقامت کریں گے، وہاں ان کے مویشی چر کر آیا کریں گے، ان کے پاس کوئی حاجت مند اپنی ضرورت لے کر آئے گا، وہ (از راہِ حقارت) کہیں گے، کل آنا، پس اللہ تعالیٰ ان پر راتوں رات عذاب نازل کرے گا اور پہاڑ کو ان پر گرادے گا اور دوسرے لوگوں کو (جو حرام چیزوں میں خوش نما تاویلیں کریں گے) قیامت تک کے لیے بندر اور خنزیر بنادے گا۔ (معاذاللہ)

تخریج وشرح

اس کو امام بخاریؒ نے صحیح میں کتاب الأشربة: باب ماجاء (۵۵۹۰) فیمن یستحل الخمر میں، ابوداودؒ نے السنن: (۴۰۳۹)، ابن حبانؒ نے صحیح: (۱۵/۱۶۰) بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ: (۲۰۹۸۸) طبرانیؒ نے مسند الشامیین: (۱/۳۳۴) اور المعجم الکبیر: (۳/۳۱۹) میں اور ابوالقاسم تمامؒ نے مسند المقلین: (۱/۳۴) میں اور محاملیؒ نے

الأمالي: ۱/۱۰۱) میں اور ابن ابی شیبہؒ نے مصنف ابن أبي شيبة :(۳۸۷۰۰) میں روایت کیا ہے۔ اور حدیث کا صحیح ہونا امام بخاریؒ کی تخریج سے ظاہر ہے؛ مگر ابن حزم نے بخاری کی سند کو منقطع قرار دیا ہے، المحلّٰی: (۵۹:۹) لیکن یہ دراصل ابن حزم کی غلط فہمی ہے؛ اسی لیے ابن حجرؒ نے ان کی تردید کی ہے اور اس سند کا متصل ہونا ثابت کیا ہے۔ (دیکھو: فتح الباري:۱۰/۵۲)

بدکاری اور بے حیائی کا نام ثقافت اور فنونِ لطیفہ

اس حدیث میں بھی گذشتہ دو حدیثوں کی طرح امت کے ان افراد کا ذکر ہے، جو حرام چیزوں کو حلال سمجھ کر یا حلال کی طرح استعمال کریں گے اور آخر کار خدا کی پھٹکار و عذاب میں گرفتار ہوں گے اور ان کو بندر اور خنزیر کی صورت میں مسخ کر دیا جائے گا۔ (اللّٰھم احفظنا من عذابک و غضبک)

چناں چہ فرمایا کہ ”میری امت کے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے، جو زنا، ریشم شراب اور آلاتِ موسیقی (گانے بجانے کے آلات) کو حلال کرلیں گے، بعض روایات میں ہے کہ ان چیزوں کا نام بدل کر حلال کرلیں گے، جیسا کہ اس سے ماقبل کی حدیث میں گذرا اور ابنِ حبان اور محاملی رحمہما اللہ وغیرہ کی روایت میں اس حدیث کے اندر اس طرح فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ ان چیزوں کو دوسرا نام دے کر حلال کرلیں گے۔

حلال کر لینے کے دو معنے ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ ان حرام چیزوں کو عقیدے میں حلال سمجھ لیا جائے اور یہ کفر ہے اور دوسرا: یہ معنیٰ ہوسکتا ہے کہ حرام کو حلال تو نہیں سمجھیں گے؛ لیکن جس طرح حلال چیزوں کو بلا کھٹک استعمال کیا جاتا ہے، حرام کو بھی اسی طرح بلا کھٹک اور بلا جھجک استعمال کرلیں گے۔ پہلا معنیٰ حقیقی ہے اور دوسرا معنیٰ مجازی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ مناوی رحمہما اللہ نے ابن العربي رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ دونوں معنے بیان کیے ہیں۔ (۱)

غرض یہ کہ حلال سمجھ کر یا حلال چیزوں کی طرح حرام کا استعمال کریں گے۔ آج امت میں ایسی بہت سی باتیں پیدا ہوگئی ہیں: سود، رشوت، گانا بجانا، وغیرہ کہ بعض لوگ تو اس پر علما سے بحث بھی کرتے ہیں کہ یہ حرام کیوں ہیں؟ حلال ہونا چاہیے، بعض اس سے بھی آگے بڑھ کر ان کے حلال ہونے کا فتویٰ ہی صادر کر دیتے ہیں اور بعض جو محتاط ہیں، وہ حلال تو نہیں کہتے، مگر اس طرح ان

---

(۱) فتح الباری:۱۰/۵۵، فیض القدیر:۴/۱۲۸

چیزوں کا استعمال کرتے ہیں، گویا کہ وہ حلال ہیں۔ خصوصاً گانے بجانے کا سلسلہ ہر ہر گھر میں موجود ہے اوران لوگوں کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کو حلال کی طرح استعمال کرتے ہیں۔

فقیروں کو دھتکارنے کی سزا

آگے فرمایا کہ ''کچھ لوگ ایک پہاڑ کے قریب ٹھہریں گے، وہاں ان کے مویشی چر کر آیا کریں گے، ان کے پاس کوئی فقیر اپنی حاجت وضرورت لے کر آئے گا، تو وہ (ٹالنے یا ازراہِ حقارت) کہیں گے کہ کل آنا، اس کی وجہ سے ان پر راتوں رات عذاب نازل ہوگا اور ان پر پہاڑ گرا دیا جائے گا''۔ اس میں ان لوگوں پر وعید شدید ہے، جو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اللہ کے بندوں سے روکتے اور محتاجوں اور فقیروں کو ٹالتے ہیں یا ان کی تحقیر کرتے ہیں۔

بندر اور خنزیر بنا دیے جائیں گے

پھر فرمایا کہ'' اور دوسروں کو (یعنی جو بچ جائیں ان کو) قیامت تک کے لیے بندر اور خنزیر بنادے گا''۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت پر محمول ہے، جس طرح پچھلی امتوں پر اللہ کا عذاب آیا تھا اور خنزیر و بندر کی صورتوں میں لوگوں کو مسخ کر دیا تھا؛ اسی طرح اس امت میں بھی ایسا ہوگا اور بعض نے فرمایا کہ ''یہ مجازاً کہا گیا ہے''؛ یعنی صورتیں تو مسخ نہ ہوں گی؛ البتہ دل مسخ ہو جائیں گے اور خنزیر اور بندر کی سی صفات اور خصوصیات ان میں پیدا ہو جائیں گی۔ (۱)

علامہ مناوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے فرمایا کہ

> بعض لوگ درندوں کے اخلاق پر ہوں گے، بعض لوگ کتوں اور خنزیر اور گدھے کے اخلاق پر ہوں گے، بعض مور کی طرح اپنے کپڑوں میں اپنے کو سنوارنے بنانے میں ہوں گے اور بعض گدھے کی طرح بلید و بے وقوف ہوں گے وغیرہ۔ (۲)

غرض یہ کہ جو لوگ اللہ کے دین میں تحریف کرتے اور حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی صورتوں کو یا ان کے دلوں کو مسخ کر دے گا کہ ان لوگوں نے اللہ کے دین میں تحریف وتبدیلی کی ہے، تو اللہ تعالیٰ ان کی صورتوں کو بدل دیں گے، اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

---

(۱) فتح الباري: ۱۰/۵۶، عون المعبود: ۱۱/۸۵، فيض القدير: ۴/۱۲۸

(۲) فيض القدير: ۴/۱۲۸

«عَنِ ابْنِ عُمَرَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُّهْلِكَ عَبْداً نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ، فَإِذَا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مَقِيْتًا مُمَقَّتاً، فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مَقِيْتًا مُمَقَّتًا نُزِعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةُ، فَإِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا ، فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ ، فَإِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيْمًا مُلَعَّنًا، فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيْمًا مُلَعَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ رِبْقَةُ الْإِسْلَامِ . »

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کی ہلاکت کا فیصلہ فرماتے ہیں، تو (سب سے پہلے) اس سے شرم وحیا چھین لیتے ہیں اور جب اس سے حیا جاتی رہی، تو تم (اس کی بے حیائیوں کی وجہ سے) اسے شدید مبغوض اور قابلِ نفرت پاؤ گے اور جب اس کی یہ حالت ہو جائے، تو اس سے امانت (بھی) چھین لی جاتی ہے اور جب اس سے امانت چھن جائے، تو تم (اس کی بددیانتی کی وجہ سے) اسے نرا خائن اور دھوکے باز پاؤ گے اور جب اس کی حالت یہاں تک پہنچ جائے، تو اس سے رحمت بھی چھین لی جاتی ہے اور جب رحمت چھن جائے، تو تم اسے (بے رحمی کی وجہ سے) مردود و معلون پاؤ گے اور جب وہ اس مقام پر پہنچ جائے، تو اس سے اسلام کا پٹہ نکال لیا جاتا ہے۔ (اور اسے اسلام سے عار آنے لگتی ہے) (معاذ اللّٰہ۔)

تخریج و شرح

اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے السنن میں بہ رقم: (۴۰۵۴، باب ذھاب الأمانة) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابنِ رجب حنبلیؒ نے (جامع العلوم والحکم: ۲/۵۹۵) میں

فرمایا کہ "حمید بن زنجویہ" نے اس کو کتاب الأدب میں حضرت عبداللہ بن عمرو اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ابونعیمؒ نے حلیۃ الاولیاء: (۱/۲۰۴) میں اور حکیم ترمذیؒ نے نوادر الأصول: (۴/۹۸) میں ذکر کی ہے۔

اور یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف ہے، مصباح الزجاجة شرح ابن ماجة میں ہے کہ "سعید بن سنان" کے ضعف کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔ (۴/۱۴۴) اور ابونعیمؒ نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے۔ (حلیة الأولیاء: ۱/۲۰۴)

سعید بن سنان کو اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، بخاریؒ نے "منکر الحدیث"، نسائیؒ وعلی ابن المدینیؒ نے "متروک"، احمد نے "ضعیف"، یحییٰ بن معینؒ نے "لیس بشیئ" اور دار قطنیؒ نے "متهم بالوضع" کہا ہے؛ البتہ ابن عدیؒ نے کہا کہ "یہ شام کے صالح اور افضل لوگوں میں سے ہیں" اور صدق بن خالد نے بھی ان کو "ثقہ" کہا ہے۔ ضعفاء عقیلي: ۲/۱۰۷، الکامل ابن عدي: ۳/۳۵۹، التهذیب: (۲/۲۵) اور منذریؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو الترغیب: (۴۰۲۲) میں بہ صیغۂ رُوِيَ روایت کیا ہے، جو ان کے نزدیک ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ (کما قال المنذري في مقدمة کتابه: (۲۴)

بے حیائی کا انجامِ بد

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آدمی کس قدر یکے بعد دیگرے برائیوں میں مبتلا ہوتا اور آخر کار اسلام ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے؛ پہلے اس سے حیا جاتی رہتی ہے اور حیا کا جانا انسان کو ہر قسم کی ذلیل وقبیح حرکت پر آمادہ کردیتا ہے اور وہ لوگوں کی نظر میں مبغوض ہوجاتا ہے؛ پھر اس کے اندر سے امانت چھین لی جاتی ہے، پھر وہ لوگوں کا مال ہڑپنا اور کھانا شروع کردیتا ہے اور کسی کام کو بھی امانت داری سے نہیں کرتا یہاں تک کہ اس کے اندر سے رحم وکرم، شفقت ومہربانی کا عنصر بھی نکال لیا جاتا ہے اور وہ ظلم وزیادتی کو پیشہ بنالیتا ہے؛ حتی کہ وہ لوگوں کی لعنت میں پڑجاتا ہے، پھر آخر کار، اس سے اسلام کا پٹہ بھی نکال لیا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلی چیز، جس سے آدمی ہلاکت میں پڑتا ہے، وہ "بے حیائی"

ہے۔ افسوس کہ آج بے حیائی عام سے عام تر ہوتی جارہی ہے، گھروں میں عریاں تصاویر، فحش رسائل، گندے ناول اور اس کے ساتھ ٹی۔ وی کے فحش پروگرام عام ہو چکے ہیں، بچوں تک کے اندر ان کے جراثیم منتقل ہو چکے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ تمام انبیا کا یہ قول ہے کہ ''إذا لم تَسْتَحْيِ فَافْعَلْ مَاشِئْتَ'' (کہ اگر تجھے حیا نہ ہو، تو جو چاہے کر)[1]

اس لیے سب سے پہلے اس بے حیائی پر قدغن (روک) لگانے کی ضرورت ہے؛ نیز معلوم ہوا کہ ایک برائی دوسری برائی کا ذریعہ وسبب بن جاتی ہے اور رفتہ رفتہ انسان ایمان واسلام ہی سے محروم ہو جاتا ہے۔

اور ان تین باتوں میں ربط یہ ہے کہ حیا کی وجہ سے انسان دوسروں کی پاس داری اور ان کے حقوق کی رعایت کرتا ہے اور اگر حیا نہ ہو، تو جیسے وہ اپنی ذات کے حقوق ادا نہیں کرتا، اسی طرح دوسروں کے حقوق کا لحاظ بھی نہیں کرتا اور دوسروں کے حقوق کی پاس داری اور ادائیگی ہی کا نام ''امانت'' ہے اور ان کے حقوق کو ضائع کرنے ہی کا نام ''امانت میں خیانت'' ہے۔ معلوم ہوا کہ حیا سے امانت قائم رہتی ہے اور اس کے فوت ہو جانے سے امانت بھی فوت ہو جاتی ہے اور جب امانت ضائع ہوتی ہے، تو آدمی کے اندر اولاً بے حسی، پھر سخت دلی پیدا ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ حقوق کو ضائع کرتے کرتے، وہ اس کا عادی بن جاتا ہے اور آخر الامر اس کا دل اتنا سخت اور قسی ہو جاتا ہے کہ اس کو لوگوں کے حقوق کو ضائع کرنے میں مزہ آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امانت کا رخصت ہو جانا، قساوتِ قلبی پر منتج ہوتا ہے۔ اسی بات کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔ (واللہ أعلم)

---

(۱) البخاري: ۳۴۸۳، أبو داؤد ۴۷۹۷

«عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ﷺ -مَرْفُوْعاً-: إِنَّ اَوَّلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ خِيَارُهُمْ، وَاٰخِرَهَا شِرَارُهُمْ مُخْتَلِفِيْنَ مُتَفَرِّقِيْنَ؛ فَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهٗ وَهُوَ يَأْتِي النَّاسَ مَايُحِبُّ أَنْ يُؤْتٰى إِلَيْهِ.»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اس امت کا اول حصہ بہترین لوگوں کا ہے اور پچھلا حصہ بدترین لوگوں کا ہوگا، جن کے درمیان باہمی اختلاف وانتشار کارفرما ہوگا؛ پس جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اس کی موت اس حالت پر آنی چاہیے کہ وہ لوگوں سے وہی سلوک کرتا ہو، جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو ابن مسعود ﷺ سے طبرانی نے المعجم الکبیر: (۱۰/ ۲۶۷) میں اور دیلمی نے مسند الفردوس: (۱/ ۳۷) میں روایت کیا ہے اور علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں فرمایا کہ ''اس کی سند میں ایک روای ''مفضل بن معروف'' ہے، جس کو میں نہیں جانتا اور باقی راوی ثقہ ہیں''مجمع الزوائد: (۸/۳۳۶) اور اس کا آخری حصہ ایک دوسرے سیاق سے مسلم وغیرہ میں بھی آیا ہے؛ چناں چہ صحیح للمسلم: (۴۷۷۶)، طبراني في الاوسط: (۵/۸۴)، سنن النسائي: (۴۱۹۶) ابن ماجة: (۳۹۵۶)، مسند أحمد: (۶۸۰۷) صحیح لابن حبان: (۱۳/ ۲۹۵)، أبوعوانة: (۴/۴۱۳)، میں دیکھا جاسکتا ہے۔

انتباہ!

ہمارے مصنف علام رحمہ اللہ نے ''کنز العمال'' کے حوالے سے اس حدیث کو ابن حبان

کی طرف منسوب کیا ہے اور ”کنز العمال“ میں بھی اس پر ”حب“ یعنی ابن حبان کا رمز واشارہ لگا ہوا ہے؛ مگر مجھے ابن حبان میں باوجود تلاشِ بسیار، یہ حدیث نہیں ملی، صرف ” طبراني و دیلمي“ میں ملی جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ پھر سیوطی رحمۃ اللہ کی الجامع الصغیر دیکھی، تو اس میں بھی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے اس حدیث پر ”طب“ یعنی طبرانی کی المعجم الکبیر کا اشارہ دیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کنز العمال میں غلطی سے ”طب“ کو ”حب“ لکھ دیا گیا ہے۔ (واللہ أعلم)

آخری دور میں اختلافات کی بھرمار

اس میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو یہ بتایا کہ اس امت کا اول طبقہ بہترین لوگوں کا ہے۔ مراد اس سے صحابہؓ و تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ ہیں؛ پھر اس کے بعد امت میں زوال آتا رہا حتی کہ آخری دور ایسا آئے گا کہ اس میں امت کا آخری طبقہ آئے گا، جو بدترین لوگوں کا ہوگا، جن میں آپسی رسہ کشی اختلاف وانتشار ہوگا جیسا کہ آج امت میں دیکھنے کو ملتا ہے کہ ہر گروہ، دوسرے کا مخالف؛ بل کہ ہر فرد دوسرے کا مخالف ہے۔

اختلاف کو دور کرنے کا طریقہ

اس کے بعد اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو آدمی اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کی موت اس حالت میں آنا چاہیے کہ وہ لوگوں سے وہی سلوک کرتا ہو، جسے وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے“۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ شرح المسلم میں فرماتے ہیں کہ

> یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم اور بدائع الحکم میں سے ہے (یعنی مختصر سے الفاظ میں بہت کچھ اور عجیب بات فرمادی ہے) اور یہ ایک اہم اصول ہے، جس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ انسان اہتمام والتزام کرے کہ لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کرے، جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔(۱)

---

(۱) شرح المسلم: ۱۲/۲۳۳

اس میں آپسی اختلاف ومخالفت اور تردید وانکار کی مذموم وخطرناک بیماری کا علاج بتایا ہے کہ جو چیز اور جو بات اپنے لیے پسند کرتے ہو، وہی دوسرے لوگوں کے لیے بھی پسند کرو، تو ان سب اختلافات وتنازعات کا علاج ہو جائے۔ مثلاً: آدمی چاہتا ہے کہ لوگ میری تعظیم کریں، توہین نہ کریں، مجھے چاہیں اور میری مانیں، اب مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ دوسروں کے لیے بھی یہی چاہے اور وہ خود دوسرے لوگوں سے ایسا ہی سلوک کرے، جیسا اپنے لیے چاہتا ہے۔ اب عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ آدمی اپنی عزت تو کرانا چاہتا ہے، مگر وہ خود دوسروں کی عزت نہیں کرتا، وہ اپنی منوانا چاہتا ہے، مگر وہ خود کبھی دوسروں کی نہیں مانتا، جس کی وجہ سے شر وفساد بڑھتا ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بہترین علاج بتا دیا ہے۔

اگر آج مختلف طبقات اور افراد اپنی انانیت کو چھوڑ کر، اس پر عمل پیرا ہو جائیں، تو خدا کی قسم تمام تنازعات واختلافات کا سدِ باب ہو جائے۔

آج لوگ ایک طرف تو اتحاد کا نعرہ لگاتے ہیں اور امت کو متحد ہونے کی دعوت دیتے ہیں، مگر حال یہ ہے کہ نہ کسی پر الزام تراشی سے باز آتے ہیں اور نہ دوسروں کے لیے وہ پسند کرتے ہیں، جو خود کے لیے تجویز کرتے ہیں، پھر اختلاف کہاں ختم ہوگا اور اتحاد کیسے پیدا ہوگا؟

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا عَظَّمَتْ أُمَّتِي الدُّنْيَا، نُزِعَتْ مِنْهَا هَيْبَةُ الْإِسْلَامِ؛ وَ إِذَا تَرَكَتِ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ، حُرِمَتْ بَرَكَةَ الْوَحْيِ؛ وَ إِذَا تَسَابَّتْ أُمَّتِي سَقَطَتْ مِنْ عَيْنِ اللّٰهِ.»

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی، تو اسلام کی ہیبت و وقعت اس کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ بیٹھے گی، تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی، تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔

تخریج و شرح

اس حدیث کی حکیم ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہ ﷺ سے نوادر الأصول في أحاديث الرسول: (۴/۲۳۳)، میں تخریج کی ہے اور ابن ابی الدنیاؒ نے اس کو حضرت فضیل بن عیاضؒ سے متصلاً روایت کیا ہے۔ قاله في فيض القدير: ۱/۴۰۴، و کشف الخفاء: (۱/۱۲۵) امام سیوطیؒ نے حکیم ترمذیؒ کے حوالے سے نقل کر کے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (الجامع الصغير: ۷۶۰)

جلالِ اسلام سے محرومی

۱- اس حدیث میں تین جرم اور ان کی تین سزائیں بیان کی گئی ہیں: ایک یہ کہ امت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے اور مال و دولت اس کی نظر میں شرافت و عظمت کی دلیل ہو جائے، تو اسلام کی ہیبت و وقعت اس سے نکال لی جائے گی۔

حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

"اسلام کی اولین شرط یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ کے حوالے کریں اور نفس کو اللہ کے

حوالے کرنا اور اللہ کے لیے قربان کرنا، عبادت ہے؛ اگر کوئی اس کے بہ جائے اللہ کی نظر میں حقیر چیز کو عظیم اور بڑا سمجھے، تو عبودیت ختم ہوگئی اور وہ اپنے نفس کو اللہ کے لیے قربان کرنے پر قادر نہ ہوگا۔ جب دل میں یہ جذبہ ہونے کی وجہ سے باطن فاسد ہوگیا، تو ہیبت و وقعت جاتی رہے گی؛ کیوں کہ جب کوئی دنیا کو عظمت کی نگاہ سے دیکھے گا، تو لامحالہ اللہ کے حقوق پر دنیا کو ترجیح دے گا؛ کیوں کہ اللہ کے حقوق کی عظمت اور دنیا کی عظمت دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔ ہاں! جو اپنے نفس کو اللہ کے حوالے کردے اور اس کو اللہ کی طرف متوجہ کردے اور قربان کردے، تو وہ اللہ کے بندوں میں سے ہوجاتا ہے اور اس کے خاص غلاموں اور مقربوں میں سے ہوجاتا ہے اور اس پر رعب و ہیبت اور جلال نمایاں ہوتا ہے، جیسے کوئی بادشاہ کا غلامِ خاص ہو، تو بادشاہ کے غلام ہونے کی وجہ سے اس کو ایک وقعت اور ہیبت حاصل ہوتی ہے، اسی طرح اللہ کے بندوں پر طلاوت وحلاوت وعلاحت اور مہابت نمایاں ہوتی ہے؛ پس جب وہ اس کو چھوڑ کر دنیا کو عظیم خیال کرنے لگیں، تو ان کی ہیبت ختم ہوجاتی ہے؛ کیوں کہ وہ اب بادشاہ کا غلام نہیں رہا؛ بل کہ وہ اپنے نفس اور خواہشِ دنیا اور شہوات اور اپنی سلطانی کا غلام ہوگیا"۔ (۱)

حاصل یہ کہ جب اللہ کو چھوڑ کر اُمت مال و دولت کی پُجاری بن جائے اور دنیا کو عظیم چیز خیال کرنے لگے، تو اس پر سے اسلام کا رعب وجلال نکال لیا جائے گا؛ کیوں کہ دنیا جیسی حقیر وذلیل چیز کو عظیم واعلیٰ سمجھنے کی بنا پر، وہ اب اللہ کی مقرب ومحبوب نہیں رہی، رعب تو اس کو ملتا ہے، جو بادشاہ کا غلام ہو اور اس کا مقرب ہو اور یہ بات بادشاہ کو عظیم اور اس کی ساری دولت کو اس کے بالمقابل حقیر سمجھنے اور بادشاہ کے سامنے ہر چیز کو نا قابلِ التفات خیال کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور جب اس امت نے اس کے برعکس دنیا کو عظیم سمجھا، تو گویا اس نے اللہ کی توہین کی؛ اس لیے وہ اب اللہ کی مقرب نہیں رہی اور اس لیے اس کو اس کی سزا یہ دی جاتی ہے کہ وہ لوگوں کی نظر میں ذلیل وحقیر کردی جاتی ہے اور کسی عظمت وعزت کی مستحق نہیں رہتی۔

(۱) نوادر الاصول: ۲۳۲/۴

مسلمانو! آج کے حالات پر غور کرو کہ کیا آج امت کا بیشتر طبقہ، مال و دولت کی عزت و تعظیم نہیں کر رہا ہے؟ اور اس کو عزت و ذلت کا معیار بنایا ہوا نہیں ہے؟ اور کیا دنیا کے عہدے اور مناصب اور دنیا کی ڈگریاں اس کی نظر میں عظیم بنی ہوئی نہیں ہیں؟ اور اس پر لوگوں کی ذلت عزت کو پرکھا نہیں جا رہا ہے؟ اور بالکل کافرانہ و فاسقانہ روش کے مطابق، صبح سے شام اور شام سے صبح تک دنیا کی تحصیل اور مال و دولت کے جمع کرنے اور من مانی خواہشات کے پورا کرنے میں امت کا بہت بڑا طبقہ لگا ہوا نہیں ہے؟ حتی کہ نماز جیسی اہم چیز ان کو قطعاً یاد نہیں ہے اور یاد ہے، تو اس کی کوئی پرواہ نہیں؛ پھر اس پر بھی غور کرو کہ آج امت کی کوئی حیثیت و وقعت، ہیبت و عزت لوگوں کی نگاہ میں باقی ہے؟ جب لوگوں نے دنیا جیسی حقیر چیز کو بڑا سمجھ لیا، تو اللہ نے دنیا والوں کی نگاہ میں ان کو حقیر و ذلیل بنا دیا؛ یہی حاصل ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا۔

برکتِ وحی سے محرومی

۲- دوسری بات یہ کہ امت اگر ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' چھوڑ دے گی، تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی۔

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' وہ عظیم کام ہے، جو حضراتِ انبیا کو بہ طورِ منصب کے عطا فرمایا گیا، اس پر دین و شریعت کے بقا و تحفظ کا مدار ہے؛ ''امر بالمعروف'' سے دین کے اوامر و احکام اور دین کے کمالات و خوبیاں دنیا میں ظاہر ہوتے اور باقی رہتے ہیں اور ''نہی عن المنکر'' سے دین اور دینی معاشرہ، برائیوں اور رذائل سے پاک رہتا ہے، تحریف و تبدیل، حذف و اضافہ، ایجاد و اختراع سے محفوظ رہتا ہے اور ان کے ترک کرنے سے نہ دین کا تحفظ ہو سکتا ہے اور نہ اس کی خوبیاں لوگوں کے سامنے آ سکتی ہیں؛ لہٰذا جب ''امر و نہی'' کا سلسلہ بند ہوگا، تو دین کی بصیرت اور قلب کا نور ختم ہو جاتا ہے، حق و باطل کی تمیز اُٹھ جاتی ہے، حتی کہ معاشرے میں ایمان و کفر کا، سنت و بدعت کا، حق و باطل کا فرق باقی نہیں رہتا؛ جب ایسا ہوگا، تو کیا ہوگا؟

حکیم ترمذیؒ فرماتے ہیں:

"قرآن و وحی الٰہی کو پڑھنے کے باوجود، اس میں سے کوئی بات اس کے کانوں میں اترے گی نہیں اور وہ اس کے فہم سے محروم ہو جائے گا؛ حالاں کہ وہ لغت کو خوب جانتا ہوگا اور تفسیر سے اچھی طرح واقف ہوگا اور وہ اس کلام کے لطائف و معنی وعد و وعید اور اس کی امثال سے اندھا ہوگا، یہی وحی کی برکات ہیں، جس سے وہ محروم ہوگا۔(۱)

غرض! وحی کی یہ برکتیں کہ قرآن سمجھا جائے، اس سے نصیحت لی جائے، وعدۂ خداوندی پر خوشی اور وعید ربانی پر ڈر وخوف پیدا ہو، اس زمانے کے لوگوں کو حاصل نہ ہوں گی؛ بل کہ وہ ان سے محروم ہوں گے۔

گالی گلوج خدا کی نظر سے گرنے کا سبب

۳- اور آخری بات یہ فرمائی کہ "امت جب آپس میں گالی گلوج کرے، تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی"۔ کیوں کہ یہ گالی گلوج دراصل کبر اور مسلمانوں کی حقارت اور حسد و بغض اور دنیوی اُمور میں ایک دوسرے کی ریس (Race) کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ باتیں وہ ہیں، جن سے آدمی اللہ کی نگاہ سے گر جاتا ہے اور جو اللہ کی نگاہ سے گر جائے، وہ اللہ کی حفاظت و نگرانی سے نکل جاتا ہے، جس سے اس پر دین و دنیا کے فتنے اور حوادث پیش آتے ہیں؛ کیوں کہ اللہ کی نگاہ اور اس کی حفاظت کے زائل ہونے سے اس کی عظمت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کسی بڑے گڑھے میں گر جاتا ہے۔(۲)

افسوس! آج امت میں یہ فتنہ بھی ظاہر ہو چکا ہے اور ایک دوسرے کے خلاف گالی گلوج کا بازار گرم نظر آتا ہے، جس سے وہ اللہ کی نگاہوں سے گر چکی ہے۔

اے اللہ! تو ہی اس کا علاج فرما اور امت کو اس کی عظمتِ رفتہ عطا فرما۔

---

(۱) نوادر الاصول: ۲۳۵/۴

(۲) نوادر الاصول: ۲۳۵/۴

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضي الله عنه قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَأَعْلَامِهَا فَقَالَ: يَاابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ لِلسَّاعَةِ أَعْلَاماً وَإِنَّ لِلسَّاعَةِ أَشْرَاطاً: أَنْ يَكُوْنَ الْوَلَدُ غَيْظاً، وَأَنْ يَكُوْنَ الْمَطَرُ قَيْضاً، وَأَنْ يَفِيْضَ الْأَشْرَارُ فَيْضاً؛ يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ مِنْ أَعْلَامِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا: أَنْ يُصَدَّقَ الْكَاذِبُ وَأَنْ يُكَذَّبَ الصَّادِقُ، يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ مِنْ أَعْلَامِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا: أَنْ يُؤْتَمَنَ الْخَائِنُ وَأَنْ يُخَوَّنَ الْأَمِيْنُ؛ يَاابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ مِنْ أَعْلَامِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا: أَنْ يُوَاصَلَ الْأَطْبَاقُ، وَأَنْ يُقَاطَعَ الْأَرْحَامُ؛ يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ مِنْ أَعْلَامِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا أَنْ يُسَوِّدَ كُلَّ قَبِيْلَةٍ مُنَافِقُوْهَا وَكُلَّ سُوْقٍ فُجَّارُهَا؛ يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ مِنْ أَعْلَامِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا: أَنْ يَكُوْنَ الْمُؤْمِنُ فِي الْقَبِيْلَةِ أَذَلَّ مِنَ النَّقَدِ؛ يَاابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ مِنْ أَعْلَامِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا: أَنْ تُزَخْرَفَ الْمَحَارِيْبُ وَتُخَرَّبَ الْقُلُوْبُ؛ يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ مِنْ أَعْلَامِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا: أَنْ يَكْتَفِيَ الرِّجَالُ بِالرِّجَالِ وَالنِّسَاءُ بِالنِّسَاءِ؛ يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ مِنْ أَعلامِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا: أَنْ يُكَثَّفَ الْمَسَاجِدُ وَتَعلُوْ الْمَنَابِرُ؛ يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ مِنْ أَعْلَامِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا: أَنْ يُعْمَرَ خَرَابُ الدُّنْيَا وَيُخَرَّبَ عُمْرَانُهَا؛ يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ مِنْ أَعْلَامِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا: أَنْ تَظْهَرَ الْمَعَازِفُ وَشُرْبُ الْخُمُوْرِ؛ يَاابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ مِنْ أَعْلَامِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا: أَنْ تُشْرَبَ الْخُمُوْرُ؛ يَاابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ مِنْ أَعْلَامِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا: أَنْ تَكْثُرَ الشُّرْطُ وَالْهَمَّازُوْنَ وَالْغَمَّازُوْنَ وَاللَّمَّازُوْنَ؛ يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ! إِنَّ مِنْ أَعْلَامِ السَّاعَةِ وَأَشْرَاطِهَا: أَنْ تَكْثُرَ أَوْلَادُ الزِّنَا.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

قیامت کے آثاروعلامات کے بارے میں دریافت کیا،تو فرمایا:

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے کچھ آثار ہیں،وہ یہ کہ اولاد(نافرمانی کے سبب)غم وغصے کا باعث ہوگی،بارش کے باوجود گرمی ہوگی اور بدکاروں اور شریروں کا طوفان برپا ہوگا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثاروعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ جھوٹے کوسچا اور سچے کوجھوٹا سمجھا جائے گا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثاروعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ خائن کوامین اور امین خائن بتلایا جائے گا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثاروعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ بیگانوں سے تعلق جوڑا جائے گا اور یگانوں سے توڑا جائے گا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثاروعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ ہر قبیلے کی قیادت، اس کے منافقوں کے ہاتھوں میں ہوگی اور ہر بازار کی قیادت اس کے بدکاروں کے ہاتھ میں۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثاروعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ مؤمن اپنے قبیلے میں بھیڑ،بکری سے زیادہ حقیر سمجھا جائے گا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثاروعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ محرابیں سجائی جائیں گی اور دل ویران ہوں گے۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثاروعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے جنسی لذت حاصل کریں گے۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثاروعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ مسجدوں کے احاطے عالی شان بنائے جائیں گے اور اونچے منبر رکھے جائیں گے۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثاروعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ دنیا کے ویرانوں کوآباد اور آبادیوں کوویران کیا جائے گا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثاروعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ گانے بجانے کا سامان عام ہوگا اور شراب نوشی کا دور دورہ ہوگا۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثاروعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ طرح طرح کی شرابیں (پانی کی طرح) پی جائیں گی۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثاروعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ (معاشرے میں) پولیس والوں اور عیب چینوں، غیبت کرنے والوں اور طعنہ بازوں کی بہتات ہوگی۔

اے ابن مسعود! بے شک قیامت کے آثاروعلامات میں سے یہ بھی ہے کہ ناجائز بچوں کی کثرت ہوگی۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو طبرانیؒ نے المعجم الکبیر: (۱۰/۲۸۱) اور المعجم الأوسط: (۵/۱۲۷) میں روایت کیا ہے؛ البتہ المعجم الکبیر میں حدیث کے آخر میں کچھ الفاظ کا اضافہ ہے، جس کو ہم شرح میں بیان کریں گے۔ اس حدیث میں ایک راوی ''سیف بن مسکین'' ہے، جس کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے؛ چناں چہ دارقطنیؒ نے فرمایا کہ ''وہ قوی نہیں'' اور ابن حبانؒ نے فرمایا کہ ''یہ الٹی سیدھی روایات بیان کرتا ہے اور موضوع احادیث روایت کرتا ہے اور ثقہ حضرات کی مخالفت کی وجہ سے اس سے احتجاج کرنا جائز نہیں'' میزان الإعتدال: (۳/۳۵۵) لسان المیزان: (۴/۲۲۲)، الضعفاء والمتروکین: (۲/۳۶) اور ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباري: (۱۳/۸۴) میں طبرانی کے حوالے سے اس حدیث کا ذکر کیا اور اس پر سکوت فرمایا، جو قابلِ احتجاج ہونے کی علامت ہے۔ (کما ھو مشھور بین العلماء)

توڑ جوڑ

اس حدیث میں بھی قیامت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں اور اس حدیث کے جملوں میں سے بہت سے جملے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۲۱ پر گذر چکی ہے، اس میں اور بعض اور احادیث میں اوپر گذر چکے ہیں اور ان کی شرح بھی ہم نے وہیں کر دی ہے؛ یہاں صرف ان جملوں کی شرح لکھی جاتی ہے، جو اوپر نہیں گذرے۔

۱- " أن يواصل الأطباق، وأن يقاطع الأرحام " (بیگانوں اور غیروں سے تعلق جوڑا جائے گا اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کیا جائے گا)

یعنی یہ بھی علاماتِ قیامت میں سے ہے کہ غیروں کو اپنایا جائے اور اپنوں کو کاٹا جائے اور یہ کیفیت آج شروع ہو چکی ہے کہ رشتہ داری کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا؛ بل کہ رشتے کو کاٹا جاتا ہے اور غیروں کو رشتہ داروں کی طرح اپنایا جاتا ہے، ہر جگہ ان کو مقام دیا جاتا اور ہر تقریب میں ان کو شریک کیا جاتا ہے؛ مگر رشتہ داروں کو ہر جگہ کاٹا جاتا ہے۔

نا اہلوں کی سرداری

۲-" أن يسود كل قبيلة مُنافقوها و كل مسوق فجارها " (یعنی قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ ہر قبیلے کے سردار اور قائد اس کے منافق لوگ ہوں گے اور ہر بازار کی قیادت اس کے فاسق و فاجر لوگ کریں گے)

اوپر حدیث گذر چکی ہے کہ" جب نا اہل لوگوں کو عہدے تفویض کیے جائیں، تو قیامت کا انتظار کرو" اور آج یہ بھی نظر آ رہا ہے، ہر عہدے اور منصب پر اور ہر قیادت وسیادت کی کرسی پر فساق وفجار اور منافق لوگوں کا قبضہ ہے، قبیلے اور خاندان میں عالم وفاضل ہو، تب بھی لوگ اس کو نہیں مانتے؛ بل کہ منافق وفاجر کی مانتے اور ان کی سرداری کو تسلیم کرتے ہیں۔

مؤمن کی تحقیر

۳- " وأن يكون المؤمن في القبيلة أذل من النقد " (ایک علامت یہ ہے کہ مؤمن اپنے قبیلے میں بھیڑ، بکری سے زیادہ حقیر و ذلیل ہوگا)

یعنی لوگوں کی نظر میں مؤمن کی کوئی حیثیت نہ ہوگی؛ کیوں کہ مال دولت، دنیوی عہدے ومناصب اور دنیوی ڈگریاں اور سندیں؛ لوگوں کی نگاہوں میں بڑی عظیم ہوں گی، وہاں مؤمن کی اور ایمان کی وقعت کا کیا سوال؟ آج یہ بھی دیکھنے کو مل رہا ہے کہ بہت سے لوگ، جو مال و دولت اور دنیوی عہدے ومنصب کو سب کچھ سمجھتے ہیں، وہ اہلِ ایمان واہلِ علم واہلِ صلاح کو حقیر نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

دل ویران ہوں گے

۴- " أن تزخرف المحاريب وتخرب القلوب " (اور یہ کہ محرابیں سجائی جائیں گی اور دل ویران ہوں گے)

مساجد کو سجانے اور آراستہ کرنے پر پوری توجہ دی جائے گی، محراب و منبر کی آرائش و زیبائش کا اہتمام کیا جائے گا، بام و در کی بناوٹ و سجاوٹ پر ہزاروں ہزار خرچ کیے جائیں گے؛ مگر دل اللہ کی محبت و تعلق، دین و شریعت کی عظمت و بڑائی اور شعائرِ اسلام کی تعظیم و تکریم سے خالی و ویران ہوں گے؛ نماز تو ہوگی، مگر خشوع و خضوع نہ ہوگا، تلاوت تو ہوگی، مگر روح سے خالی اور تعلیم و تعلم تو ہوگا، مگر سب رسمی و رواجی۔

شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے اسی کو فرمایا تھا:

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی

رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

بستیاں اُجاڑی جائیں گی

۵- أن يعمر خراب الدنيا ويخرب عمرانها (دنیا کے غیر آباد و ویران علاقوں کو آباد کیا جائے گا اور آباد حصوں کو ویران کیا جائے گا)

اس کا مطلب یہ ہے کہ آبادی والے حصوں پر ظلم و زیادتی کر کے اور بم باری وغیرہ کے ذریعے، ان کو ویران کیا جائے گا اور جہاں پر آبادی نہیں ہے، ان کو ضرورت کی بنا پر آباد کیا جائے گا۔ جیسا کہ آج یہ حال دیکھنے میں آ رہا ہے کہ مختلف ممالک میں آبادی والے حصوں پر بم باری وغیرہ کے ذریعے ہلاکت و تباہی مچائی جا رہی ہے اور ان کو ویرانوں میں تبدیل کیا جا رہا ہے اور ویرانی بھی ایسی کہ پھر وہ علاقے انسانوں کی بود و باش کے لیے کام نہیں آ سکتے، جس کی وجہ سے ویرانوں کو آباد کرنا پڑ رہا ہے۔

الحدیث الشریف - ۳۲

«عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: إِذَا كَانَ أُمَرَائُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَائُكُمْ سُمَحَائَكُمْ وَأُمُوْرُكُمْ شُوْرىٰ بَيْنَكُمْ، فَظَهْرُ الأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا؛ وَإِذَا كَانَ أُمَرَائُكُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَائُكُمْ بُخَلَائَكُمْ وَأُمُوْرُكُمْ إِلٰى نِسَائِكُمْ، فَبَطْنُ الأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا.»

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے حاکم نیک اور پسندیدہ ہوں، تمہارے مال دار کشادہ دل اور سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی (خیر خواہانہ) مشورے سے طے ہوں، تو تمہارے لیے زمین کی پشت اس کے پیٹ سے بہتر ہے، (یعنی مرنے سے جینا بہتر ہے) اور جب تمہارے حاکم شریر ہوں، تمہارے مال دار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں (کہ بیگمات جو فیصلہ کردیں، وفادار نوکر کی طرح تم اس کو نافذ کرنے لگو) تو تمہارے لیے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے، (یعنی ایسی زندگی سے مرجانا بہتر ہے)۔

تخریج وشرح

اس کی تخریج امام ترمذیؒ نے السنن کتاب الفتن: (۲۲۶۶) میں، ابونعیمؒ نے حلیة الأولیاء: (۶/۱۷۶) میں اور خطیب بغدادیؒ نے تاریخ بغداد: (۲/۵۸۷) میں کی ہے اور الترغیب: (۳۹۷۰) اور السنن الواردة: (۳/۶۶۳) میں بھی اس کو نقل کیا گیا ہے، اس حدیث کا راوی ''صالح المری'' کو علما نے ضعیف قرار دیا ہے: امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ ''صالح کی احادیث میں غرائب ہیں، جن کی متابعت نہیں کی جاتی؛ البتہ صالح ایک صالح آدمی تھے''۔ (الترمذي: ۲۲۶۶) علامہ منذریؒ نے الترغیب میں فرمایا کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو

"حسن غریب" فرمایا ہے، الترغیب: (۳۹۷۰)، مگر موجودہ نسخے میں صرف غریب لکھا ہے، حسن نہیں ہے؛ اسی طرح ابونعیمؒ نے حلیۃ الأولیاء میں اس کو غریب فرمایا ہے۔

ایسی زندگی سے موت اچھی

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ جب حاکم نیک سیرت اور مال دار، لوگ سخی اور کشادہ دل ہوں اور مسلمانوں کے معاملات مشورں سے طے ہوں، کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی جاتی ہو، تو مسلمانوں کے لیے زمین کی پُشت زمین کے پیٹ سے بہتر ہے؛ یعنی زندہ رہنا، مَر کر قبر میں جانے سے بہتر ہے؛ اس کے برخلاف اگر حاکم لوگ شرارت پسند اور خبیث النفس ہوں، مال دار بخیل ہوں کہ دینی و ملی ضرورت پر مال خرچ نہ کرتے ہوں اور آپسی معاملات کے حل کے لیے عورتوں کو حَکَم بنا دیا گیا ہو اور عورتوں کی باتوں پر (بلا تأمل) عمل کیا جاتا ہو، چاہے وہ حق پر ہوں یا باطل پر، تو پھر امت کے لیے زمین کے اندر چلے جانا، یعنی مر جانا بہتر ہے، اب اس کا جینا کسی فائدے کا نہیں ہے، ایسی زندگی سے موت اچھی۔

بعض احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"عورتوں سے مشورہ کرو اور ان کی مخالفت کرو کہ ان کی مخالفت میں برکت ہے"

یہ حدیث "عیسیٰ" راوی کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"عورتوں کی بات مان کر چلنا شرمندگی کا سبب ہے"۔

یہ حدیث متعدد ضعیف طرق سے آئی ہے؛ علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ

"علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا اس حدیث کو موضوع کہنا صحیح نہیں"۔ (۱)

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح شیخ ناصر الدین البانی صاحب کا "سلسلة الأحاديث الضعيفة: (۱/۶۲۴) میں اس حدیث کو موضوع کہنا صحیح نہیں۔

---

(۱) تحفة الاحوذی: ۶/۵۴۵

عورتوں سے مشورہ

معلوم ہوا کہ ہر معاملے میں عورتوں کی بات مان کر چلنا، خیر و برکت سے دور کر دیتا ہے؛ کیوں کہ عورتوں کے ”ناقصۃ العقل“ ہونے کی وجہ سے وہ عموماً غلط اور بے ڈھنگے مشورے دیا کرتی ہیں؛ لہٰذا ان کے مشورے میں خیر نہیں اور ان کی باتوں پر چلنے میں برکت نہیں، ہاں! اگر کسی عورت کی بات دین و شریعت اور نبی علیہ السلام کی باتوں کے عین مطابق ہو، تو پھر وہ اللہ و رسول کی بات ہے، اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح بعض عورتیں، بعض مردوں کے لحاظ سے عقل و علم میں بڑھی ہوئی ہوتی ہیں؛ لہٰذا ان کی بات ماننا یا ان سے مشورہ کرنا غلط نہیں ہے۔ اس حدیث میں عام عورتوں کا ذکر ہے، جو عام طور پر ناقص العقل اور ناقص الدین ہوتی ہیں، ورنہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حدیبیہ کے موقعے پر حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا ہے اور ان کے مشورے پر عمل بھی فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عام ناقص العقل والدین عورتوں کے ہاتھ میں معاملات دے کر ہر اچھے بُرے میں ان کی ہاں میں ہاں ملانا اور ان کے مشوروں پر چلنا، ہلاکت و رسوائی کا سبب ہے۔

آج بہت سے معاملات میں عورتوں کی حکمرانی، مردوں پر قائم ہوگئی ہے اور ان کے حکموں پر سارے معاملات طے کیے جاتے ہیں، جو انتہائی سنگین غلطی ہے، پھر اگر خاندان اور گھرانوں سے بڑھ کر عورت کی سیادت و حکومت، قوم و ملت پر قائم ہو جائے اور عورت ہی قوم و ملک کے سیاہ و سفید کی مالک و حاکم بن جائے اور اس کے حکم و اشارے پر سارے معاملاتِ ملیہ و قومیہ طے کیے جائیں، تو پھر اس قوم و ملک کی تباہی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ جیسے بعض مسلم ملکوں میں بھی عورت کو ”وزیر اعظم“ بنا دیا گیا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے، جس میں امت کے لیے زمین کے پیٹ کو اس کی پشت سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ (فإلی اللہ المشتکی!)

❁❁❁

«عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ وَأَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ وَمُعَاذِبْنِ جَبَلٍ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ بَدَأَ هٰذَا الْأَمْرَ نُبُوَّةً وَّرَحْمَةً وَّكَائِنًا خِلَافَةً وَّرَحْمَةً وَّكَائِنًا، مُلْكًا عَضُوضًا وَكَائِنًا عُتُوَّةً وَجَبْرِيَّةً وَفَسَادًا فِي الْأُمَّةِ، تَسْتَحِلُّوْنَ الْفُرُوْجَ وَالْخُمُوْرَ وَالْحَرِيْرَ وَيُنْصَرُوْنَ عَلٰى ذَالِكَ، وَيُرْزَقُوْنَ اَبَدًا؛ حَتّٰى يَلْقُوْا اللّٰهَ.»

ترجمہ: حضرت ابو ثعلبہ خشنی، ابوعبیدہ بن جراح اور معاذ بن جبل ﷺ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس دین کی ابتدا نبوت ورحمت سے فرمائی، پھر (دورِ نبوت کے بعد) خلافت ورحمت کا دور ہوگا، اس کے بعد کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی، اس کے بعد خالص آمریت، جبر واستبداد اور امت کے عمومی بگاڑ کا دور آئے گا؛ یہ لوگ زنا کاری، شراب نوشی اور ریشمی لباس پہننے کو حلال کرلیں گے اور اس کے باوجود، ان کی مدد بھی ہوتی رہے گی اور انہیں رزق بھی ملتا رہے گا، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حضور پیش ہوں گے (یعنی مرتے دم تک)۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو ابوداؤد طیالسیؒ نے اپنے مسند: (۱/۱۸۴) میں، ابویعلیٰؒ نے اپنے مسند: (۲/۱۷۷) میں، بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ: (۱۶۶۳۰) میں اور شعب الإیمان نے: (۵/۱۶) میں، طبرانیؒ نے المعجم الکبیر: (۱/۱۵۶) میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت کیا ہے اور نعیم بن حمادؒ نے کتاب الفتن: (۱/۱۰۰) میں حضرت ابوعبیدہ اور حضرت بشیر بن سعید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اس حدیث کو امام ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد: (۵/۳۴۳) میں روایت کرکے فرمایا کہ "اس کی سند میں "لیث بن ابی سلیم راوی" ہے اور وہ ثقہ

ہے؛ مگر مُدلِس ہے اور باقی راوی سب ثقات ہیں''۔ بندہ کہتا ہے کہ ''لیث کی حدیث حسن سے کم نہیں ہے''۔ (كما حققته في رسالتي "عرف الزهرة في مسح الرقبة")

پہلا دور، دورِ نبوت

اس حدیث میں چند اہم امور مذکور ہوئے ہیں:

۱- ایک یہ کہ اس دین کی ابتدا یا اس کا ظہور نبوت اور رحمت سے ہوا ہے؛ یعنی لوگوں کے دین ودنیا کی اصلاح کے لیے اللہ نے جس چیز کو اتارا، یعنی اسلام کی ابتدا نبوت ورحمت سے ہوئی ہے؛ چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ سلسلۂ نبوت جاری رہا، جس کو اللہ نے بندوں پر رحمت وشفقت کے طور پر جاری فرمایا تھا۔

دوسرا دَور، دورِ خلافت

۲- دوسرے یہ کہ اس نبوت ورحمت کے دَور کے بعد دوسرا دَور خلافت ورحمت کا ہوگا؛ چناں چہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی پیش گوئی کے مطابق خلافت کا دور آیا اور یہ تیس برس تک قائم رہا، جیسا کہ بعض احادیث میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔[1]

اور یہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے دور تک قائم رہا اور یہ دور بھی خدائی رحمت وشفقت کا دور تھا؛ اسی لیے نبوت کے منہاج پر چلنے والے خلفا اس میں خلافت پر متمکن ہوئے۔

تیسرا دَور، دورِ بادشاہت

۳- اس کے بعد فرمایا کہ ''پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی''۔

یہاں ''ملک عضوض'' کا لفظ آیا ہے، ''عَضوض'' عین کے فتحے کے ساتھ مبالغے کا صیغہ ہے، جس کے معنے ہیں ''خوب کاٹ کھانے والا''؛ یعنی خلافت کے بعد ایسے بادشاہ ہوں گے، جو لوگوں پر ظلم وزیادتی کریں گے اور بعض نے فرمایا کہ یہ لفظ ''عُضوض'' عین کے پیش کے ساتھ ہے، جو ''عِض'' (بکسر العین) کی جمع ہے، جس کے معنے میں ''شریر وخبیث'' یعنی ایسے بادشاہ ہوں گے، جو شریر وخبیث ہوں گے اور لوگوں پر ظلم کریں گے۔ یہ باعتبار غالب کے

---

(۱) الترمذي: ۲۱۵۲، أحمد: ۲۰۹۱۰

فرمایا ہے، ورنہ بعض عادل بادشاہ بھی اسی دور میں گذرے ہیں، جیسے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ جن کے واقعات اور مناقب مشہور ہیں۔ (۱)

چوتھا دور، دورِ جبر وظلم

۴- پھر فرمایا کہ "اس کے بعد خالص آمریت، جبر واستبداد اور زمین میں فساد وبگاڑ کا دور ہوگا"۔

یعنی ایسے بادشاہ ہوں گے، جو جبر واستبداد اور قہر وغلبے سے کام لیں گے اور زمین میں فساد و بگاڑ پیدا کریں گے، جیسا کہ دیکھا جارہا ہے۔ اوپر بھی کئی جگہ ہم نے اس صورتِ حال کا ذکر کیا ہے۔

اُس دَور میں لوگوں کی حالت

۵- پھر فرمایا کہ "یہ لوگ زنا کاری اور شراب نوشی اور ریشمی لباس کو حلال کرلیں گے اور اس کے باوجود ان کی مدد کی جائے گی اور ان کو رزق بھی دیا جائے گا"۔

یہ ان لوگوں کو اللہ کی طرف سے ڈھیل اور آزمائش کے طور پر ہوگا اور اہلِ عقل ودانش غور کریں، تو یہ سارے حالات آج واضح طور پر دکھائی دیں گے۔ بے ایمانی اور بدعملی کے ساتھ مال ودولت کی فراوانی اور اسبابِ عیش وآرائش کی زیادتی اور حکومت وسلطنت اور قوت وشوکت کا مل جانا، دلیلِ صداقت وحقانیت نہیں؛ بل کہ اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے، جس پر اچانک پکڑ ہوتی ہے؛ جیسا کہ یہ مضمون قرآن پاک میں بھی آیا ہے:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾

ترجمہ: جب انھوں نے بھلا دیا اس چیز کو، جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے؛ حتیٰ کہ جب وہ ان کو دی گئی چیزوں پر خوش ہوگئے، تو اچانک ہم نے ان کی پکڑ کی؛ پس وہ اس وقت ناامید رہ گئے۔ (الانعام: ۴۴)

اس حدیث میں اسی بات کو اس طرح فرمایا کہ حرام کو حلال کرنے والوں کو اللہ کی طرف سے برابر رزق دیا جائے گا اور ظاہری طور پر نصرت بھی ہوتی رہے گی، مگر پھر اچانک پکڑ کی جائے گی۔

---

(۱) المرقاۃ: ۱۰/۵۶۲، التعلیق الصبیح: ۶/۱۲۹

« عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم : يَـأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ، لَايُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ، أَمِنَ الْحَلَالِ أَمِنَ الْحَرَامِ . »

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا، جس میں آدمی کو (خودرائی اور حرص کی بنا پر) یہ پرواہ نہیں ہوگی کہ جو کچھ وہ لیتا ہے، آیا یہ حلال ہے یا حرام؟

تخریج و شرح

اس حدیث کو متعدد محدثین نے روایت کیا ہے، بخاریؒ نے الصحیح الجامع: (۲۰۵۹) میں، نسائیؒ نے السنن: (۴۴۵۹)، احمدؒ نے مسند أحمد: (۹۶۲۰)، دارمیؒ نے السنن: (۲۵۷۸)، ابن حبانؒ نے الصحیح: (۱۵/۱۲۰) ابن الجعدؒ نے المسند: (۱/۴۱۶)، بیہقی نے السنن الکبریٰ: (۱۰۴۰۲)، میں روایت کیا ہے اور حدیث کا صحیح ہونا واضح ہے۔

حلال وحرام کی تمیز اُٹھ جائے گی

حدیث کا مطلب واضح ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا، جس میں مال و دولت کی حرص اور دین سے جہالت کی بنا پر لوگوں کو حرام وحلال کا امتیاز ہی نہ ہوگا اور لوگ اس کی پرواہ ہی نہیں کریں گے اور جو ملا ہڑپ کر جائیں گے۔ یہ یا تو شریعت کے احکام سے جہالت کی وجہ سے ہوگا یا حرص وطمع کی بنا پر اور آج یہ بات بھی نظر آرہی ہے کہ بعض لوگ تو شریعت سے لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے حلال وحرام کی تمیز ہی نہیں کر پاتے اور جب تمیز ہی نہیں کر سکتے، تو بچیں گے کیسے؟ اور بعض وہ ہیں، جن کو شریعت کا علم تو ہے، مگر مال و دولت کی اندھی محبت اور آخرت سے غفلت نے ان کو حلال وحرام کے امتیاز وفرق سے اندھا کر دیا ہے اور جو بھی ملے، اس کو لینے پر آمادہ کر رکھا ہے۔

کتنے مسلمان ایسے ہیں، جو سُود، رِشوت اور پرائی چیز کو اٹھا لینے کی حرمت کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں؛ مگر حرص وطمع کی وجہ سے ان حرام چیزوں کو لیتے اور مزے سے استعمال کرتے ہیں اور اگر ان کو حرام وحلال کے احکام بتائیں، تو کہتے ہیں کہ ”اس زمانہ میں حلال وحرام کو دیکھیں ،تو ترقی نہیں ہوسکتی“؛ حالاں کہ آج مسلمان کی ترقی میں رُکاوٹ تو یہی اللہ کے احکامات سے رو گردانی اور حلال وحرام میں امتیاز نہ کرنے کی وجہ سے ہے؛ مگر یہ لوگ اپنی جہالت سے یہ سمجھتے ہیں کہ احکام پر عمل کرنے سے رکاوٹ ہوتی ہے!!!

الحدیث الشریف - ۳۵

« عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم :لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ ، لَا يَبْقَى أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرِّبوٰ ؛ فَإِنْ لَمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ بُخَارِهٖ وَيُرْوىٰ مِنْ غُبَارِهٖ . »

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً لوگوں پر ایسا دور بھی آئے گا، جب کہ کوئی شخص بھی سُود سے محفوظ نہیں رہے گا؛ چناں چہ اگر کسی نے براہِ راست سود نہ بھی کھایا، تب بھی سود کا بخار یا غبار (یعنی اثر) تو اسے بہر صورت پہنچ کر ہی رہے گا (گو اس صورت میں براہِ راست سود خوری کا مجرم نہ ہو؛ لیکن پاکیزہ مال کی برکت سے تو محروم رہا)۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے احمدؒ: (۱۰۴۱۰) ابوداؤد: (۳۳۳۱) نسائی: (۴۴۶۰) ابن ماجہ، (۲۲۷۸) بیہقی: (۱۰۴۷۲) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے؛ کیوں کہ اس کی سند میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے ثابت مانا ہے اور بعض نے انکار کیا ہے، جن کے نزدیک ان کا سماع ثابت ہے، ان کے نزدیک یہ حدیث متصل ہے اور جن کے پاس ان کا سماع ثابت نہیں، ان کے پاس یہ حدیث منقطع ہے؛ چناں چہ امام منذری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

> ”اس کے راوی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، مگر انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا نہیں؛ لہٰذا روایت منقطع ہے“۔ (۱)

(۱) عون المعبود:۹/۱۸۰

اور حاکمؒ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، مگر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ

”صحیح اس وقت ہوگی جب کہ حضرت حسن رحمۃ اللہ کا سماع حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہو“۔ (۱)

میں کہتا ہوں کہ یہ ان حضرات کے نقطۂ خیال کے مطابق ہے، جو ان کے سماع کا انکار کرتے ہیں اور جو اس کے قائل ہیں، ان کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

سودخوری کا سیلاب

اس میں فرمایا گیا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ سود کا عام چلن ہو جائے گا اور کوئی بھی شخص ایسا نہ رہے گا، جو کسی نہ کسی طرح سود میں ملوث نہ ہو اور اگر کوئی بہ فرضِ محال باقی بھی رہ گیا، تو سود کا غبار اور اس کی دھول تو اس کو لگے گی اور یہ سود کا عام ہونا، اس طرح کہ تجارتوں اور معاملات میں سودی لین دین اور شرعی فساد داخل ہوگا، جس سے ہر تجارت اور معاملہ فاسد ہو کر بعض صورتوں میں ربا یا ربا کا شبہ پیدا ہو جائے گا۔ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارن پوری رحمۃ اللہ نے اس کی شرح میں فرمایا کہ

”اس میں اشارہ ہے کہ سود لوگوں میں اس طرح پھیل جائے گا کہ ہر ایک اس کو کھائے گا؛ کیوں کہ لوگوں کی تجارتیں اور معاملات فاسد ہوں گے۔ (آگے چل کر فرمایا کہ) اس زمانے میں اسی طرح ہے؛ کیوں کہ ہر قسم کی تجارتیں کفار کے ہاتھوں میں ہیں اور ان کے معاملات فاسد ہیں، جو ربا (سود) کے حکم میں ہیں۔ (۲)

اور اس حدیث میں جو فرمایا کہ سود نہیں، تو سود کے اثرات و بخارات تو اس کو پہنچیں گے، وہ اس طرح کہ خود تو سود نہیں کھایا، مگر سودی معاملے کا گواہ بن گیا، یا سودی لین دین کو لکھنے کے کام میں لگ گیا، جیسے بینک (Bank) کے کلرک (Clerk) ہوتے ہیں یا سودی رقم سے کی گئی ضیافت

---

(۱) فیض القدیر: ۳۴۶/۵

(۲) بذل المجهود: ۲۹۵/۱۴

قبول کرلیا یا سود سے دیا گیا ہدیہ لے لیا؛ اس طرح کہیں نہ کہیں جا کر سود میں ملوث ہوگا یا اس کا اثر و بخار اس کو لگے گا۔(۱)

اس جگہ ''بخار'' کا لفظ سود کے اثر کے لیے جو استعمال کیا گیا ہے، یہ بڑا معنیٰ خیز ہے؛ کیوں کہ بخار کے معنے ''بھاپ'' کے آتے ہیں، جو پانی وغیرہ گرم کرنے پر اس سے نکلتی ہے اور ظاہر ہے کہ بھاپ اس وقت نکلتی ہے، جب آگ جلائی جائے اور پانی کو گرم کیا جائے، چوں کہ قیامت کے دن مال آگ بن جائے گا، جس سے سود خور کا دماغ کھولے گا اور اس سے بخارات اور بھاپ نکلے گی؛ اس لیے سود کے اثرات کو ''بخار اور بھاپ'' سے تشبیہ دی گئی ہے۔ پھر اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح بخار اور غبار ان تمام لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، جو وہاں حاضر ہوں، اگر چہ کہ اس بخار اور غبار کو اڑانے والا ایک ہی ہوتا ہے، اسی طرح ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ سود کی لعنت اور اس کے اثرات سے سبھی متاثر ہوں گے، خواہ وہ خود اس لین دین میں ملوث ہوں یا وہ خود ملوث نہ ہوں؛ بل کہ دوسرے ذریعے سے ان تک وہ پہنچ جائے۔ آج کے دور میں بینکنگ سسٹم (Banking system) کی وجہ سے سود کی لعنت و نحوست گھر گھر پہنچ گئی ہے اور حدیث کے مطابق سود کھانے کا عام رواج ہوگیا ہے یا کم از کم سود کے اثرات سے کسی نہ کسی طرح لوگ ملوث ہوتے جاتے ہیں۔

---

(۱) بذل المجهود: ۱۴/۲۹۵، عون المعبود: ۹/۱۸۰

« عَنْ عُمَرَبْنِ الخَطَّابِ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : إِنْ تُصِيْبَ أُمَّتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ مِنْ سُلْطَانِهِمْ شَدَائِدُ ، لا يَنْجُوْمِنْهُ إِلَّا رَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ ، فَجَاهَدَ عَلَيْهِ بِلِسَانِهِ ، وَيَدِهِ ، وَقَلْبِهِ ؛ فَذٰلِكَ الَّذِي سَبَقَتْ لَهُ السَّوَابِقُ. وَرَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ فَصَدَّقَ بِهِ . وَرَجُلٌ عَرَفَ دِيْنَ اللّٰهِ فَسَكَتَ عَلَيْهِ. فَإِنْ رَاىٰ مَنْ يَعْمَلُ الْخَيْرَ أَحَبَّهُ عَلَيْهِ، وَإِنْ رَاىٰ مَنْ يَعْمَلُ بِبَاطِلٍ ، أَبْغَضَهُ عَلَيْهِ ؛ فَذٰلِكَ يَنْجُوْ عَلَىٰ ابْطَانِهِ كُلِّهِ . »

ترجمہ: حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانے میں میری اُمت کو اربابِ اقتدار کی جانب سے (دین کے معاملہ میں) بہت سی دشواریاں پیش آئیں گی (ان کے وبال) سے صرف تین قسم کے لوگ محفوظ رہیں گے: اول وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو ٹھیک ٹھیک پہچانا، پھر اس کی خاطر دل، زبان اور ہاتھ (تینوں) سے جہاد کیا، یہ شخص تو (اپنی تینوں) پیش قدمیوں کی وجہ سے سب سے آگے نکل گیا۔ دوم: وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا، پھر (زبان سے) اس کی تصدیق بھی کی (یعنی برملا اعلان کیا) سوم: وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا تو سہی، مگر خاموش رہا، کسی کو عملِ خیر کرتے دیکھا، تو اس سے محبت کی اور کسی کو باطل پر عمل کرتے دیکھا، تو اس سے دل میں بغض رکھا، پس یہ شخص اپنی محبت وعداوت کو پوشیدہ رکھنے کے باوجود بھی نجات کا مستحق ہوگا۔

تخریج وشرح

اس کو امام بیہقیؒ نے شعب الإیمان: (۹۵/۶) میں روایت کیا اور امام ابن رجبؒ نے جامع العلوم والحکم میں فرمایا کہ ”یہ منقطع اور غریب ہے“: (۹۴۹/۳) مگر اس کے شواہد بھی متعدد

پیش فرمائے ہیں؛ چناں چہ فرمایا کہ اسماعیلی نے ابو ہارون العبدی کی حدیث سے جو کہ بہت ضعیف راوی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سے اور انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ یہ امت ہلاک ہو جائے، سوائے تین آدمیوں کے: ایک وہ جس نے برائی پر اپنے ہاتھ، زبان اور دل تینوں سے انکار کیا؛ پس اگر ہاتھ سے روکنے میں بزدلی کی، تو زبان و دل سے انکار کیا اور اگر زبان و ہاتھ سے روکنے میں بزدلی کی تو دل سے انکار کیا۔(جامع العلوم والحکم : ۳/۱۴۹)

امام طبرانیؒ نے المعجم الکبیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اس مضمون کو دوسرے الفاظ میں روایت کیا ہے(المعجم الکبیر : ۹/۲۰۳)ان شواہدات کی روشنی میں اس حدیث کو منقطع ہونے کے باوجود حسن قرار دیا جا سکتا ہے۔(واللہ أعلم)

اربابِ اقتدار سے دین کو خطرہ

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً متنبہ فرمایا کہ آخری زمانے میں میری امت کو سلطان (یعنی اربابِ اقتدار) کی طرف سے بڑی دشواریاں اور سختیاں پہنچیں گی، ان سختیوں اور دشواریوں سے مُراد دین کے معاملے میں دشواریاں و سختیاں ہیں؛ کیوں کہ یہ اصحابِ اقتدار طبقۂ دین کو اور دین پر چلنے کو اپنے لیے اور اپنے عیش و عیاشی کے لیے خطرہ سمجھتا ہے؛ اس لیے حتی الامکان کوشش کرتا ہے کہ لوگ دین کی بات نہ کریں؛ اس لیے اہلِ دین حضرات کو وہ سب سے پہلا اور بڑا نشانہ بناتا ہے اور دین پر چلنے والوں کے لیے دشواریاں پیدا کرتا ہے۔

یہ صورتِ حال آج بہت حد تک سامنے آتی جا رہی ہے، اگرچہ اس سے پہلے بھی بعض بادشاہوں کے دَور میں اُمت شدائد و تکالیف سے دو چار ہوئی ہے، جیسے ”حجاج بن یوسف“، ”یزید بن معاویہ“ اور ”مامون الرشید“ وغیرہ کی طرف سے حالات پیش آئے، مگر اب اس میں اضافہ در اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور جب سے امریکہ کا دنیا پر تسلط قائم ہوا ہے، اہلِ دین اور اہلِ مدارس نہ صرف کفار کی بستیوں میں؛ بل کہ خود مسلم ممالک میں بھی ان شدائد و مصائب کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ پاکستان مصر، ترکی اور سعودی عرب، سب جگہ کا یہی حال ہے اگر کچھ فرق ہے، تو کمی بیشی کا ہے، باقی ان سب جگہ کے سلاطین امت کے اہلِ دین طبقے کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔

جہاد کا پہلا درجہ

اس کے بعد فرمایا کہ ان شدائد سے (یا ان کے وبال سے) صرف تین قسم کے لوگ نجات پائیں گے: ایک وہ آدمی، جس نے اللہ کے دین کو ٹھیک طور پر جانا پہچانا، پھر اس دین کی خاطر اپنی زبان ہاتھ اور دل تینوں سے جہاد کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین میں پیش آنے والے فتنوں اور مصائب سے نجات حاصل کرنے کا سب سے اعلیٰ و افضل طریقہ یہ ہے کہ اللہ کے دین کی خاطر اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے زبان، ہاتھ اور دل تینوں ذرائع سے جہاد کیا جائے؛ زبان سے جہاد یہ ہے کہ زبان سے نصیحت و وعظ کر کے اربابِ اقتدار اور ان کے مصاحبین کو سمجھایا جائے اور ہاتھ سے جہاد اس وقت ہے، جب کہ اس کی قوت و قدرت ہو کہ ان مصائب و آفات کا ہاتھ سے مقابلہ کر کے ان کو روکا اور دفع کیا جائے اور دل سے جہاد یہ ہے کہ دل میں ان برائیوں اور خلافِ دین باتوں کو بُرا سمجھے۔ غرض! سبھی ذرائع کو استعمال کر کے ان فتنوں کا سدِّ باب کرنا، اعلیٰ درجہ ہے۔ جو آدمی یہ کام کرے گا، وہ ان شدائد سے یا ان کے وبال سے نجات پائے گا۔

اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ (تینوں ذرائع سے جہاد کرنے والا) وہ شخص ہے، جس کے لیے اعلیٰ درجے کی سعادتیں مقدر ہیں؛ کیوں کہ اس نے علم و عمل اور کمال و تکمیل کے سب مراتب کو جمع کر لیا ہے، علم تو یہ کہ وہ دین کو جانتا ہے، عمل یہ کہ دین پر عمل کرتا ہے، پھر اس کمالِ علم و عمل کے ساتھ دوسروں کو کامل بنانے کے لیے زبان، ہاتھ اور دل سب کو استعمال کر کے دینی جدوجہد میں لگا ہوا ہے۔

جہاد کا دوسرا درجہ

اس کے بعد دوسرے شخص کا ذکر کیا کہ وہ شخص، جس نے دین کو جانا اور اس کی تصدیق اور اس کا برملا اعلان کیا؛ یعنی ہاتھ سے جہاد کی قوت نہ ہونے کی وجہ سے صرف زبان سے حق کی تصدیق و تائید کرتا رہا، برائی کو برائی اور نیکی کو نیکی بتاتا رہا، کسی نے برائی کی تو، زبان سے اس کو سمجھاتا رہا اور ضرورت پر اس کی مذمت و انکار کرتا رہا اور اَوامر و احکامِ خداوندی کی زبان سے اشاعت کرتا رہا

اور باطل کی زبان سے تردید کرتا رہا، تو ایسا آدمی بھی نجات پا جائے گا۔

جہاد کا تیسرا درجہ

اس کے بعد تیسرے شخص کا ذکر فرمایا کہ جس نے دین کو جانا اور خاموش رہا اور اگر کسی کو عملِ خیر کرتے دیکھا، تو اس کی وجہ سے اس سے محبت کرنے لگا اور کسی کو باطل کام کرتے دیکھا، تو اس سے بغض ونفرت رکھا، تو یہ وہ ہے، جو (اہلِ حق سے محبت کو چھپانے اور اہلِ باطل سے نفرت کو پوشیدہ رکھنے کے باوجود) نجات پا جائے گا۔

یہ اس شخص کے لیے ہے، جس کو زبان سے کہنے اور ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو؛ لہٰذا وہ صرف دل سے حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھے گا، تو نجات پا جائے گا۔ اگر کوئی شخص ان تینوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار نہیں کرے گا، تو اس کا ان فتنوں کے وبال سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔

«عَنْ حُذَيْفَةَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِنْهُ فَتَدْعُوْنَهُ فَلَا يَسْتَجِيْبُ لَكُمْ.»

ترجمہ-حضرت حذیفہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تمہیں نیکی کا حکم کرنا ہوگا اور برائی سے روکنا ہوگا، ورنہ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر کوئی عذاب نازل فرمائیں؛ پھر تم اللہ سے (اس عذاب کے ٹلنے کی) دعائیں بھی کروگے تو قبول نہ ہوں گی۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے السنن: (۲۱۶۹) میں اور امام احمدؒ نے مسند أحمد: (۲۳۳۰۱) میں روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے اس کو ''حدیث حسن'' فرمایا ہے۔

دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا دَور

اس حدیث میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو چھوڑ دینے پر سخت وعید بیان کی گئی ہے کہ یا تو تم امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو یا نہیں تو اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیجے گا اور پھر تم خدا سے دعا بھی کرو، تو قبول نہیں کی جائے گی۔ معلوم ہوا کہ معروفات کی اشاعت وتبلیغ اور منکرات کی اصلاح وتردید، اتنا اہم وضروری کام ہے کہ اس کے ترک کرنے پر وعید شدید آئی ہے؛ ایک: عذابِ خداوندی کی وعید، دوسرے: دعا کے مقبول نہ ہونے کی وعید اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ تم امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے شریر لوگوں کو مسلط کردے گا،

پھر تمہارے نیک و صالح لوگ دعا بھی کریں، تو مقبول نہ ہوگی۔ (۱)

یہ حدیث اگرچہ ایک روای ''برا بن یزید'' کی وجہ سے ضعیف ہے، مگر اوپر کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرنے پر اللہ کی طرف سے یہ سزا و عذاب آتا ہے کہ شریر و خبیث لوگوں کو حاکم و گورنر مقرر کر دیا جاتا ہے، گویا پہلی حدیث میں مذکور ''عذاب'' کی تفسیر اس دوسری روایت نے کر دی۔

آج ظالم و شریر حاکموں کا تسلط اور سیاسی عہدوں و مناصب پر ان کا قبضہ، غالباً اسی کا نتیجہ ہے کہ امت کے بیشتر لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اس اہم ترین فریضے کے تارِک بنے ہوئے ہیں؛ بل کہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ لوگ ''امر بالمعروف'' کی جگہ ''امر بالمنکر'' اور ''نہی عن المنکر'' کی جگہ ''نہی عن المعروف'' کر رہے ہیں۔ چند دن قبل ایک نوجوان میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کا وعظ سن کر ڈاڑھی رکھ لی ہے، مگر میرے والد مجھے اس پر ٹوکتے اور کہتے ہیں کہ ڈاڑھی منڈا لے اور اصرار کر کے پیسے دیتے ہیں کہ حجام کے پاس جا کر ڈاڑھی منڈا کر آؤں۔

ڈاڑھی کے رکھنے پر باپ کو خوش ہونا چاہیے تھا، مگر وہ سنت سے ناراض ہے اور منکر کا حکم دے رہا ہے؛ ایسے سینکڑوں واقعات ملیں گے، اس صورتِ حال کے پیدا ہونے پر وعید سنائی گئی کہ تم دعائیں بھی کرو گے، تو قبول نہ ہوں گی، آج بہت سے لوگ اللہ سے شکایت کرتے ہیں کہ ہماری دعائیں اللہ نے قبول نہیں کیں، ہم روز دعا کرتے اور گڑگڑاتے ہیں، مگر ہماری یہ آہ و زاری اور ہمارا گڑگڑانا بھی قبول نہیں ہوتا، بے شک قبول نہیں ہوتا؛ کیوں کہ ہم نے آج ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کو چھوڑ دیا ہے؛ بل کہ اور آگے بڑھ کر ''امر بالمنکر اور نہی عن المعروف'' میں مشغول ہیں، پھر کس طرح اور کیوں دعائیں قبول کی جائیں؟ اور قبول نہ ہوں، تو اللہ کا کیا قصور؟ قصور ہمارا ہے کہ ہم نے قبولیتِ دعا کی شرائط کو پورا نہیں کیا۔

اس حدیث کو فتن کے باب میں لانے کی وجہ یہی ہے کہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کا ترک بھی ایک فتنہ ہے، جیسا کہ اس دور میں یہ فتنہ رونما ہو چکا ہے۔

---

(۱) مسند بزار: ۱/۲۹۳، مسند ابن الجعد: ۱/۳۹۴

الحدیث الشریف - ۳۸

«عَنِ الْحَسَنِ رحمہ اللہ اللّٰهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ تَحْتَ يَدِ اللّٰهِ وَفِي كَنَفِهِ ، مَالَمْ تَمَالِئْ قُرَّاؤُهَا أُمَرَاءَ هَا وَلَمْ يُزَكِّ صَالِحُوْهَا فُجَّارَهَا، وَمَالَمْ يَمُنَّ خِيَارُهَا شِرَارَهَا ؛ فَإِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ رَفَعَ اللّٰهُ عَنْهُمْ يَدَهُ ، ثُمَّ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ جَبَابِرَتَهُمْ ، فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ وَضَرَبَهُمْ بِالْفَاقَةِ وَالْفَقْرِ وَمَلَأَ قُلُوْبَهُمْ رُعْباً .»

ترجمہ: حسن بصری رحمہ اللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ یہ امت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے دستِ حفاظت کے تحت رہے گی اور اس کی پناہ میں رہے گی، جب تک کہ اس امت کے عالم اور قاری، حکمرانوں کی ہاں میں ہاں نہیں ملائیں گے اور امت کے نیک لوگ (از راہِ خوشامد) بدکاروں کی صفائی پیش نہیں کریں گے اور جب تک کہ امت کے اچھے لوگ (اپنے مفاد کی خاطر) برے لوگوں کو امیدیں نہیں دلائیں گے؛ لیکن جب وہ ایسا کرنے لگیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کے (سروں سے) اپنا ہاتھ اٹھالے گا، پھر ان میں کے جبار و قہار اور سرکش لوگوں کو ان پر مسلط کردے گا، جو انہیں بدترین عذاب کا مزا چکھائیں گے اور انہیں فقر و فاقے میں مبتلا کردے گا اور ان کے دلوں کو (دشمنوں کے) رعب سے بھر دے گا۔

تخریج و شرح

اس کو امام عبداللہ بن المبارکؒ نے اپنی کتاب ''الرقائق'' میں بہ رقم: (۸۲۱،ص:۲۷۰) میں روایت کیا ہے اور السنن الواردة في الفتن : (۶۹۲/۳) میں بھی اس کو روایت کیا گیا ہے۔
اس کی سند میں ''صالح المری'' ہیں، جن کے بارے میں اوپر گذرا کہ وہ حدیث میں ضعیف ہیں، اگر چہ صالح و نیک آدمی تھے؛ لہٰذا یہ حدیث ''ضعیف'' ہوگی۔

علما اربابِ اقتدار سے ہاتھ نہ ملائیں

یہ حدیث بڑی عبرت خیز وسبق آموز ہے، اس میں حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اس امت کو اللہ کی طرف سے حفاظت وحمایت حاصل ہوتی رہے گی، مگر چند شرطوں کے ساتھ:

۱- ایک یہ کہ اس اُمت کے قاری وعالم حکمرانوں اور سیاست دانوں کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں، معلوم ہوا کہ اگر یہ عالم وفاضل اور دینی مُقتدا اور رہبر، جن کو امت مخلص وبے لوث خدامِ دین سمجھتی ہے اور حق وباطل میں امتیاز کے لیے ان کے قول وفعل کو دلیل جانتی ہے، یہ لوگ سیاسی کھلاڑیوں اور حکمرانوں کی اچھی وبری اور صحیح وغلط ہر بات میں تصدیق وتائید کرنے لگیں گے، تو امت اللہ کی حفاظت وحمایت سے محروم کردی جائے گی؛ وجہ یہ ہے کہ ان دنیا پرست وعہدے پرست علمائے سُو کی وجہ سے حق وباطل میں امتیاز نہ رہے گا، لوگ ان کی وجہ سے حق کو حق اور باطل کو باطل نہیں سمجھیں گے؛ بل کہ "حق کو باطل اور باطل کو حق" سمجھ بیٹھیں گے اور دین سے بُعد ودوری ہوجائے گی اور آخرالامر ہلاک وتباہ ہوں گے؛ اسی لیے اکثر علمائے سلف نے بادشاہوں کے درباروں میں حاضری اور ان کی طرف سے دیے جانے والے عہدوں اور مناصب کے قبول کرنے کو رَوا یا اچھا نہیں سمجھا کہ کہیں ان عہدوں ومناصب کی وجہ سے ان کی ہاں میں ہاں ملانے کی نوبت آجائے اور ہم اس حدیث کا مصداق بن جائیں۔ امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ابوجعفر منصور بادشاہ کی طرف سے عہدۂ قضا پیش کیے جانے پر اس سے انکار اسی بنا پر کیا تھا۔

غرض! جب علما سیاست دانوں کے غلام اور مطیع وفرماں بردار بن جائیں اور ان کی اچھی وبری ہر بات میں ہاں میں ہاں ملائیں، تو اس وقت اللہ کی حمایت وحفاظت اٹھالی جاتی ہے۔

فاسق کی تعریف

۲- دوسری شرط یہ کہ نیک وصالح لوگ فساق وفجار کی خوشامد کرتے ہوئے ان کی صفائی وپاک بازی کی سند وتوثیق نہ کریں، اگر نیک لوگ فجار وفساق کی از راہِ خوشامد تعریف کرنے لگیں، تو سمجھو کہ اللہ کی حفاظت اٹھ گئی، جیسے بعض لوگ بعض بڑے عہدوں ومناصب پر فائز لوگوں کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں، تاکہ وہ لوگ خوش ہوں اور کام بن جائے؛ حالاں کہ وہ لوگ خدا کی نظر میں گناہ گار اور فساق وفجار ہوتے ہیں، ان کی ایسی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بس ان سے اچھا اور بہتر کوئی آدمی نہیں، ان کے لیے ایسے ایسے القاب وآداب بیان کیے

جاتے ہیں، جیسے ابوحنیفۂ زماں، یا کوئی غزالیٔ وقت، یا کوئی جنیدِ وقت ہے؛ حالاں کہ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے، تو اللہ غضب ناک ہوتے ہیں اور اس کا عرش حرکت میں آجاتا ہے۔(۱)

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کام سے اللہ کی مدد و حفاظت اٹھائی جاتی ہے۔ افسوس کہ بعض علما بھی اس بدترین گناہ میں آج ملوث ہیں اور امت کے لیے ان کا یہ فعل خطرہ بنا ہوا ہے۔

شریروں کی ہمت افزائی

۳- تیسری شرط یہ ہے کہ ’’امت کے اچھے لوگ بُرے لوگوں کو امیدیں نہ دلائیں‘‘۔

غالباً یہ مطلب ہے کہ شریروں کی اصلاح کے بہ جائے ان کی شرارتوں پر ان کی حوصلہ افزائی کریں اور ان کی ان حرکات پر ان کو امید دلائیں کہ اس کام سے بڑا فائدہ ہوگا؛ حالاں کہ وہ فائدے کا نہیں، ضرر و نقصان کا کام ہوگا، محض خوشامد و چاپلوسی اور دنیوی مفاد کی خاطر وہ ایسا کریں، تو پھر اللہ کی حفاظت سے امت محروم کر دی جائے گی۔

انتخابات کے موقعے پر یہ صورتِ حال خوب دیکھنے کو ملتی ہے کہ صاحبِ جُبہ و دستار لوگ بھی کسی نہ کسی سیاسی کھلاڑی اور سیاست باز لیڈر کی حوصلہ افزائی اور اس کو امید دلانے میں (کہ آپ ضرور کام یاب ہوں گے، آپ سے امت اور ملت کو یہ فائدہ ہوگا) لگے ہوتے ہیں اور اس کے پیچھے وہی مفاد پرستی و چاپلوسی کارفرما ہوتی ہے۔

اللہ کی حفاظت اٹھالی جائے گی

اس صورتِ حال پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے جملوں میں فرمایا کہ اللہ اپنا ہاتھ امت سے اٹھالے گا اور ان پر جبار و قہار بادشاہوں اور حاکموں کو مسلط کر دے گا، جو انھیں بدترین عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور ان کو فقر و فاقے میں مبتلا کر دے گا اور ان کے دلوں کو دشمنوں کے رُعب سے بھر دے گا۔

کیا آج کے دور میں امت ان سارے حالات و حوادثات کا شکار نہیں ہے؟ ظالم بادشاہوں کا تسلط بھی ہے، فقر و فاقہ بھی بہت سے ممالک میں ہے اور دشمنوں کے رعب سے قلوب کا بھر جانا بھی دکھائی دیتا ہے، اس سے چھٹکارا اس وقت حاصل ہوگا جب کہ ان شرائط کو پورا کیا جائے، جو ابھی مذکور ہوئے۔

(۱) شعب الایمان: ۴/۲۳۰، دیلمی: ۱/۳۳۶

«عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ - أَرَاهُ مَرْفُوْعاً - قَالَ : يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ ، يَدْعُو الْمُؤْمِنُ لِلْجَمَاعَةِ فَلَايُسْتَجَابُ لَهُ ، يَقُوْلُ اللّٰهُ : اُدْعُنِي لِنَفْسِكَ وَلِمَا يَحْزُبُكَ مِنْ خَاصَّةِ أَمْرِكَ، فَأُجِيْبُكَ ؛ وَأَمَّا الْجَمَاعَةُ فَلِأَنَّهُمْ أَغْضَبُوْنِي .(وفي رواية) فَإِنِّي عَلَيْهِمْ غَضْبَانٌ . »

ترجمہ: حضرت انس ﷺ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ مؤمن، مسلمانوں کی جماعت کے لیے دعا کرے گا، مگر مقبول نہیں کی جائے گی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: تو اپنی ذات کے لیے اور اپنی پیش آمدہ ضروریات کے لیے دعا کر، میں قبول کرتا ہوں؛ لیکن عام لوگوں کے حق میں قبول نہیں کروں گا، اس لیے کہ انھوں نے مجھے ناراض کرلیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ میں ان سے ناراض ہوں۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو ابن المبارکؒ نے کتاب الرقائق میں دو جگہ بہ رقم: (۴۵۸، ص:۱۵۵) و بہ رقم: (۱۰۸۶، ص:۳۸۴) پر روایت کیا ہے؛ نیز ابو نعیمؒ نے حلیۃ الأولیاء: (۶/۱۷۵) میں، دیلمیؒ نے مسند الفردوس: (۵/۴۴۵) میں روایت کیا ہے۔ ابو نعیمؒ نے اس کو روایت کر کے فرمایا کہ ''یہ حدیث ''صالح المری'' کی روایت سے غریب ہے، اس کی روایت میں ''داؤد بن المحبر'' متفرد ہیں''۔ (حلیۃ: ۶/۱۷۵) میں کہتا ہوں کہ ''صالح المری'' کی تضعیف اوپر کی حدیث اور اس سے قبل حدیث نمبر ۳۲ میں گذر چکی ہے۔

اور اس حدیث کا راوی ''داؤد بن المحبر'' بھی انتہائی ضعیف ہے، امام بخاریؒ نے فرمایا کہ یہ ''منکر الحدیث'' ہے اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ ''یہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا اور اس کو اس کا علم ہی نہیں کہ

حدیث کیا ہے!!''؛ ابو حاتمؒ نے فرمایا کہ''غیر ثقہ، منکر الحدیث ہے''، اسی طرح ابو زرعہؒ و ابو داودؒ وغیرہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور ابنِ حبانؒ نے حد کر دی ! فرمایا کہ'' وہ حدیث وضع کرتا تھا اور علما نے اس کے ترک پر اجماع کیا ہے''(دیکھو: التاریخ الکبیر : (۲۴۴/۳)، الجرح و التعدیل : (۴۲۴/۳)، المغني في الضعفاء : (۳۲۱/۱)، الضعفاء والمتروکین : (۲۶۷/۱) البتہ یحیٰ بن معینؒ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ ثقہ ہیں ؛ لیکن حدیث کا مشغلہ چھوڑ دیا تھا اور زہد و عبادت اختیار کر لی تھی اور بڑی عمر میں حدیث بیان کی، تو غلطی کرنے لگے۔ میزان الإعتدال : (۳۳/۳)

اور تہذیب و میزان میں ہے کہ یحیٰؒ نے فرمایا کہ'' یہ برابر حدیث کے سلسلے میں معروف تھے، پھر اس کو ترک کر دیا اور معتزلہ کے ساتھ رہنے لگے، انھوں نے ان کو بگاڑ دیا، ویسے وہ ثقہ ہیں''۔ (التھذیب : ۵۷۰/۱، و میزان الإعتدال : ۳۳/۳) مگر داود بن المجر کی متابعت عبداللہ بن المبارکؒ اور ہیثم بن جمیل نے کی ہے؛ (جیسا کہ کتاب الرقائق سے ظاہر ہے) لہٰذا یہ ضعف ختم ہو گیا، اب صرف ''صالح المری'' کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ (واللّٰہ أعلم)

خدا کی ناراضی کا دور

حدیث کی مراد واضح ہے کہ امت عام طور پر گناہوں میں مبتلا ہوگی، تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض و غضب ناک ہوں گے، اگر کوئی آدمی نیک و متقی ہوگا اور وہ امت کے لیے دعا کرے گا، تو یہ کہہ دیا جائے گا کہ تو اپنے لیے دعا کر، تو قبول کر لی جائے گی، مگر امت کے عام لوگ چوں کہ مجھے غضب ناک و ناراض کر چکے ہیں؛ اس لیے ان کے حق میں دعا قبول نہیں کروں گا۔

آج جو اللہ کے اولیا و بزرگانِ دین امت کے لیے دعا کرتے ہیں، مگر قبول نہیں ہوتی، اس کی وجہ اس حدیث سے سمجھ میں آتی ہے کہ جب امت عموماً گناہوں کی وجہ سے خدا کی ناراضی کا محل بنی ہوئی ہے، تو کسی بزرگ کا دعا کرنا کافی نہ ہوگا جب تک کہ گناہوں سے باز آ کر اللہ سے تعلق نہ پیدا کر لیا جائے۔

اس پر حضرت اقدس مرشدی و مولائی مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ کا ملفوظ، جو بارہا

سنا ہوا ہے یاد آیا، حضرت نے فرمایا کہ

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ آج ہر جگہ امت کے لیے دعائیں ہورہی ہیں حرم شریف میں، مساجد میں، بزرگوں کے پاس؛ مگر یہ دعائیں کیوں قبول نہیں ہورہی ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی لڑکا باپ کی دکان پر بیٹھ کر غلطی کردے اور باپ اس کو دکان سے نکال دے اور اس لڑکے کے چچا، تایا اور دیگر رشتہ دار، سب مل کر اس لڑکے کے باپ سے معافی مانگیں اور وہ لڑکا خود معافی نہ مانگے، تو کیا باپ معاف کردے گا؟ اسی طرح امامِ حرم اور بزرگانِ امت معافی مانگیں اور خود مجرم و گنہ گار لوگ معافی نہ مانگیں، تو اللہ تعالیٰ کیسے معاف کریں گے؟

غرض یہ کہ امت عام طور پر گناہوں میں مبتلا ہو اور معافی نہ مانگے اور کوئی اللہ والا ان کے حق میں معافی مانگے اور ان کی ضروریات و حاجات کی درخواست کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہ کریں گے۔

« عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ ، يَكُوْنُ هِمَّةُ أَحَدِهِمْ فِيْهِ بَطْنَهُ وَدِيْنَهُ هَوَاهُ. »

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ لوگوں پر ایک دور آئے گا، جس میں آدمی کا اہم مقصد شکم پروری بن جائے گا اور خواہش پرستی اس کا دین ہوگا۔

تخریج و شرح

اس کو ابن عباس ﷺ سے امام ابن المبارکؒ نے اپنی کتاب الرقائق میں بہ رقم: (۵۶۸، ص: ۴۹۷) میں روایت کیا ہے اور ابن المبارکؒ تک اس کی سند صحیح ہے؛ کیوں کہ ابن المبارکؒ نے سعید بن ابی ایوبؒ سے اور انھوں نے صفوان بن سلیمؒ سے اور انھوں نے ابن عباس ﷺ سے روایت کیا ہے۔ سعید بن ابی ایوبؒ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں (تہذیب الکمال: ۱۰/۳۴۴) اور صفوان بن سلیمؒ بڑے ائمہ و حفاظِ حدیث میں سے ہیں۔ (دیکھو: سیر أعلام النبلاء: ۵/۳۶۵ و الجرح و التعدیل: ۴/۴۲۴) اور امام احمدؒ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کا جہاں ذکر ہو آسمان سے بارش ہوتی ہے۔ (طبقات الحفاظ: ۱/۶۱)

جیب اور پیٹ کا دَور

ابن عباس ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا، جس میں آدمی کا بڑا، اہم مقصد "پیٹ کا مسئلہ ہوگا" اور "خواہش پرستی اس کا دین ہوگا"۔ آج کے دَور پر یہ دونوں باتیں صادق آتی ہیں اور پورے طور پر صادق آتی ہیں؛ چناں چہ پیٹ کا مسئلہ آج سارے مسائل میں سب سے بڑا اور اہم مسئلہ بنا ہوا ہے، آج تعلیم کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی شکم پروری ہے، گریجویٹ، ڈاکٹر،

انجینئر اور دیگر ماہرینِ علوم وفنون کے پیشِ نظر اگر کوئی چیز ہے، تو وہ یہی پیٹ کا مسئلہ ہے اور اسی لیے اس ذہنیت کے لوگ علما وطلبا اور مدارسِ اسلامیہ کو دیکھ کر پریشان ہوتے ہیں کہ یہ کیسے لوگ ہیں، جو اپنے پیٹ کے لیے کوئی راستہ وسبیل نہیں نکالتے ؟!! اور اس قسم کے لوگ علما کو مشورہ بھی دیتے ہیں کہ مدارس میں دینی تعلیم کا نظام رکھا جائے، صنعت وحرفت سکھائی جائے اور کچھ ٹکنالوجی کی تعلیم دی جائے وغیرہ؛ مگر ان بے چاروں کو خبر نہیں کہ دنیا کا اہم مسئلہ پیٹ نہیں، یہ کافرانہ ذوق کی باتیں ہیں، اسلامی ذوق تو یہ کہتا ہے کہ پیٹ کا مسئلہ ایک ضمنی مسئلہ ہے، اصل مسئلہ دل کا مسئلہ ہے یا یوں کہیے کہ ”بطن کا مسئلہ اصل نہیں باطن کا مسئلہ اہم ہے“۔

غرض یہ کہ آج ہر کس وناکس پر پیٹ کے مسئلے کا بھوت سوار ہے، جس کی وجہ سے حرام وحلال کی تمیز نہیں کی جاتی اور جس طرح چاہے مال حاصل کرنے کی فکر کی جاتی ہے۔

دین داری یا ہوا پرستی؟

اسی طرح آج شہوتوں اور خواہشوں کی اتباع کو دین ومذہب اور اپنا اصلی کام سمجھ لیا گیا ہے، جیسے ایک دین دار آدمی دین پر چلنے کو اصلی کام سمجھتا ہے، اسی طرح یہ لوگ خواہش کی پیروی کو اصلی واہم کام سمجھتے ہیں، اس کے آثار آج بالکل واضح طور پر دکھائی دے رہے ہیں۔ آج سیرت کے جلسے منائے جاتے ہیں، مگر سارے کام نفس وخواہش پرستی کے ہوتے ہیں، جلوس نکالا جاتا ہے اس میں بینڈ، باجا بھی ہوتا ہے، ناچ بھی ہوتا ہے، گانے بھی ہوتے ہیں، شور وہنگامہ بھی کیا جاتا ہے، عریاں تصاویر کی نمائش بھی ہوتی ہے؛ سوچیے کہ کیا ان چیزوں کو دین وشریعت اور نبی کی سیرت سے دُور کا بھی کوئی واسطہ ہے؟!!

اسی طرح بعض جلسے کیے جاتے ہیں، جس میں نام دین کا ہوتا ہے، مگر وہاں بے پردہ عورتیں بھی بلائی جاتی ہیں، ویڈیو اور تصویر کشی کا نظم بھی ہوتا ہے؛ بل کہ بعض اوقات ان جلسوں میں بے دین اور ملحدانہ ذہنیت رکھنے والوں کو بلا کر ان کی آؤ بھگت کی جاتی ہے اور ایسے لوگوں سے تقاریر کروائی جاتی ہیں، جن میں وہ اسلام اور مدارس اور علما کے خلاف اپنی بھڑاس نکالتے ہیں، مگر وہاں کوئی حق کہنے والا نہیں ہوتا؛ بل کہ علما بھی محض مدعو ہونے کی وجہ سے ان کی تعریف کرکے چلے آتے ہیں؛ یہ

دین ہے یا خواہش پرستی؟

ابھی مجھے ایک سیرت کے جلسے کا دعوت نامہ ملا ہے، جس میں مجھے بھی بہ حیثیت مقرر دعوت دی گئی تھی اور میں نے قبول بھی کر لیا تھا، مگر دعوت نامہ دیکھ کر اِنکار کرنا پڑا؛ کیوں کہ اس سیرت کے جلسے میں ایک غیر مسلم رہنما کے ہاتھوں ''ڈاکٹر امبیڈکر'' کی مورتی کو ہار پہنایا جائے گا۔ آخر سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے سے اس کو کیا تعلق؟ یہ محض دین کے نام پر نفس پرستی یا مفاد پرستی نہیں تو اور کیا ہے؟

بنگلور میں ایک دینی مدرسے کا طلائی جلسہ ہوا، تو وہاں وہ سب کچھ ہوا، جو ایک سیاسی و غیر مذہبی جلسے میں ہوتا ہے اور دیکھنے والوں نے بتایا کہ دُور دُور تک کوئی بات ایسی نظر نہیں آئی، جو یہ محسوس کرا دے کہ دینی مدرسے کا جلسہ ہے۔

اس قسم کی بے شمار مثالیں معاشرے میں ملتی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آج دین کے نام پر نفس پرستی کی عیاری کس طرح پھیلی ہوئی ہے۔

« عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِي صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ أَقْوَامٌ إِخْوَانُ العَلَانِيَةِ أَعْدَاءُ السَّرِيْرَةِ ؛ فَقِيلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَكَيْفَ يَكُوْنُ ذٰلِكَ ؟ قَالَ: ذٰلِكَ بِرَغْبَةِ بَعْضِهِمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَرَهْبَةِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ. »

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آخری زمانے میں ایسی قومیں ہوں گی، جو اوپر سے خیر سگالی کا مظاہرہ کریں گی اور اندر سے ایک دوسرے کی دشمن ہوں گی؛ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا: ایک دوسرے سے (شدید نفرت رکھنے کے باوجود صرف) خوف اور لالچ کی وجہ سے (بہ ظاہر دوستی کا مظاہرہ کریں گے)۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو امام احمدؒ نے مسند أحمد: (۲۲۰۵۵) بزارؒ نے مسند بزار: (۷/۹۴) طبرانیؒ نے المعجم الأوسط: (۱/۱۳۸) اور مسند الشامیین: (۲/۳۴۱) میں روایت کیا ہے۔ طبرانیؒ نے المعجم الأوسط میں فرمایا کہ "اس حدیث کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اس سند کے سوا دوسری سند سے روایت نہیں کیا گیا ہے اور ابوبکر ابن ابی مریم اس کی روایت کرنے میں متفرد ہیں" اور علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد: (۷/۵۶۱) میں فرمایا کہ اس کی سند میں ابوبکر ابن ابی مریم ہے، جو کہ ضعیف ہے۔

راقم کہتا ہے کہ ابوبکر بن ابی مریم کی احمدؒ، ابن معینؒ، ابوذرعہؒ نے تضعیف کی ہے، جوزجانیؒ نے فرمایا کہ قوی نہیں ہے؛ اسی طرح نسائیؒ ودار قطنیؒ نے ضعیف کہا ہے اور ابن عدیؒ نے فرمایا کہ ان کی حدیثیں صالح ہیں، مگر ان سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا ہے۔ (دیکھو التھذیب الکمال: ۳۳/۱۰۹، التھذیب ۴/۴۹۰ میزان الاعتدال ۷/۳۳۵)

ظاہرداری وچاپلوسی کا دور

اس حدیث میں آخری زمانے کی ایک حالت بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ لوگ ظاہر میں دوست اور بھائی بنے ہوئے ہوں گے اور اندرونی طور پر دشمن ہوں گے؛ یعنی ظاہراً دوستی کا مظاہرہ کریں گے اور حقیقت میں دوستی نہ ہوگی؛ بل کہ دل میں بُغض ونفرت اور عداوت ہوگی۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیوں ہوگا؟ یعنی لوگ ایسا کیوں کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ بیان فرمائی کہ اس کی وجہ، یا تو یہ ہوگی کہ ایک دوسرے سے حرص ولالچ رکھیں گے؛ اس لیے دل میں بُغض وعداوت ہونے کے باوجود، محبت اور دوستی ظاہر کریں گے، تاکہ اس کی وجہ سے کچھ مال و دولت وہ دے دے یا اس لیے ایسا کریں گے کہ ایک دوسرے کا خوف ہوگا کہ ہم دشمنی ظاہر کریں گے، تو کہیں ہمارے خلاف کارروائی نہ ہوجائے، محض دنیوی حرص ولالچ اور خوف وڈر کی بنا پر یہ ظاہری دوستی ہوگی، ورنہ حقیقت کے لحاظ سے دیکھا جائے، تو دل میں عداوت ہوگی۔

«عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً، وَفِتْنَةُ أُمَّتِي "الْمَالُ".»

ترجمہ: حضرت کعب بن عیاض ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہے اور میری امت کا خاص فتنہ "مال" ہے۔

تخریج و شرح

اس کو ترمذیؒ نے بہ رقم: (۲۳۳۶) احمدؒ نے بہ رقم: (۱۷۴۷۱) اور ابن حبانؒ نے الصحیح: (۸/۱۷) حاکمؒ نے المستدرک: (۷۹۷۷) طبرانیؒ نے المعجم الأوسط: (۳/۳۲۵) والمعجم الکبیر: (۱۹/۱۷۹) قضاعیؒ نے مسند الشہاب: (۲/۱۲۴) بیہقیؒ نے شعب الإیمان: (۷/۲۸۰) اور دیلمیؒ نے مسند الفردوس: (۳/۳۳۸) میں روایت کیا ہے، حاکمؒ نے "صحیح الاسناد" کہا اور ترمذیؒ نے "حسن" قرار دیا ہے۔

مالی فتنوں کا دور

بعض علما نے فتنے کی تفسیر "آزمائش و امتحان" سے کی ہے، جیسا کہ قرآن میں آیا ہے ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (کہ تمہارے اموال و اولاد آزمائش ہیں) اور بعض نے فرمایا کہ فتنے سے مراد "معصیت و گناہ" ہے؛ یعنی مال کے ذریعے گناہوں اور معصیتوں میں ابتلا ہوتا ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر امت کو کسی نہ کسی طرح کا فتنہ (یعنی آزمائش) پیش آیا ہے اور میری امت کے لیے مال کو آزمائش و امتحان کا ذریعہ بنایا گیا؛ لہٰذا اگر وہ مال کو اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کا شکر کرتی اور اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتی ہے، تو کام یاب ہوگی اور اگر محض اپنی محنت و قابلیت کا نتیجہ سمجھ کر من مانی کرے گی اور حرام و حلال کی تمیز کے بغیر بٹورے گی اور اس کے خرچ

کرنے میں شریعت کے احکام سے غفلت برتے گی، تو ناکام ہوگی۔ یہ ہے آزمائش ہونے کا مطلب اور اگر فتنے کے دوسرے معنے مراد لیں، تو معنے یہ ہوں گے کہ ”ہر امت کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئی ہے اور میری امت کا گناہ میں ابتلا مال کی وجہ سے ہوگا کہ وہ مال کی محبت میں گرفتار ہو کر اچھے بُرے کی تمیز کھو دے گی اور حرام وحلال ہر چیز اختیار کرے گی اور گمراہ ہوگی“۔

مالی فتنے کی شکلیں

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مال کا فتنہ مختلف شکلوں سے پیش آتا ہے:

۱- مال کے حاصل کرنے میں حرام وحلال کی تمیز نہ کرنا۔

۲- مال کے حاصل کرنے میں حد سے تجاوز کرنا، جس سے دیگر احکاماتِ شرعیہ میں فتور واقع ہو، مثلاً: اس طرح مشغول ہو گیا کہ نمازوں کی خبر نہ رہی۔

۳- مال کی محبت میں مبتلا ہو جانا۔

۴- مال کے خرچ کرنے میں اچھے اور بُرے مصرَف کا خیال نہ کرنا۔

۵-حرام کاموں کے لیے مال کو خرچ کرنا۔

۶- فضول طور پر مال کو اڑانا۔

۷- مال کے صحیح جگہ خرچ کرنے میں بخل کرنا۔

۸- مال سے حقوق اللہ اور حقوق العباد اَدا نہ کرنا؛ مثلاً: زکات وصدقات کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا، ماں باپ، بیوی بچوں اور دیگر رشتہ داروں کے حقوقِ مالیہ ادا کرنے میں کوتاہی کرنا اور مساکین وغربا وغیرہ کو دینے میں پہلو تہی کرنا وغیرہ۔ان شکلوں میں سے کچھ لوگ کسی میں مبتلا ہیں، تو دوسرے کسی اور میں مبتلا ہیں، اس طرح یہ مالی فتنہ امت کو اپنے نرغے میں لے چکا ہے، (إلا ماشاء اللّٰہ)

❀❀❀

« عَنْ عَبَّاسِ بْنِ الْمُطَّلِبِ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَظْهَرُ هٰذَا الدِّيْنُ، حَتّٰى يُجَاوِزَ الْبِحَارَ، وَحَتّٰى يُخَاضَ الْخَيْلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ؛ ثُمَّ يَأْتِي أَقْوَامٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ، فَإِذَا قَرَءُوْهُ قَالُوْا: قَدْ قَرَأْنَا الْقُرْآنَ، فَمَنْ أَقْرَءُ مِنَّا؟ مَنْ أَعْلَمُ مِنَّا؟ ثُمَّ الْتَفَتَ إِلٰى أَصْحَابِهٖ فَقَالَ: هَلْ تَرَوْنَ فِي أُولٰئِكَ مِنْ خَيْرٍ؟ فَالُوْا: لَا، قَالَ: فَأُولٰئِكَ مِنْكُمْ وَأُولٰئِكَ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَأُولٰئِكَ وَقُوْدُ النَّارِ. »

ترجمہ: حضرت عباس بن عبدالمطلب ﷺ سے روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ دین یہاں تک پھیلے گا کہ سمندر تک پہنچ جائے گا اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے بَر و بحر میں گھوڑے دوڑائے جائیں گے؛ اس کے بعد ایسے گروہ آئیں گے، جو قرآن مجید پڑھ لینے کے بعد کہیں گے، "ہم نے قرآن تو پڑھ لیا، اب ہم سے بڑا قاری کون ہے؟ ہم سے بڑھ کر عالم کون ہے؟ پھر آپ ﷺ نے صحابہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ ان میں ذرا بھی خیر ہوگا؟ صحابہ ﷺ نے عرض کیا: نہیں! فرمایا: مگر ایسے لوگ بھی تم مسلمانوں ہی میں شمار ہوں گے، ایسے لوگ بھی اسی امت میں ہوں گے، یہ لوگ (دوزخ کی) آگ کا ایندھن ہوں گے۔

تخریج و شرح

اس کو بزارؒ نے المسند: (۱۴۹/۴) میں، ابویعلیٰ نے اپنے مسند: (۵۶/۱۲) میں، دیلمیؒ نے مسند الفردوس: (۵۱۵/۵) میں، ابن المبارکؒ نے الزھد لابن المبارک: (۴۵۰/۱۵۲) میں، حضرت عباس بن عبد المطلب ﷺ سے روایت کیا ہے اور طبرانیؒ نے المعجم الأوسط: (۲۲۱/۶) میں، بزارؒ نے المسند: (۴۰۵/۱) میں، حضرت عمر ﷺ سے

روایت کیا ہے۔

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی روایت میں "موسیٰ بن عبیدہ الزبیدی" راوی ہے اور وہ ضعیف ہے (كما في مجمع الزوائد: ۱/ ۴۴۲) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی روایت میں بزار کے تمام روای قابلِ وثوق واعتبار ہیں۔ (كما في المجمع أيضاً: (۴۴۲/۱) لہٰذا پہلی روایت کی شاہد، یہ دوسری روایت ہو جائے گی اور قابلِ اعتبار ٹھہرے گی۔

خود پسندی کا دَور

اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً بشارت سنائی کہ دین سمندروں تک پھیل جائے گا، یعنی سمندر پار کے ملکوں میں بھی پہنچ جائے گا اور دین کی حفاظت واشاعت کے لیے اللہ کے راستے میں گھوڑے دوڑائے جائیں گے، جیسا کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ نے کہا ہے۔

محفلِ کون ومکاں میں سحر وشام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے

کوہ میں، دشت میں، لے کر ترا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھ کو، کبھی ناکام پھرے؟

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے!
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے!

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورتِ حال میں تبدیلی وانقلاب کا ذکر فرمایا کہ اس کے بعد کچھ لوگ آئیں گے، جو قرآن پڑھیں گے اور اپنے آپ کو سب سے بڑا "قاری وعالم" کہیں گے؛ یعنی تھوڑا علم حاصل کر کے بڑے بڑے دعوے کریں گے، یہ ظاہر پرست اور مکار وچال باز علما ہوں گے، یا خوش الحان قرا ہوں گے، جو اس ظاہر پرستی اور خوش الحانی کو سب کچھ سمجھ لیں گے۔ آخر حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ اسی امت میں سے ہوں گے اور یہ لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

علمائے سوء سے اسلام کو نقصان

اس حدیث میں بڑی اہم اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً

تو اسلام کی ترقیات وفتوحات کا ذکر کیا، پھر کچھ علما وقرا کا ذکر کیا، جو خود پسندی یا اَنا نیت میں مبتلا ہوں گے اور اس گروہ کو اس طور پر ذکر کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کی ترقیات اور فتوحات میں یہی لوگ رکاوٹ ہیں؛ کیوں کہ اس گروہ کو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اسلام کی ترقی کا ذکر کرنے کے بعد بہ طورِ تقابل پیش کیا ہے۔

یہ بڑی قابلِ عبرت بات ہے اور سو فیصد صحیح ہے، کیوں کہ خود پسندی اور اَنا پرستی کی وجہ سے یہ لوگ نہ علمائے حق کا ساتھ دیتے ہیں اور نہ علمائے حق کو آگے آنے دیتے ہیں؛ بل کہ ان کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش میں اپنی ہمت اور وقت واستعداد خرچ کرتے ہیں، مقصد صرف اپنی اَنا کی تسکین اور اپنی عزت وشہرت کا بقا وتحفظ ہوتا ہے؛ پھر دین کو ترقی کیسے ہوگی اور فتوحات کا دروازہ کہاں سے کھلے گا؟

اس سے معلوم ہوا کہ علمائے سُو ہی اسلام کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتے ہیں؛ لہٰذا اس حدیث میں قرآن پڑھنے والوں سے مراد علمائے سُو ہیں، جو صرف اپنے دنیوی مفادات اور نام وشہرت کے لیے دینی علوم حاصل کرتے اور اس کی خدمت کرتے ہیں۔

جدت پسند طبقے سے اسلام کو نقصان

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں، جو صحیح معنے میں نہ قرآن پڑھتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں؛ بل کہ تھوڑا بہت الٹا سیدھا پڑھ کر اجتہاد کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور علما سے بھی ٹکر لینے کی کوشش کرتے ہیں؛ جیسا کہ آج جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں ایک طبقہ اسلامیات سے دل چسپی رکھتا ہے، مگر اس کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ اپنی اَنا نیت وخود پسندی کی وجہ سے علمِ شریعت کی تحصیل میں کسی اصول وضابطے کی پابندی نہیں کرنا چاہتا اور نہ کسی کی شاگردی کا قائل ہے؛ بل کہ اپنی بے بصیرتی کے ساتھ قرآن پڑھ کر اپنی ذہنی وعقلی تاویلاتِ رکیکہ وفاسدہ ہی کو تفسیرِ قرآن وتفہیمِ قرآن کا نام دے دیتا ہے اور علما کو بھی انھی تاویلات کو ماننے کی دعوت دیتا ہے، ورنہ ان پر جُمود وتعطُّل کا حکم لگاتا اور فہمِ قرآن سے بے بہرہ قرار دیتا ہے؛ اس میں کیا شک ہے کہ یہ گروہ بھی اسلام کی ترقی میں رکاوٹ ہے؟ غرض یہ کہ اس حدیث میں قرآن پڑھنے والوں سے علمائے سُو مراد ہیں یا عالم نما جہلا مراد ہیں، جن سے اسلام کی ترقی رُک گئی ہے۔

« عَنْ حُذَيْفَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مِنْ اِقْتِرَابِ السَّاعَةِ اِثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ خَصْلَةً :

إِذَارَأَيْتُمُ النَّاسَ اَمَاتُوْا الصَّلَاةَ ، وَأَضَاعُوا الْأَمَانَةَ ، وَأَكَلُوْاالرِّبَا ، وَ اسْتَحَلُّوْا الْكِذْبَ ، وَاسْتَخَفُّوْا بِالدِّمَاءِ ، وَاسْتَعْلُوْا الْبِنَاءَ ، وبَاعُوْاالدِّيْنَ بِالدُّنْيَا ، وَتَقَطَّعَتِ الْأَرْحَامُ ، وَيَكُوْنُ الْحُكْمُ ضَعْفاً ، وَالْكِذْبُ صِدْقًا، والْحَرِيْرُ لِبَاسًا ، وَظَهَر الْجَوْرُ، وَكَثُرَتِ الطَّلَاقُ ، وَمَوْتُ الْفُجَاءَةِ، وَائْتُمِنَ الْخَائِنُ ، وَخُوِّنَ الْأَمِيْنُ ، وَصُدِّقَ الْكَاذِبُ ، وَكُذِّبَ الصَّادِقُ، وَكَثُرَالْقَذْفُ ، وَكَانَ الْمَطَرُ قَيْظًا ، وَالْوَلَدُ غَيْظًا ، وَفَاضَ اللِّئَامُ فَيْضًا ، وَغَاضَ الْكِرَامُ غَيْضًا ، وَكَانَ الْأُمَرَاءُ وَالْوُزَرَاءُ كَذَبَةً ، وَالْأُمَنَاءُ خَوَنَةً ، والْعُرَفَاءُ ظَلَمَةً ، وَالْقُرَّاءُ فَسَقَةً ، إِذَالَبِسُوْا مُسُوْكَ الضَّأْنِ، قُلُوْبُهُمْ اَنْتَنُ مِنَ الْجِيَفِ ، وَاَمَرُّ مِنَ الصَّبْرِ، يُغَشِّيهِمُ اللّٰهُ فِتْنَةً ، يَتَهَارَكُوْنَ فِيْهَا تَهَارُكَ الْيَهُوْدِ الظَّلَمَةِ ، وَتَظْهَرُالصَّفْرَاءُ ؛ يَعْنِي " الدَّنَانِيْرَ " ، وَتُطْلَبُ الْبَيْضَاءُ ، وَتَكْثُرُ الْخَطَايَا ، وَيَقِلُّ الْأَمْنُ ، وَحُلِّيَتِ الْمَصَاحِفُ ، وَ صُوِّرَتِ الْمَسَاجِدُ ، وَطُوِّلَتِ الْمَنَابِرُ ، وَخُرِّبَتِ الْقُلُوْبُ ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ ، وَعُطِّلَتِ الْحُدُوْدُ ، وَوَلَدَتِ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا ، وَتَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ قَدْصَارُوْا مُلُوْكاً ، وَشَارَكَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا فِي التِّجَارَةِ ، وَتَشَبَّهَ الرِّجَالُ بِالنِّسَاءِ ، وَالنِّسَاءُ بِالرِّجَالِ ، وَحُلِفَ بِغَيْرِاللّٰهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُسْتَحْلَفَ ، وَشَهِدَ الْمُؤْمِنُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُسْتَشْهَدَ ، وَسُلِّمَ لِلْمَعْرِفَةِ ، تُفَقِّهَ لِغَيْرِ دِيْنِ اللّٰهِ ، وَطُلِبَ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ ، وَاتُّخِذَ الْمَغْنَمُ دُوَلاً ، وَالْأَمَانَةُ مَغْنَماً ، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا ، وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلُهُمْ ، وَعَقَّ الرَّجُلُ أَبَاهُ ، وَجَفَا أُمَّهُ، وَضَرَّ صَدِيْقَهُ ، وَأَطَاعَ اِمْرَأَتَهُ ، وَعَلَتْ أَصْوَاتُ الْفَسَقَةِ فِي الْمَسَاجِدِ ، وَاتُّخِذَ

الْقِيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ فِي الطُّرُقِ ، وَاتُّخِذَ الظُّلْمُ فَخْراً ، وَبِيْعَ الْحُكْمُ ، وَكَثُرَتِ الشُّرَطُ ، وَاتُّخِذَ الْقُرْآنُ مَزَامِيْرَ ، وَجُلُوْدُ السِّبَاعِ خِفَافًا ، وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا ؛ فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذَالِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفاً وَآيَاتٍ .»

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر (۷۲) چیزیں قرب قیامت کی علامت ہیں، جب تم دیکھو:

۱-لوگ نمازیں غارت کرنے لگیں-۲-امانت ضائع کرنے لگیں-۳-سود کھانے لگیں-۴-جھوٹ کوحلال سمجھنے لگیں-۵-معمولی بات پر خون ریزی کرنے لگیں-۶-اونچی اونچی بلڈنگیں بنانے لگیں-۷-دین بیچ کر دنیا سمیٹنے لگیں-۸-قطع رحمی، یعنی رشتہ داروں سے بدسلوکی ہونے لگے-۹-انصاف کمزور ہوجائے-۱۰-جھوٹ سچ بن جائے۔

۱۱-لباس ریشم کا ہوجائے-۱۲،۱۳،۱۴-ظلم، طلاق، اورناگہانی موت عام ہوجائے-۱۵،۱۶-خیانت کار کوامین اورامانت دار کوخائن سمجھا جائے-۱۷،۱۸-جھوٹے کوسچا اور سچے کوجھوٹا کہا جائے-۱۹-تہمت تراشی عام ہوجائے-۲۰-بارش کے باوجود گرمی ہو۔

۲۱-اولاد غم وغصے کا موجب ہو-۲۲-امیر، وزیر جھوٹ کے عادی بن جائیں-۲۳-شریفوں کے ناک میں دم آجائے-۲۴-کمینوں کے ٹھاٹ ہوں-۲۵-امین خیانت کرنے لگیں-۲۶-چودھری ظلم پیشہ ہوں-۲۷-عالم اورقاری بدکار ہوں-۲۸-جب لوگ بھیڑ کی کھالیں (پوستین) پہننے لگیں-۲۹،۳۰-ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار اورایلوے سے زیادہ تلخ (کڑوے) ہوں، اس وقت اللہ تعالیٰ انہیں ایسے فتنے میں ڈال دے گا، جس میں یہودی ظالموں کی طرح بھٹکتے پھریں گے۔

۳۱-اور(جب) سونا عام ہوجائے گا-۳۲-چاندی کی مانگ ہوگی-۳۳-گناہ زیادہ ہوجائیں گے-۳۴-امن کم ہوجائے گا-۳۵-مصاحف (قرآن) کو آراستہ کیا جائے گا-۳۶-مساجد میں نقش ونگار کیے جائیں گے-۳۷-اونچے اونچے منار بنائے جائیں گے-۳۸-دل ویران ہوں گے-۳۹-شرابیں پی جائیں گی-۴۰-شرعی سزاؤں کومعطل کردیا جائے گا۔

۴۱-لونڈی اپنی آقا کو جنے گی-۴۲- جو لوگ (کسی زمانے میں) پابرہنہ اور ننگے بدن رہا کرتے تھے، وہ بادشاہ بن بیٹھیں گے-۴۳- زندگی کی دوڑ میں اور تجارت میں، عورت مرد کے ساتھ شریک ہوجائے گی-۴۴، ۴۵-مرد، عورتوں کی اور عورتیں، مردوں کی نقالی کرنے لگیں گی-۴۶-غیر اللہ کی قسمیں کھائی جائیں گی-۴۷-مسلمان بھی بغیر کہے (جھوٹی) گواہی دینے کو تیار ہوگا-۴۸-جان پہچان پر سلام کیا جائے گا-۴۹-غیرِ دین کے لیے شرعی قانون پڑھا جائے گا-۵۰-آخرت کے عمل سے دنیا کمائی جائے گی-

۵۱، ۵۲، ۵۳-غنیمت کو دولت، امانت کو غنیمت کا مال اور زکات کو تاوان قرار دے دیا جائے گا-۵۴- سب سے رذیل آدمی قوم کا قائد بن بیٹھے گا-۵۵- آدمی اپنے باپ کا نافرمان ہوگا-۵۶- ماں سے بدسلوکی کرے گا-۵۷- دوست کو نقصان پہنچانے سے گریز نہ کرے گا-۵۸-اور بیوی کی اطاعت کرے گا-۵۹-بدکاروں کی آوازیں مسجدوں میں بلند ہونے لگیں گی-۶۰-گانے والی عورتیں داشتہ رکھی جائیں گی۔

۶۱-اور گانے کا سامان رکھا جائے گا-۶۲-(سرِ راہ شرابیں اڑائی جائیں گی-۶۳-ظلم کو فخر سمجھا جائے گا-۶۴-انصاف بکنے لگے گا-۶۵-پولیس کی کثرت ہوجائے گی-۶۶-قرآن کو نغمہ سرائی کا ذریعہ بنالیا جائے گا-۶۷-درندوں کی کھال کے موزے بنائے جائیں گے-۶۸-اور امت کا پچھلا حصہ، پہلے لوگوں کو لعن طعن کرنے لگے گا-۶۹-اس وقت سرخ آندھی-۷۰-زمین میں دھنس جانے-۷۱-شکلیں بگڑ جانے-۷۲-اور آسمان سے پتھر برسنے کے جیسے عذابوں کا انتظار کیا جائے۔

تخریج و شرح

اس کو ابو نعیمؒ نے حلیۃ الاولیاء: (۳/۳۵۸) میں روایت کیا ہے اور امام سیوطیؒ نے انہیں کے حوالے سے الدر المنثور میں اس کا ذکر کیا ہے، ابن حجر عسقلانیؒ نے التخلیص الحبیر میں اس حدیث کا ذکر کرکے فرمایا کہ "اس سند میں "فرج بن فضالہ" راوی ہے، جو "عبداللہ بن عبید بن عمیر" سے روایت کرتا ہے اور اس میں ضعف وانقطاع ہے"۔ (التلخیص الحبیر:

۳/ ۱۳۶۷)اور اس کے قریب قریب حضرت علی ﷺ سے بھی روایت آئی ہے(السنن الواردۃ: ۴/ ۸۳۹)اور نعیم بن حمادؒ نے الفتن: (۲/ ۶۴۲) میں حضرت ابن مسعود ﷺ سے دوسرے الفاظ کے ساتھ " باعوا الدین بالدنیا " تک روایت کیا ہے؛ نیز اوپر حضرت ابوموسیٰ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی طویل حدیثیں گذریں، جن میں اس حدیث کے بہت سے جملوں کے شواہدات موجود ہیں اور ان شواہد سے اس روایت کو تقویت ملتی ہے۔

نمازوں کو ضائع کریں گے

اوپر کی احادیث میں چوں کہ اس حدیث کے بہت سے جملوں کی شرح گذر چکی ہے؛ لہٰذا یہاں صرف ان جملوں کی تشریح لکھتا ہوں، جو واضح نہیں یا جو اوپر گذرے نہیں:

۱- فرمایا کہ قیامت کی ۷۲علامات ہیں، ایک یہ کہ "لوگ نمازوں کو غارت کریں گے"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ امت نماز میں غفلت و سستی کرے گی یا یہ معنیٰ ہے کہ نماز کو اس کے شرائط، فرائض، واجبات و آداب کی رعایت سے ادا نہیں کرے گی یا ظاہری شرائط واجبات و آداب کی رعایت تو کرے گی، مگر اخلاص اور خشوع وخضوع میں کمی کرے گی، جس کی وجہ سے نمازیں غارت ہوں گی۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ آج ان میں سے بھی باتیں پائی جاتی ہیں، کچھ لوگ تو سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے، کچھ لوگ پڑھتے ہیں، مگر جماعت کا اہتمام نہیں کرتے اور بعض ایسے ہیں، جو نماز کے اہم ارکان و وظائف اور مسائل و آداب تک سے واقف نہیں، بس ویسے ہی نماز پڑھتے ہیں اور جو اس کے پابند ہیں، وہ اخلاص وخشوع وخضوع سے عاری و خالی ہیں اور یہ عام بیماری ہے؛ اس طرح پوری امت آج نماز کو غارت کر رہی ہے۔(إلا ماشاء اللّٰہ)

۲- "امانت کو ضائع کریں گے"۔

امانت کا مفہوم بڑا وسیع ہے، اس میں جہاں لوگوں کی امانتیں داخل ہیں، وہیں اس میں اللہ و رسول کی امانتیں بھی داخل ہیں اور اللہ و رسول کی امانتوں سے مراد اللہ و رسول کے احکامات ہیں؛ لہٰذا اس حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ لوگ اللہ و رسول کے احکامات کو ضائع کریں گے یا یہ معنیٰ ہے کہ

لوگوں کی امانتیں رکھ کر اس کی حفاظت ونگہ داشت نہیں کریں گے یا یہ کہ خود کھائیں گے اور اس طرح امانتوں کو ضائع کریں گے۔

۳-''سود کھائیں گے''۔

اوپر گذر چکا کہ لوگ سود کھائیں گے اور سود نہیں تو کم از کم اس کا گرد وغبار تو ان کو ضرور لگے گا۔

۴-''انصاف کمزور ہو جائے گا''۔

یعنی انصاف کا مادہ کمزور ہو جائے گا، یا اہلِ حق کمزور ہو جائیں گے اور ان کے بالمقابل اہلِ باطل کو قوت وطاقت مل جائے گی۔

طلاق کی کثرت

۵-''طلاق عام ہو جائے گی''۔

آج یہ بات کھلے طور پر دیکھی جارہی ہے، ذرا ذرا سی بات پر لوگ طلاق دے دیتے ہیں اور طلاق بھی ایک دو نہیں، مکمل تین طلاق، حالاں کہ طلاق اسلام میں ناپسندیدہ ہے، صرف بہ ضرورت استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ " أبغض الحلال إلى الله الطلاق " (۱) یعنی اللہ کے نزدیک سبھی حلال چیزوں میں ناپسندیدہ اور مبغوض چیز طلاق ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام میں خاص حالات اور شدید ضرورت کے وقت طلاق کے استعمال کو مشروع کیا گیا ہے اور اس میں بے شمار حکمتیں اور مصالح ہیں؛ انہیں مصالح کے پیشِ نظر اسلام نے طلاق کو ضرورت کے وقت جائز قرار دیا ہے؛ مثلاً: اگر میاں اور بیوی کے درمیان تمام کوششوں کے باوجود، نباہ کی کوئی صورت نہ ہو سکے اور ایک دوسرے کے حقوق کو یہ لوگ ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، تو ایسی صورت میں اسلام ان کو طلاق کے راستے جدا ہو جانے کی اجازت دیتا ہے، تاکہ یہ اپنی پسند کے مطابق شادی کر کے سکون کی زندگی گذار سکیں۔ ظاہر ہے کہ اگر عیسائی مذہب اور ہندو مذہب کی طرح شادی کے بعد طلاق کی صورت ہی نہ ہوتی، تو ایسے

(۱) أبو داؤد: ۲۱۷۸، ابن ماجہ: ۲۰۱۸

جوڑے ہمیشہ تنگی اور پریشانی میں مبتلا رہتے، ان کو سکون کی زندگی کبھی حاصل نہ ہوتی؛ اس لیے اسلام نے اس صورتِ حال کے لیے طلاق کو مشروع فرما کر احسانِ عظیم فرمایا ہے؛ مگر اس کا بے موقع اور بے ضرورت استعمال اللہ کو انتہائی ناپسند ہے، جس کا حدیثِ مذکور میں ذکر ہے۔

نیز اسلام میں طلاق کا ایک خاص طریقہ بھی مقرر ہے اور اس کا وقت بھی بتایا گیا ہے، اس طریقے کی رعایت کے بغیر طلاق دینا گناہ کی بات ہے؛ اسی طرح بات بات پر طلاق دینا جرم ہے، اسی کو اس جگہ قیامت کی علامت بتایا گیا ہے۔

۶- ''امیر و وزیر جھوٹ کے عادی بن جائیں گے''۔

آج کے سیاست دان اس کا پوری طرح مصداق ہیں، جو دن رات جھوٹ بولتے ہیں، مگر شرم وحیا ان کو نہیں آتی۔

۷- ''امانت رکھنے والے خیانت پیشہ ہو جائیں گے''۔

یعنی جن کو ان کی وضع قطع کے اعتبار سے لوگ امین خیال کریں گے، وہ بھی خیانت کرنے لگیں گے اور کوئی شخص بھی قابلِ وثوق واعتبار نہ رہے گا۔

بھیڑ کی کھال کا رواج

۸- ''لوگ بھیڑ کی کھالیں پہننے لگیں گے''۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو زاہد وراہب اور صوفی و بزرگ ظاہر کرنے کے لیے لوگ بھیڑ کی کھال کا لباس پہنیں گے، حالاں کہ ان کے دل دنیا کی محبت میں گرفتار ہوں گے۔

ابن ابی عاصم رحمۃ اللہ نے ''الزھد'' میں حضرت وہب ابن منبہ رحمۃ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ

> اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے علما سے فرمایا کہ غیرِ دین کے لیے فقہ پڑھتے ہو، بے عملی کے لیے علم حاصل کرتے ہو اور آخرت کے عمل سے دنیا طلب کرتے ہو اور بھیڑ کے چمڑوں کا لباس پہنتے ہو اور اپنے اندر بھیڑیے کا دل چھپا کر رکھتے ہو اور اپنے پینے کی چیزوں میں سے تنکا پڑا ہو، تو نکالتے ہو اور پہاڑ جیسی حرام

چیزیں ہڑپ کر جاتے ہو؟؟؟ (۱)

اور ابن ابی عاصم رحمۃ اللہ نے حضرت ربیع ابن انس ﷺ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیا میں سے ایک نبی پر وحی کی کہ آپ کی قوم کا کیا حال ہے کہ وہ بھیڑ کی کھالیں پہنتے ہیں اور راھبوں جیسی شکل بناتے ہیں، جن کا کلام شہد سے میٹھا اور دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہیں، کیا مجھ سے دھوکہ کھا رہے ہیں، یا مجھ کو دھوکہ دے رہے ہیں؟ الخ۔ (۲)

ان روایتوں میں بھیڑ کی کھال کو ''زہد و رہبانیت'' کی علامت بتایا گیا ہے اور سابقہ اقوام کے علما کی شکایت کی گئی ہے کہ وہ بھیڑ کی کھال پہن کر اپنے بھیڑیے جیسے دلوں کو اس میں چھپاتے ہیں۔

بیہقی رحمۃ اللہ نے شعب الإیمان میں ''سعید المقبری'' سے اور ابو نعیم رحمۃ اللہ نے حلیۃ الأولیاء میں ''نوف البکالی'' سے نقل کیا ہے کہ میں اللہ کی کتاب (توریت) میں اس امت کی ایک قوم کا ذکر پاتا ہوں، جو دین کے ذریعے دنیا کمائے گی اور جن کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی اور ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے ہوں گے، جو لوگوں کو دکھانے کے لیے بھیڑ کی کھال پہنیں گے اور ان کے دل بھیڑیے جیسے ہوں گے۔ (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ اس امت میں بھی ایسے دھوکے باز ہوں گے جو ''بھیڑ کے روپ میں بھیڑیے'' کے مصداق ہوں گے۔

بدبودار اور تلخ (کڑوا) دل

۹- ''ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار اور ایلوے سے زیادہ تلخ (کڑوے) ہوں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان پر فتنہ ڈال دیں گے، جس میں وہ یہودی ظالموں کی طرح حیران و پریشان بھٹکتے پھریں گے''۔

---

(۱) کتاب الزهد: ۱ / ۵۳

(۲) کتاب الزهد: ۱ / ۵۲

(۳) شعب الایمان: ۳۶۲/۵، حلیة الاولیاء: ۶ / ۴۹، تفسیر الطبری: ۵۷۴/۳، تفسیر ابن کثیر: ۲۶۹/۲

مطلب یہ ہے کہ گناہ کرتے کرتے ان کے دل انتہائی بدبودار اور تلخ ہو جائیں گے، ان میں محبتِ الٰہی و عشقِ رسول کی حلاوت نہ ہوگی اور نہ دین وشریعت سے تعلق و وابستگی کی خوشبو ہوگی اور یہ بدبوداراور تلخی اگرچہ محسوس نہیں ہوتی، مگر موجود ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے آدمی حق و باطل کی تمیز کھو بیٹھتا ہے اور حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھ لیتا ہے اور یہودی ظالموں کی طرح حیراں وسرگرداں رہتا ہے؛ چناں چہ یہود بے بہود بڑے بڑے معجزات دیکھنے کے باوجود ہمیشہ تذبذب کا شکار رہے اور برابر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پریشان کرتے رہے؛ یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہود کو ان کی بدبختیوں کی وجہ سے وادیٔ تیہ میں حیراں وسرگرداں رکھا، اسی طرح ان لوگوں کو بھی حیراں وسرگرداں رکھے گا۔

سونا عام ہوگا

۱۰- ’’سونا عام ہو جائے گا اور چاندی کی مانگ ہوگی‘‘۔

اس سے مراد عیاشی اور دنیا پرستی اور اسبابِ آسائش وآرائش میں اضافہ اور بڑھوتری ہے کہ قیمتی اشیا جیسے سونا عام ہو جائے گا، حتی کہ لوگوں کو چاندی دیکھنے کو بھی نہ ملے گی کہ وہ معمولی وحقیر چیز ہو جائے گی، جیسا کہ آج چاندی کا کوئی مقام نہیں رہا! اس لیے لوگ اس کو طلب کریں گے؛ کیوں کہ جب کوئی چیز کم ہو جاتی ہے، تو اس کی مانگ زیادہ ہو جاتی ہے۔

ظاہرداری

۱۱- ’’قرآن شریف کو مزین کیا جائے گا، مساجد کو منقش کیا جائے گا اور اونچے مینار بنائے جائیں گے، مگر دل ویران ہوں گے‘‘۔

یعنی ظاہر پر محنت ہوگی اور دکھاوا ہوگا، ناموری وشہرت مقصد ہوگا، مگر دل کی اصلاح کی فکر نہ ہوگی اور وہ اللہ ورسول کی محبت وعظمت سے خالی ہوں گے۔

۱۲- ’’شرعی سزاؤں کو معطل کردیا جائے گا‘‘۔

یعنی اسلام میں مقررہ سزاؤں کو ختم کر کے من مانی سزائیں جاری کی جائیں گی، جس سے لوگوں

میں مزید بُرائیاں پھیلیں گی، چوری اور شراب نوشی وغیرہ بدعملیاں اور رذائل عام ہوں گے ؛ کیوں کہ جب سزا نہ ہوگی، تو اس کا یہی نتیجہ ہوگا۔ آج یہ حدیث عموماً سبھی ملکوں پر اور بالخصوص اسلامی ملکوں پر صادق آتی ہے، جہاں آج اسلامی سزاؤں کو انگریزوں اور یہودیوں کے اعتراضات کی وجہ سے معطل کر کے رکھ دیا گیا ہے یا جزوی طور پر چند سزاؤں کو باقی رکھا گیا ہے اور اکثر حدود کو معطل کر رکھا ہے۔

لونڈی اپنی مالکن کو جنے گی

۱۳- "لونڈی اپنی مالکن کو جنے گی" اور بعض روایات میں ہے کہ "باندی اپنے آقا کو جنے گی"۔

اس کی تشریح میں علما کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) اکثر علما نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آخری دور میں باندیوں اور ان سے اولاد کا سلسلہ بہت بڑھ جائے گا اور باندی سے جو اولاد اس کے آقا کو ہوگی، وہ آقا کی اولاد ہونے کی وجہ سے اس باندی کی آقا و مالکن شمار ہوگی؛ حالاں کہ وہ اسی باندی سے جنے ہوئے ہیں۔

(۲) بعض نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ باندی کے بچوں میں بادشاہ ہونے لگیں گے، جب باندی کا بچہ بادشاہ ہوگا، تو یہ باندی بھی اس کی رعایا میں ہونے کی وجہ سے اس کی باندی اور وہ اس کا آقا ہوگا۔

(۳) بعض نے فرمایا کہ آخری دور میں باندیوں کی خرید و فروخت عام ہو جائے گی اور باندیاں ادھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر جب منتقل ہوں گی، تو بسا اوقات لاعلمی سے باندی کا لڑکا بھی اس باندی کو خرید لے گا، جس سے وہ پیدا ہوا ہے۔ (۱)

فقیر بادشاہ بن جائیں گے

۱۴- "جو لوگ کسی وقت ننگے پیر اور ننگے بدن رہنے پر مجبور تھے، وہ بادشاہ بن جائیں گے"۔

یعنی معمولی درجے کے اور غریب محتاج لوگ، جن کو کپڑا تک میسر نہ تھا، وہ بادشاہ بن بیٹھیں گے اور ظاہر ہے کہ وہ ناتجربہ کار ہوں گے اور لوگوں کے لیے دردِ سر بن جائیں گے۔

---

(۱) شرح مسلم للنووی: ۱/۲۲۳، ارشاد الساری: ۱/۲۰۵، فتح الملہم: ۱/۴۴۵

۱۵- ''عورت زندگی کی دوڑ میں مرد کے ساتھ تجارت میں شریک ہو جائے گی''۔

اس کی شرح حدیث نمبر ۴۵ کے تحت آئے گی۔

۱۶- ''جان پہچان والوں ہی کو سلام کیا جائے گا''۔

یہ دَور بھی آج دیکھنے کو مل رہا ہے کہ لوگ اسلام کی بنیاد پر سلام نہیں کرتے؛ بل کہ جان پہچان کی بنا پر کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کی علامت میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی صرف اپنی پہچان والوں کو سلام کرے گا۔[1] حالاں کہ حکم یہ ہے کہ جان پہچان ہو یا نہ ہو، سب کو سلام کرو۔

۱۷- ''غیرِ دین کے لیے قانونِ شرعی (فقہ) پڑھا جائے گا اور آخرت کے عمل سے دنیا کمائی جائے گی''۔

یہ علمائے سُو کا کردار ہے، جو صرف مال پیسے کی خاطر، قرآن وحدیث اور فقہ پڑھتے پڑھاتے ہیں اور آخرت مقصود نہیں ہوتی؛ اس لیے ایسے لوگ عالم ہونے کے باوجود دنیا پرست و دنیا دار ہوتے ہیں۔ حضرت مفتی شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ نے فرمایا کہ

> اللہ کے لیے دین کا علم حاصل کرنا جتنا عمدہ اور بڑھیا کام ہے، علمِ دین کو دنیا کے لیے سیکھنا اسی قدر بدترین کام ہے۔

ظلم پر فخر

۱۸- ''ظلم کو فخر سمجھا جائے گا''۔

حالاں کہ ظلم انتہائی ذلیل حرکت ہے، جس سے شرمانا چاہیے تھا، مگر بے شرمی اتنی بڑھ جائے گی کہ لوگ عیب کے کاموں پر فخر کریں گے، اسی طرح ظلم پر شرمانا چاہیے تھا، مگر اس پر فخر کریں گے۔ آج یہ بات بہت حد تک دکھائی دیتی ہے کہ لوگ ظلم بھی کرتے ہیں اور ان کا سَر نیچا نہیں ہوتا؛ بل کہ گردن اور اکڑ جاتی ہے، اس کی زندہ مثال امریکہ اور اسرائیل کے موجودہ و گذشتہ بہت سے سربراہ ہیں، امریکی صدر ''بش'' نے افغانیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے، پھر بھی فخر و ناز سے دنیا میں حکومت کر رہا ہے!!۔

---

(۱) مسند أحمد: ۳۶۶۴

انصاف بِکنے لگے گا

۱۹– ''انصاف بِکنے لگے گا''۔

چناں چہ آج عدالت گاہوں میں رشوت کی گرم بازاری ہے، جس میں انصاف بِکتا ہے، مظلوم آہیں بھرتا رہ جاتا ہے، مگر کوئی شُنوائی نہیں ہوتی، جس طرح ظالم کی رُسوائی نہیں ہوتی؛ بل کہ ظالم روپے پیسے کے ذریعے انصاف کو خریدتا اور اس کا گلا گھونٹتا ہے؛ کیا اس کی مثال دینے کی ضرورت ہے؟ ہر روز ہزاروں ہزار اس کی مثالیں تیار ہوتی ہیں۔

کھال کا لباس

۲۰–''درندوں کی کھال کے موزے بنائے جائیں گے''۔

متعدد احادیث میں درندوں کی کھال کے استعمال سے منع فرمایا گیا ہے۔(۱)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ درندوں کی کھالوں کا استعمال کہ اس سے فرش وغیرہ بنائیں، یہ جبار و قہار قسم کے بادشاہوں کا طریقہ اور عیش پسند طبقے کا وطیرہ ہے، اس لیے اس کو ناپسند کیا گیا ہے۔(۲)

آخر حدیث میں فرمایا کہ جب ایسا ہونے لگے، تو سرخ آندھی، زمین میں دھنسنے، شکلیں بگڑنے اور آسمان سے پتھر برسنے کا انتظار کرو!!!

نوٹ: اس حدیث کے مزید بعض جملوں کی شرح حدیث نمبر ٦٠ کے تحت آئے گی۔

---

(۱) دیکھو: الطبراني في الأوسط: ٦/٢٦٥، مسند أحمد: ١٦٩٣٥، مسند أبو يعلى: ١٣/٣٦٤، الطبراني في الكبير: ١٩/٣٧٣، مسند الشاميين: ٢/٣٢٣

(۲) فيض القدير: ٦/٣٢٥

« عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ﷺ قَالَ: بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ تَسْلِيْمُ الْخَاصَّةِ وَفُشُوُّ التِّجَارَةِ ، حَتّٰى تُعِيْنَ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا عَلَى التِّجَارَةِ، وَقَطْعُ الْأَرْحَامِ ، وَفُشُوُّ الْقَلَمِ ، وَظُهُوْرُ شَهَادَةِ الزُّوْرِ ، وَكِتْمَانُ شَهَادَةِ الْحَقِّ. »

ترجمہ: حضرت ابن مسعود ﷺ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت سے کچھ پہلے علامتیں ظاہر ہوں گی: خاص خاص لوگوں کو سلام کہنا، تجارت کا یہاں تک پھیل جانا کہ عورتیں مَردوں کے ساتھ تجارت میں شریک اور مددگار ہوں گی، رشتہ داروں سے قطع تعلقی، قلم کا طوفان برپا ہونا، جھوٹی گواہی کا عام ہونا اور سچی گواہی کو چھپانا۔

تخریج وشرح

اس کو امام احمدؒ نے مسند أحمد: (۳۶۷۲) میں، بخاریؒ نے الأدب المفرد: (۱/ ۵۸۷) میں، خطیب بغدادیؒ نے الجامع لأخلاق الراوي: (۱/۲/ ۱۷) میں، حاکمؒ نے المستدرک: (۷/ ۱۲۲) میں روایت کیا ہے، مگر حاکم میں ''ظہورِ شہادت وکتمانِ شہادت'' کا ذکر نہیں ہے اور نہ فشوا لقلم کا ذکر ہے، حاکمؒ نے اس کی ایک سند کو صحیح کہا ہے۔ دارقطنیؒ نے اپنی کتاب العلل: (۱۱۵) میں اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ اس کے راوی ''ابوالحکم'' کو طارق سے کچھ سماعت حاصل نہیں اور نہ وہ اس سے روایت کرتا ہے اور ابن حجرؒ نے التھذیب میں دارقطنیؒ کی بات سے اتفاق کیا ہے اور بخاری، مسلم، ابن حبان، دولابی وغیرہ نے جو ابوالحکم کی طارق سے سماعت کو مانا ہے، اس کو وہم قرار دیا ہے۔ (التھذیب: ۲/ ۱۴۲)

غرض یہ کہ ابوالحکم (جن کا نام ''سیار'' ہے) کی طارق بن شہاب سے سماعت کے بارے میں علمائے محدثین کی دو رائیں ہیں: امام بخاری، امام مسلم، امام ابن حبان رحمہم اللہ وغیرہ نے اس

کو ثابت مانا ہے، جب کہ امام یحییٰ بن معین، امام احمد، امام دارقطنی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات نے اس کا انکار کیا ہے اور جن حضرات نے ان کے سماع کو مانا ہے، ان پر انکار کیا اور اس کو ان کا وہم قرار دیا ہے؛ لہٰذا یہ روایت منقطع ہوگی۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شیخ ناصر الدین البانی نے (الصحیحۃ: ۲۷٦۷) میں جو اس حدیث کو صحیح کہا ہے، یہ یا تو بخاری و مسلم کی تقلید ہے یا ان کا وہم ہے۔

سلام میں تخصیص کی بدعت

اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی چند علامات بیان کی ہیں:

۱- "تسلیم الخاصۃ" (خاص خاص لوگوں کو سلام کرنا)

یعنی لوگ صرف جان پہچان کے لوگوں کو یا کچھ بڑے عہدے و منصب والوں کو سلام کریں گے، عام لوگوں کو اور انجانے لوگوں کو سلام نہ کریں گے اور ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کی علامات میں سے یہ ہے کہ پہچان و تعارف کی بنا پر سلام ہوگا (اس کی تخریج گزشتہ حدیث کی شرح میں گزر چکی ہے) اور زیرِ شرح حدیث میں اس سلسلے کا قصہ بھی امام احمد و بخاری و حاکم رحمہم اللہ نے ذکر کیا ہے کہ

> ایک صاحب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی اور دوسرے لوگ بھی وہاں موجود تھے، انھوں نے نماز کے بعد جلدی کی اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ کو مخاطب کر کے کہا: علیکم السلام یا أبا عبدالرحمن! تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صدق اللّٰهُ وصدق رسولُه کہ اللہ و رسول نے سچ کہا، یہ کہہ کر اپنے کام سے اندر چلے گئے، لوگوں نے آپس میں کہا کہ سلام کے جواب میں "صدق اللّٰهُ ورسولُه" کہنے کا کیا مطلب؟ پوچھنا چاہیے، جب آپ باہر آئے، تو لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس آدمی کے سلام پر صدق اللّٰهُ ورسولُهٗ کیوں کہا؟ تب آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے کہ قیامت کے قریب خاص خاص لوگوں

کو سلام کیا جائے گا الخ۔ اور اس آدمی نے خاص مجھے سلام کیا، اس لیے میں نے کہا
کہ صدق اللّٰہ ورسولہ۔

اور خطیب بغدادی رحمۃ اللہ نے ذکر کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک شخص نے آپ کو سلام کرتے ہوئے کہا کہ السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللّٰہ! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا ان سب آدمیوں کے درمیان صرف مجھے سلام؟[1]

آج یہ بات اُمت میں عام ہوگئی ہے، اولاً تو سلام کا رواج نہیں اور جو سلام کرتے ہیں، وہ یا تو جان پہچان والوں کو کرتے ہیں یا خاص لوگوں کو، جیسے عہدے والے منصب والے کو، یا امام وخطیب یا عالم یا بزرگ کو، عام لوگوں کو سلام نہیں کرتے، یہ قیامت کی علامت ہے۔

تجارت اور عورت

۲- "وفشو التجارۃ حتی تعین" الخ (یعنی قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ تجارت پھیل جائے گی؛ یہاں تک کہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ تجارت میں شریک ہوگی)

گذشتہ حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے، مگر اس کی شرح کے لیے اس حدیث کا حوالہ دیا گیا تھا، مطلب یہ ہے کہ دنیوی کاروبار کو خوب فروغ وترقی ہوگی اور ایک ایک آدمی کا کاروبار کئی کئی ممالک تک وسیع ہوگا، حتی کہ پردہ نشین عورتوں کو بھی مرد اپنے ساتھ شریکِ تجارت کرلے گا اور ان کو اس کے لیے اپنے پردے وحجاب اور طبیعت ومزاج کی قربانی دینی پڑے گی۔

آج کیا یہ صورتِ حال صاف طور پر مشاہد نہیں ہو رہی ہے؟ کیا عورتیں بے حجاب و بے حیا ہوکر ہر منڈی وبازار اور ہر دفتر ودکان اور ہر کارخانہ وفیکٹری میں تجارت وکاروبار اور کسبِ معاش وطلبِ مال کے لیے ماری ماری نہیں پھر رہی ہیں؟ غیر مسلم اور نصاریٰ ویہود اور ہنود ومجوس کو ایک طرف رکھیے، اس سے پہلے یہ سوچیے کہ مسلم گھرانوں کی لڑکیوں اور عورتوں کی صورتِ حال کیا اس سے کچھ مختلف ہے؟ یہ دراصل دنیا کا لالچ وحرص ہے، جو عورتوں کو تجارت کی منڈیوں میں لا رہا ہے اور ان کی فطرت وطبیعت سے بغاوت پر ان کو مجبور کر رہا ہے اور یہ مرض دنیا پرست عیسائیوں اور

---

(۱) الجامع لاخلاق الراوی: ۱/۱۷۲

یہودیوں کی دیکھا دیکھی اوران کے غلط پروپیگنڈے سے ان میں پیدا ہوا ہے اورعورتوں سے زیادہ، مردوں میں پیدا ہوا ہے اور وہ اپنی عورتوں میں یہ مرض پیدا کرنے کی فکر کررہے ہیں۔

اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے چودہ سو سال قبل اس صورتِ حال کو بیان کردیا، جو آج من وعن دکھائی دے رہی ہے۔

۳- "قطع الأرحام" (یعنی رشتہ داروں سے قطع تعلق کیا جائے گا) یہ مضمون پہلے گذر چکا ہے۔ (دیکھو حدیث: ۸ر کی شرح)

قلم کا طوفان

۴- "فشو القلم" (یعنی قیامت سے پہلے قلم کی بڑی اشاعت ہوگی)

ہمارے مصنف رَحِمَہُ اللہُ نے اس کا محاوری ترجمہ بڑا خوب کیا ہے، یعنی "قلم کا طوفان برپا ہوگا" علامہ ابن عبدالبر رَحِمَہُ اللہُ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کتابوں اور کتاب لکھنے والوں کی بھر مار وکثرت ہوگی۔ (۱) یعنی مؤلفین ومصنفین کی کثرت ہوگی اور وہ کتابیں لکھیں گے، اس طرح کتابوں کی بھرمار ہوگی؛ چناں چہ آج کے دور پر یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے، ہرکس وناکس، عالم وجاہل؛ مصنف ومؤلف بنا ہوا ہے، یہ خود ساختہ محقق حق وباطل کی تمیز کے بغیر محض اپنے جاہلانہ خیالات ونظریات پر کتابیں لکھتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، کوئی جاہل تفسیر لکھ رہا ہے، کوئی حدیث پر تحقیق کا مدعی ہے، کوئی فقہ وفتاوے پر رائے زنی کررہا ہے، کوئی ریسرچ کے نام پر ائمۂ اسلاف ومقتدایانِ امت پر حرف گیری کررہا ہے اور خوب صورت ٹائیٹل اور دیدہ زیب کتابت وعمدہ طباعت کے ساتھ ان کتابوں کو پھیلا کر، ایک طوفانِ بدتمیزی برپا کیا جارہا ہے۔

اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جاہل لوگ اپنے آپ کو علما سے مستغنی سمجھنے لگتے ہیں اور ان جاہلانہ کتابوں پر اعتماد کرکے بددین وبدعقیدہ ہوجاتے ہیں؛ چناں چہ مستشرقین کی کتابیں پڑھ کر کتنے لوگ دین سے بدظن اور اسلام سے مرتد ہوچکے ہیں، یا کم از کم شک وشبہے میں گرفتار ہوکر متذبذبانہ زندگی گذار رہے ہیں؛ اسی طرح منکرینِ حدیث کی کتابوں سے کتنے لوگ حدیثوں

---

(۱) التمهيد: ۱۷/۲۹۷

سے بدظن ہوگئے اورائمۂ محدثین کی محنتوں اور جاں فشانیوں کا مذاق اڑانے لگے؛ اس طرح شیعہ، قادیانی، اہلِ بدعت اورتجدد پسند طبقے کی ہفوات وبکواس پڑھ کر کتنے لوگ کفروارتداد اوربدعت وضلالت کے مہیب گڑھے میں گر چکے ہیں۔ یہ سب دراصل وہی (فشو القلم) (قلم کا طوفان) ہے۔جس نے لوگوں کواپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ (اللّٰھم احفظنا)

قلم اور علمائے اسلام کے کارنامے

اسی قلم کے فتنے وطوفان کا اللہ کے نبی ﷺ نے ذکر کیا ہے؛ رہا قلم کا دین کی اشاعت وحفاظت اورعلومِ دینیہ کی تحقیق وترویج کے لیے استعمال، یہ اس حدیث میں مراد نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ شروع دور سے ہوتا آیا ہےاوراسلام کے جلیل القدر ائمہ نے اپنے بے بہا قلم سے علم کے ہزاروں ہزار؛ بل کہ لاکھوں موتی کتابوں میں بکھیرے بھی ہیں اورجمع بھی فرمائے ہیں اور ایک ایک مصنف نے سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں اور بعض نے ہزاروں کتابیں لکھی ہیں، امام محمد رحمہ اللہ نے ایک ہزار کتابیں لکھی ہیں، امام غزالی رحمہ اللہ کی ایک ہزار تصانیف ہیں، امام سیوطی رحمہ اللہ کی کتب پانچ سو تک پہنچتی ہیں، جن میں سے بعض کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں اوران کے صرف فتاویٰ پینتیس ۳۵ جلدوں میں ہیں، اسی طرح شیخ اکبر رحمہ اللہ کی کتابیں دوسو سے زائد ہیں اوران کی صرف تفسیر سو جلدوں میں ہے، ابھی قریب دور میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے ایک ہزار کے قریب تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں اورعلامہ ابن شاہین محدث نے تین سوتیس ۳۳۰ تصانیف فرمائی ہیں اوران کی قرآن پاک کی تفسیر ایک ہزار-۱۰۰۰-جلدوں میں اور بخاری شریف کی تشریح پانچ سو۵۰۰جلدوں میں ہے،امام مرغینانی رحمہ اللہ نےفقہِ حنفی کی ایک کتاب (بداية المبتدي) کی شرح لکھی،تووہ اسی ۸۰ جلدوں میں تیار ہوئی، پھراس کی تلخیص فرمائی تواس کی چار عظیم وضخیم جلدیں "ہدایہ" کے نام سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں، پھرابن حجر،نووی، ابن کثیر، ابن قیم، ابن عبدالبر، بیہقی، ملاعلی قاری، شمس الدین الذہبی، شوکانی، عبدالحی لکھنوی، صدیق حسن بھوپالی، شیخ زکریا کاندھلوی رحمہم اللہ اورنہ معلوم کون کون، ان کی کتب وتصانیف اور تحقیقات بے حدوشمار

ہیں، علامہ یوسف النبہانی رحمۃ اللہ نے صحیح کہا کہ ” تمام اہلِ مذاہب کی تمام کتابیں لاکر بھی ہمارے ایک مصنف کی کتابوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں“۔غرض یہ کہ علمائے اسلام کی قلم کے ذریعے کی جانے والی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اوران کے صرف نام نام بھی گنائے جائیں، تو بلا مبالغہ ہزاروں ضخیم جلدیں تیار ہوجائیں گی، مگر یہ سب اس زیرِ بحث حدیث میں مراد نہیں ہے؛ بل کہ مراد وہ قلم کا طوفانِ بدتمیزی ہے، جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔

جھوٹی گواہی عام ہوگی

۵- ”وظہور شہادۃ الزور“الخ (یعنی جھوٹی گواہی عام ہوجائے گی اور سچی گواہی کو چھپایا جائے گا)

جھوٹی گواہی میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی کے حق میں اس کے نااہل ہونے کے باوجود، ”ووٹ“(VOTE) دیا جائے، یا کسی کو جھوٹی سند دی جائے، جیسے بعض یونیورسٹیوں اوراداروں سے نااہل لوگوں کو رشوت کی بنیاد پر جھوٹی سند دی جاتی ہے، اسی طرح ڈاکٹر لوگ بھی جھوٹی میڈیکل سرٹیفکیٹ، دے دیتے ہیں، آج یہ سارے دھندے کھلے عام ہورہے ہیں۔ اور سچی گواہی کو چھپانا یہ ہے کہ معلوم ہونے کے باوجود اورضرورت ہونے کے باوجود کسی کے حق میں شہادت نہ دی جائے، جیسے بعض لوگ اس لیے سچی گواہی دینا نہیں چاہتے ہیں کہ کون کسی کے بکھیڑے میں پڑے؟ یہ بھی ناجائز ہے،قرآن مجید میں ہے:”وَلَاتَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَإِنَّهٗ آثِمٌ قَلْبُهٗ “(یعنی: گواہی کو نہ چھپاؤ! اور جو اس کو چھپائے گا، اس کا دل گنہ گار ہے)

معلوم ہوا کہ ضرورت پر گواہی پیش کرنا چاہیے، تاکہ حق دار کو حق پہنچ جائے اوراس کی حق تلفی نہ ہواور یہ بھی معلوم ہوا کہ گواہی کو چھپانا قیامت کی علامات میں سے ہے۔

❁❁❁

« عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ: أَنْ يَّمُرَّ الرَّجُلُ فِي الْمَسْجِدِ لَا يُصَلِّي فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ، وَأَنْ لَّا يُسَلِّمَ الرَّجُلُ إِلَّا عَلٰى مَنْ يَّعْرِفُهُ، وَأَنْ يُّبْرِدَ الصَّبِيُّ الشَّيْخَ لِفَقْرِهِ، وأَنْ تَتَطَاوَلَ الْحُفَاةُ الْعُرَاةُ رِعَاءُ الشَّاءِ فِي الْبُنْيَانِ. »

ترجمہ: حضرت ابن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی مسجد سے گزر جائے گا، مگر اس میں دو رکعت نماز نہیں پڑھے گا اور یہ کہ آدمی صرف اپنی جان پہچان کے لوگوں کو سلام کہے گا اور یہ کہ ایک معمولی بچہ بھی بوڑھے آدمی کو محض اس کی تنگ دستی کی وجہ سے لتاڑے گا اور یہ کہ جو لوگ کبھی ننگے بھوکے بکریاں چرایا کرتے تھے، وہی اونچی اونچی بلڈنگوں میں ڈینگیں ماریں گے۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو امام ابن خزیمہؒ نے اپنی الصحیح لابن خزیمة :(۲/۲۸۳) میں، امام بیہقیؒ نے شعب الإیمان:(۶/۴۳۱) میں آخری جملے کے بغیر اور دیلمیؒ نے مسند الفردوس :(۱/۲۱۳) میں ایک جملے کے اضافے کے ساتھ روایت کیا ہے اور ذرا سے تغیر کے ساتھ طبرانیؒ نے المعجم الکبیر :(۹/۳۴۳) میں اور ابوسعید الشاشیؒ نے مسند الشاشي:(۱/۴۰۰) میں روایت کیا ہے اور ابوعمرو الدانی نے السنن الواردة:(۴/۸۵۰) میں اور عبدالرزاقؒ نے مصنف عبد الرزاق :(۳/۱۵۶) میں اس کو حضرت ابن مسعود ﷺ سے موقوفاً روایت کیا ہے اور اس کا آخری جملہ دیلمی، عبدالرزاق اور ابوعمرو الدانی کی روایت میں ہے۔

اس حدیث کی بعض سند میں (جیسے طبرانی وبیہقی وابن خزیمہ کی سند میں) ایک راوی ''حکم بن

عبدالملک'' ضعیف ہے، یحیٰ بن معینؒ نے فرمایا کہ'' وہ ثقہ نہیں اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا'' اور ابوحاتمؒ نے "مضطرب الحديث" فرمایااورابوداودؒ نے " منكر الحديث" اورنسائیؒ نے ''ليس بقوي'' فرمایاہے۔(الجرح والتعديل :۳/۱۲۳،الكامل لابن عدي:(۲/۲۱۲، الـميـزان :۲/۳۴۲)اوراس کے دوسرے راوی ''ابوالجعد'' کوابن حزمؒ نے ''مجہول'' کہاہے؛ لیکن ان کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ وہ معروف بھی ہیں اور ثقہ بھی ہیں۔(الـمـيـزان:۸/۹۹، التهذيب:۱/ ۵۸۵، التقريب:۲۰۴،الكاشف:۳۸۹)

پھر یہ حدیث دوسری سندوں سے بھی آئی ہے، جیسے طبرانیؒ نے ایک دوسرے طریق سے اس کو روایت کیاہےاوراس کی سند میں ''ابوحمزہ میمون'' ہے، جس کو متروک الحديث کہا گیا ہے۔ (كامل لابن عدي:۶/۴۱۲،تهذيب الكمال:۲۹/۲۴۲)

نیز یہ حدیث موقوفاً بھی متعدد سندوں سے آئی ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔غرض یہ کہ یہ حدیث اگر چہ انفراداً ضعیف ہے، تاہم تعدُّدِ سند کی وجہ سے حسن کے درجے کی ہے۔

مسجد کوراستہ بنالیا جائے گا

اس حدیث میں قیامت کی چند علامات کا ذکر ہے:

۱-یہ کہ آدمی مسجد میں سے گذرے گا،مگراس میں دورکعت نماز تک نہ پڑھے گا؛ یعنی مسجد ایک راستہ وگذرگاہ بن کررہ جائے گی۔

اس میں مساجد کے ویران ہونے کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ بعض مساجد آج بھی محض سامانِ تفریح ومقامِ سیاحت بنی ہوئی ہیں اور آگے چل کر اس صورتِ حال میں مزید اضافہ ہوگا اور مساجد میں لوگ صرف سیروسیاحت یاویسے ہی گذرنے کے لیے آئیں گے یا محض اپنی کوئی دنیوی ضرورت وحاجت پورا کرتے آئیں گے، جیسا کہ بعض لوگ مساجد میں صرف بیت الخلا جانے کے لیے آتے ہیں، نماز اورعبادت کے لیے نہیں؛ اس طرح مساجد محض ایک گذرگاہ بن کررہ جائیں گی اورویران ہوں گی۔

۲-صرف جان پہچان والوں کوسلام کیا جائے گا۔(اس کا ذکر اوپر ہو چکا)

بڑوں کی توہین

۳۔ ''بچہ بھی بوڑھے آدمی کو اس کے فقر ومحتاجی کی وجہ سے اپنا قاصد بنا لے گا''۔

یعنی اس کو اپنے مقاصد کے لیے بہ طورِ قاصد استعمال کرے گا، اس مطلب کی توضیح دیلمی کی روایت سے ہوتی ہے، جس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

" وأن يكون الشيخ بين الإثنين كالغلام بريداً "

(یعنی بوڑھا آدمی دو آدمیوں کے درمیان لڑکے کی طرح قاصد ہوگا) نیز علامہ عبدالرؤف المناویؒ نے بھی فیض القدیر میں اس جملے (وأن يبرد الصبي الشيخ لفقره) کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔(۱)

اسی طرح طبرانی میں " أن يبعث الغلام الشيخ بريداً بين الأفقين " اور السنن الواردة میں " أن يسير الشيخ بريداً الصبي من الصبيان بين الأفقين " اور مصنف عبدالرزاق میں " أن يبعث الصبي من الصبيان " آیا ہے اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ ایک بچہ بوڑھے آدمی کو دنیا کے دو کناروں (مشرق سے مغرب تک) قاصد بنا کر بھیجے گا، ان روایات میں " أفقين " کا لفظ اس معنے کے مراد ہونے کی جانب مشیر ہے، مگر ہمارے مصنف علامہ رحمۃ اللہ نے "أن يبرد " کا معنیٰ ''لتاڑے گا'' سے کیا ہے، مگر مجھے لغت میں یہ معنیٰ نہیں ملا اور نہ شُراح نے یہ بیان کیا ہے۔

یہ لفظ ''إبراد '' سے ہے، جس کے ایک معنے ''قاصد بنانے'' کے ہیں، ایک دوسری حدیث میں یہ لفظ اسی معنے میں آیا ہے، فرمایا کہ

إذا أبردتم إليّ بريداً ، فاجعلوه حسَن الوجه حسَن الإسم.

(یعنی تم جب میرے پاس کسی کو قاصد بنا کر بھیجو، تو حسین اور اچھے نام والے کو بھیجو)(۲)

اور یہی مراد ہے (والله اعلم)

اور غالباً مقصد یہ ہے کہ بڑوں کی تعظیم وتوقیر باقی نہ رہے گی اور بوڑھے لوگ، جن کا حق یہ تھا

---

(۱) فیض القدیر:۶/۹

(۲) رواه البزار والطبرانی فی الاوسط، کذافی مجمع الزوائد:۸/۹۳

کہ جوان لوگ ان کے کام آتے اور ان کی خدمت کرتے، اس کے بہ جائے ان سے خود معمولی خدمتیں لی جائیں گی اور یہ بات آج دیکھی جاسکتی ہے؛ چناں چہ جوان اور بچے، ان بوڑھے لوگوں سے اس طرح کام لیتے اور سلوک کرتے ہیں، گویا کہ ان کی کوئی حیثیت ہی نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی قیامت کی علامات میں سے ہے، جس سے بچنا چاہیے۔ ہاں! اگر کوئی کام بڑے بوڑھے کے سپرد ہو اور وہ اپنی ذمہ داری انجام دے کر تنخواہ لے، تو یہ صورت اس میں داخل نہیں ہے؛ البتہ اس صورت میں بھی ان کے ساتھ بڑوں جیسا سلوک اور ان کی عزت وتکریم کرنا چاہیے، خلاصہ یہ کہ فقر وفاقے کی وجہ سے بوڑھے آدمی کا احترام نہ کرنا اور اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے معمولی درجے کے کام لینا، علامات قیامت میں سے ہے۔

۴- وأن ترى الحفاة، والے جملے کی تشریح اوپر گذر چکی ہے۔

« عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: لَا تَزَالُ الْأُمَّةُ عَلٰی شَرِيْعَةٍ مَالَمْ يَظْهَرْ فِيهِمْ ثَلَاثٌ: مَالَمْ يُقْبَضْ مِنْهُمُ الْعِلْمُ، وَيَكْثُرْ فِيهِمْ وَلَدُ الْخُبْثِ، وَيَظْهَرْ فِيهِمُ السَّقَّارُوْنَ. قَالُوْا: وَمَا السَّقَّارُوْنَ؟ قَالَ: بَشَرٌ يَكُوْنُوْنَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ، تَكُوْنُ تَحِيَّتُهُمْ بَيْنَهُمْ إِذَاتَلَاقَوْا التَّلَاعُنَ. »

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ یہ امت شریعت پر قائم رہے گی، جب تک کہ ان میں تین چیزیں ظاہر نہ ہوں: جب تک کہ ان سے علم (اور علما) کو نہ اٹھالیا جائے اور ان میں ناجائز اولاد کی کثرت نہ ہو جائے اور لعنت باز لوگ پیدا نہ ہو جائیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''لعنت بازوں'' سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے، جو ملاقات کے وقت سلام کے بہ جائے لعنت اور گالی گلوچ کا تبادلہ کیا کریں گے۔

تخریج و شرح

اس کو امام احمدؒ نے مسند میں بہ رقم: (۱۵۶۲۸) اور حاکمؒ نے المستدرک: (۸۴۳۸) میں روایت کیا ہے اور حاکمؒ نے فرمایا کہ یہ شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط کے مطابق صحیح ہے، مگر علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس پر نکیر کی ہے اور حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی ''زبان بن فائد'' ہے، جس کو جمہور علمائے حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے، امام احمدؒ نے فرمایا کہ ''اس کی احادیث منکر ہیں''، یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''یہ شیخ ضعیف ہے'' اور ابن حبانؒ نے فرمایا کہ ''اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا، البتہ ان کے صلاح و تقوے کی علما نے تعریف کی ہے، ابوحاتم نے ان کو ''صالح'' فرمایا ہے۔ (دیکھو: الجرح والتعدیل: ۳/۶۱۶،

الضعفاء والمتروکین: ۲۹۲/۱، المیزان: ۹۶/۳) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فیصلہ یہ کیا ہے کہ یہ اپنے صلاح وعبادت کے باوجود حدیث میں ضعیف ہیں۔ (التقریب: ۲۱۳/۱)

امت کے زوال کی علامتیں

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت شریعت پر قائم رہے گی، جب تک کہ ان میں تین باتیں ظاہر نہ ہوں، جب تین باتیں ان میں پیدا ہو جائیں گی، تو وہ شریعت سے ہٹ جائے گی؛ وہ تین باتیں یہ ہیں:

جہالت

۱- ''ایک یہ کہ ان میں سے علمِ دین اٹھالیا جائے''

ظاہر ہے کہ علم کے اٹھالیے جانے کا معنیٰ یہ ہے کہ علما کو اٹھالیا جائے، جیسا کہ پہلے حدیث گذر چکی ہے، جب ان سے اس طرح علم اٹھالیا جائے گا، تو ظاہر ہے کہ شریعت کیا ہے، اس کے احکام کیا ہیں اور حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے؟ اس کا علم نہ ہو سکے گا اور اس طرح وہ دین سے دور ہو کر ہلاکت وتباہی میں پڑ جائے گی۔ آج امت کے کتنے افراد ہیں، جو علمِ دین سے واقف اور اس پر عامل ہیں؟ شاید دو، چار فی صد بھی نہ ہوں گے اور اس کی وجہ سے وہ گمراہی کی طرف روز بہ روز بڑھتے اور نت نئے فتنوں کا شکار ہوتے جا رہے ہیں، اعتقادات، عبادات، معاشرات، معاملات، اخلاقیات؛ سبھی شعبوں میں اغلاط وخرابیاں شامل وداخل ہو گئی ہیں۔ اگر ان خرابیوں اور اغلاط کو دور کرنا ہو، تو سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ علمِ دین حاصل کیا جائے۔ افسوس کہ آج امت کا ایک بہت بڑا طبقہ علمِ دین سے بالکل کورا اور دُور ہے، حتیٰ کہ علمِ دین کی تحقیر وتوہین بھی کرتا ہے، علما اور طلبا، علومِ دین کو حقیر نگاہوں سے دیکھتا ہے؛ یہی وجہ ہے، امت روز بہ روز گمراہی کی طرف بڑھتی جا رہی ہے۔

زنا کی کثرت

۲- دوسرے یہ کہ '' ولد الحرام '' (حرامی بچوں) کی کثرت ہو جائے۔

اس سے زنا کاری وفحاشی کی کثرت اور خبائث ورذائل کی بہتات کی طرف اشارہ ہے، آج یہ بھی مشاہد ہے کہ فحاشی وعریانی، بے حیائی وبے شرمی، عورتوں میں بے پردگی، مردوں، عورتوں کا اختلاط؛ وغیرہ خبائث عام ہیں اور روز افزوں بھی، جس کے نتیجے میں حرام اولاد کی کثرت ہورہی ہے، حتی کہ یہ بھی ہورہا ہے کہ حرام اولاد کو سڑکوں اور کوڑے دانوں میں پھینکا جارہا ہے اور ''زنا بالرضا'' تو ہے ہی، اس کے ساتھ ''زنا بالجبر'' (Rape) بھی کثرت کے ساتھ جاری ہے۔

سلام کی جگہ لعنت

۳- ''تیسرے یہ کہ "سقارون" کی کثرت ہوگی''۔

یہ لفظ **سقارون وصقارون (بالسین وبالصاد)** دونوں طرح سے آیا ہے اور لغت میں بھی دونوں طرح لکھا ہے اور دونوں کے معنے ایک ہیں، یعنی لعنت کرنے والے یا ان لوگوں پر لعنت کرنے والے، جو لعنت کے مستحق نہیں ہیں اور اصل میں یہ لفظ ''صــــقــــر'' سے بنا ہے اور ''صقر'' کے معنے ہیں ''پتھر کی چٹان کو کلہاڑی سے مارنا'' چوں کہ لعنت کرنے والا اپنی زبان سے لوگوں کے دلوں کو مار کر زخمی کرتا ہے، اس لیے لعنت کرنے والوں کو **سقارون یا صقارون** کہتے ہیں۔ (دیکھو: لسان العرب: ۲۷۲/۴)

اس حدیث میں اس کی تفسیر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فرمادی ہے؛ چناں چہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ''سقارون'' کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے، جو ملاقات کے وقت ایک دوسرے پر لعنت کریں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ملاقات پر سلام کے بہ جائے اپنے حسد وکینہ، بغض وعداوت کی وجہ سے ایک دوسرے پر لعنت، ملامت اور گالی گلوچ کریں گے۔

❁ ❁ ❁

« عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنها قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ: هَلَاكَ الْعَرَبِ. »

ترجمہ: حضرت طلحہ بن مالک رضي الله عنها فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قربِ قیامت کی ایک علامت، عرب کی تباہی بھی ہے۔

تخریج و شرح

اس کو امام ترمذیؒ نے السنن میں بہ رقم: (۳۹۲۹)، ابن ابی شیبہؒ نے المصنف: (۵۵۷/۷) میں اور بیہقیؒ نے البعث میں (کما في الدر المنثور: ۳۹۰/۱۳) اور بخاریؒ نے التاریخ الکبیر: (۳۴۴/۴) میں ابن ابی شیبہؒ نے المصنف: ۳۳۱۴۴) میں، طبرانیؒ نے المعجم الکبیر: ۳۷۰/۸، و المعجم الأوسط: (۸۱/۳) میں اور ابوبکر اشیبانیؒ نے الآحاد المثاني: (۱۹۱/۲) میں روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں "ام الحریر" ایک راویہ ہے، جو حضرت طلحہ بن مالک رضي الله عنها راوی حدیث کی باندی ہے، مگر اس کا حال معلوم نہیں؛ چناں چہ علما نے ان کو مجہول قرار دیا ہے۔ (میزان: ۴۷۷/۷، لسان المیزان: ۵۰۱/۹)

اسی طرح اس کی سند میں "ام محمد" ایک اور راویہ بھی مجہول ہے۔ (تحفۃ الأحوذی: ۴۳۰/۱۰) لہٰذا روایت ضعیف ہوگی، اس کے باوجود علامہ عراقی رحمۃ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (فیض القدیر: ۱۰/٦)

عرب کی تباہی

اس میں قیامت کی علامت کے طور پر عرب کی ہلاکت کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ اس وقت ہوگا،

جب کہ کعبۃ اللہ کی بے حرمتی اور اس کی تخریب، خود اس کے ماننے والوں اور اہلِ عرب کی طرف سے ہوگی؛ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ﷜ نے فرمایا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کے ہاتھ پر رکن (حجر اسود) اور مقام (ابراہیم) کے درمیان بیعت لی جائے گی اور اس بیت اللہ کی بے حرمتی اس جگہ رہنے والے کریں گے، پس جب وہ اس کی بے حرمتی کریں، تو عرب کی ہلاکت کے بارے میں نہ پوچھنا، پھر حبشہ کے لوگ آئیں گے اور اس کعبے کو اس طرح توڑ پھوڑ کر برباد کردیں گے کہ اس کے بعد پھر کبھی اس کی تعمیر نہ ہوسکے گی۔ (۱)

(۱) المستدرک للحاکم: ۸۴۶۱

« عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ ﷺ قَالَ: يَكُوْنُ فِتْنَةٌ، فَيَقُوْمُ لَهَا رِجَالٌ فَيَضْرِبُوْنَ خَيْشُوْمَهَا، حَتّٰى تَذْهَبَ، ثُمَّ تَكُوْنُ أُخْرىٰ فَيَقُوْمُ لَهَا رِجَالٌ فَيَضْرِبُوْنَ خَيْشُوْمَهَا، حَتّٰى تَذْهَبَ، ثُمَّ تَكُوْنُ أُخْرىٰ فَيَقُوْمُ لَهَا رِجَالٌ فَيَضْرِبُوْنَ خَيْشُوْمَهَا، حَتّٰى تَذْهَبَ، ثُمَّ تَكُوْنُ أُخْرىٰ فَيَقُوْمُ لَهَا رِجَالٌ فَيَضْرِبُوْنَ خَيْشُوْمَهَا، حَتّٰى تَذْهَبَ، ثُمَّ تَكُوْنُ الْخَامِسَةُ وَهِيَ مُجَلِّلَةٌ، تَنْشَقُّ فِي الْأَرْضِ كَمَا يَنْشَقُّ الْمَاءُ. »

ترجمہ: حضرت حذیفہ ﷺ سے روایت ہے کہ ایک بڑا فتنہ کھڑا ہوگا، جس کے مقابلے کے لیے کچھ مردانِ خدا کھڑے ہوں گے اور اس کی ناک پر ایسی ضربیں لگائیں گے، جس سے وہ ختم ہو جائے گا؛ پھر ایک اور فتنہ کھڑا ہوگا، اس کے مقابلے میں بھی کچھ مرد کھڑے ہوں گے اور اس کی ناک پر ضرب لگا کر ختم کر دیں گے؛ پھر ایک اور فتنہ کھڑا ہوگا، اس کے مقابلے میں بھی کچھ مردانِ کار کھڑے ہوں گے اور اس کا منہ توڑ دیں گے؛ پھر ایک اور فتنہ کھڑا ہوگا، اس کے مقابلے میں بھی اللہ کے کچھ بندے کھڑے ہوں گے اور اسے مٹا کر دم لیں گے؛ پھر پانچواں فتنہ برپا ہوگا، وہ عالم گیر ہوگا، یہ تمام روئے زمین میں سرایت کر جائے گا، جس طرح پانی زمین میں سرایت کر جاتا ہے۔

تخریج و شرح

اس کو ابن ابی شیبہ نے المصنف: (۳۸۴۰۳) کتاب الفتن میں روایت کیا ہے اور یہ روایت صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، سوائے ''حماد بن سلمہ'' کے، ان کے بارے میں بعض کی رائے ہے کہ آخری زمانے میں ان کے حافظے میں تغیر ہو گیا تھا، مگر جمہور نے ان کو ثقہ ہی قرار دیا۔ (تہذیب التہذیب: ۱/۴۸۲) میں کہتا ہوں کہ اس کی شاہد حضرت علی ﷺ کا قول ہے،

جس کو حاکمؒ نے روایت کر کے صحیح قرار دیا ہے، اس میں ہے کہ حضرت علی ﷛ نے فرمایا کہ اس اُمت میں پانچ فتنے رکھے گئے ہیں: ایک عام فتنہ، پھر ایک خاص فتنہ، پھر ایک عام فتنہ، پھر ایک خاص فتنہ، پھر ایک اندھا بہرا فتنہ آئے گا، جو سب کو ڈھانپ لے گا، جس میں آدمی، چوپائے جانوروں کی طرح ہوں گے۔ (المستدرک: ۸۶۰۵)

عالم گیر اور لاعلاج فتنہ

اس اثر میں حضرت حذیفہ ﷛ نے فرمایا ہے کہ یکے بعد دیگرے پانچ فتنے آئیں گے۔ اس سے مراد بڑے بڑے فتنے ہیں، ورنہ فتنے تو بہت سارے ہوں گے، جیسا کہ احادیث کے مطالعے سے واضح ہے اور فرمایا کہ ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مردانِ خدا کھڑے ہوں گے اور ان فتنوں کی ناک پر ضربِ کاری لگائیں گے اور وہ فتنے دب جائیں گے یا ختم ہو جائیں گے، مگر جب پانچواں فتنہ آئے گا، تو وہ عالم گیر ہوگا اور ساری روئے زمین پر پھیل جائے گا، جس طرح پانی زمین میں سرایت کر جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہو جائے گا؛ کیوں کہ وہ عالم گیر فتنہ ہوگا، بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عالم گیر فتنہ دجال کا فتنہ ہوگا، ایک روایت میں حضرت حذیفہ بن الیمان ﷛ ہی سے آیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ "اسلام میں چار فتنے ہوں گے اور چوتھا فتنہ لوگوں کو دجال کے حوالے کر دے گا، جو سیاہ اور اندھیرا ہوگا۔ (۱)

مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا مقابلہ نہ ہو سکے گا؛ بل کہ مطلب یہ ہے کہ عام علما اور عام لوگوں سے اس کا مقابلہ نہ ہو سکے گا؛ اسی لیے اس کے مقابلے کے واسطے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا اور ان کے ساتھ حضرت مہدی علیہ السلام ہوں گے اور اس کا مقابلہ کیا جائے گا اور جو بعض روایات میں پانچ فتنوں کا اور بعض میں چار فتنوں کا ذکر آیا ہے، ان دو باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ کیوں کہ فتنے تو بہت سے ہوں گے، ان میں سے بعض کا ذکر مقصود ہے، کسی وقت ان میں سے چار کا ذکر کر دیا اور کسی وقت پانچ کا ذکر کر دیا؛ لہٰذا دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

---

(۱) نعیم فی الفتن: ۵۳/۱

الحدیث الشریف - ۵۰

« عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ : يَكُوْنُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَرْبَعُ فِتَنٍ ، آخِرُهَا الْفَنَاءُ. »

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس امت میں خاص نوعیت کے چار فتنے ہوں گے، ان میں آخری اور سب سے بڑا فتنہ راگ ورنگ اور گانا بجانا ہوگا۔

تخریج وشرح

اس کو ابوداودؒ نے السنن میں بہ رقم: (۴۲۴۱)، ابن ابی شیبہؒ نے المصنف میں (۳۸۷۲۳) میں اور نعیم بن حمادؒ نے الفتن : (۵۳/۱) میں روایت کیا ہے۔ ابوداود اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں شعبیؒ نے ایک مبہم شخص کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور وہ شخص مجہول ہے اور اس کی وجہ سے روایت ضعیف ہوگی، مگر نعیم بن حمادؒ نے فتن میں اس کو براہِ راست شعبي عن عبداللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور بیچ میں مبہم کا واسطہ بیان نہیں کیا ہے اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ شعبی جہاں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، وہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی وہ روایت کرتے ہیں؛ لہٰذا یہ حدیث شعبی نے براہِ راست ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہوگی اور کبھی کسی اور شخص سے بھی سنی ہوگی، اس طرح وہ بالواسطہ و بلاواسطہ دونوں طرح روایت کرتے ہوں گے اور اس سے بلاواسطہ روایت پر کوئی الزام نہیں آتا (کما لا یخفیٰ) اور ابوداود اور ابن ابی شیبہ کے باقی راوی سب ثقہ ہیں۔

آخری زمانے کا سب سے بڑا فتنہ

اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چار فتنوں کا ذکر کیا ہے اور اس سے

مراد خاص قسم کے اور بڑے بڑے فتنے ہیں، (جیسا کہ اس سے ماقبل کی حدیث میں بھی عرض کر چکا ہوں) اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان چار میں سے اس حدیث میں صرف ایک آخری فتنے کا ذکر فرمایا ہے اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ''چار فتنے ہوں گے، پہلے میں (لوگوں کا) خون حلال کر لیا جائے گا، دوسرے میں خون اور مال حلال کر لیا جائے گا اور تیسرے میں خون، مال اور شرم گاہیں حلال کر لی جائیں گی''۔(۱)

اور نعیم بن حماد رَحِمَہُ اللّٰہُ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے یہی بات نقل کی ہے اور اس میں چوتھے فتنہ کا بھی ذکر ہے کہ وہ اندھا، بہرا اور سب کو گھیر لینے والا ہوگا (الفتن:۵۶/۱) اس سے ان فتنوں کی ایک درجے میں تعیین ہوگئی، جو پہلی حدیث میں مذکور نہیں ہیں، پھر فرمایا کہ آخری فتنہ ''فنا و تباہی'' کا ہوگا اور اس آخری فتنے سے مراد ''دجال کا فتنہ ہے'' جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا گیا اور نعیم بن حماد رَحِمَہُ اللّٰہُ نے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کی حدیث میں چوتھے فتنے میں دجال کا اضافہ بھی کیا ہے۔(الفتن:۵۴/۱) اور بعض احادیث میں اس چوتھے فتنے کے بارے میں ایک دوسری بات آئی ہے، وہ یہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ میرے بعد چار فتنے ہوں گے اور چوتھا فتنہ بڑا سخت، اندھا اور سب پر حاوی ہونے والا فتنہ ہوگا، جس میں امت آزمائش کی وجہ سے اس طرح رگڑی جائے گی، جیسے چمڑا رگڑا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس زمانے میں معروف کو منکر اور منکر کو معروف سمجھا جائے گا اور ان کے دل مر جائیں گے، جیسے کہ ان کے بدن مر جاتے ہیں۔(۲)

نوٹ: اس حدیث میں الفاظ'' آخرها الفنا '' ف کے ساتھ ہیں، مگر ہمارے مصنف علام رَحِمَہُ اللّٰہُ نے '' آخر الغنا '' غین کے ساتھ نقل کر کے اس کا ترجمہ ''آخری فتنہ راگ و رنگ اور گانا بجانا ہوگا'' سے فرمایا، مگر ابوداود کے مختلف نسخوں اور ابن ابی شیبہ، نیز نعیم رَحِمَہُ اللّٰہُ کی الفتن سب میں یہ لفظ '' الفنا '' ہی آیا ہے اور شرحِ ابی داود میں سے صاحب عون المعبود نے (۳۰۸/۱۱) اور صاحبِ بذل المجهود نے (۱۳۲/۱۷) میں '' الفنا '' ہی کے الفاظ اختیار فرمائے ہیں اور اسی پر شرح بھی کی ہے؛ اس لیے غالباً یہاں '' الغنا '' لکھنا مصنف کا سہو ہے۔ (واللّٰہ أعلم)

---

(۱) طبراني في الكبير:۱۸/۱۸۰، والأوسط:۸/۱۰۹

(۲) نعيم في الفتن:۱/۶۷

الحدیث الشریف - ۵۱

« عَنْ حُذَيْفَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اِقْرَءُوْا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَأَصْوَاتِهَا ؛ وَإِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ أَهْلِ الْعِشْقِ وَ لُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ ، وَسَيَجِيْءُ بَعْدِي قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ ، لَايُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ ، مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَانُهُمْ . »

ترجمہ: حضرت حذیفہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قرآن کو عرب کے لب و لہجے اور آواز میں پڑھا کرو، بوالہوسوں کے نغموں کی طرح پڑھنے اور یہود ونصاریٰ کے طرزِ قرأت سے بچو! میرے بعد کچھ لوگ آئیں گے، جو قرآن کو موسیقی اور نوحے کی طرح گا گا کر پڑھا کریں گے (قرآن ان کی زبان ہی زبان پر ہوگا) حلق سے بھی نیچے نہیں اترے گا، ان کے دل بھی فتنے میں مبتلا ہوں گے اور ان کے دل بھی، جن کو ان کی نغمہ آرائی پسند آئے گی۔

تخریج و شرح

اس کی تخریج امام بیہقیؒ نے شعب الإیمان: (۲/۵۴۰) میں اور دیلمیؒ نے مسند الفردوس: (۲/۳۱۵) میں کی ہے؛ نیز امام رزینؒ نے بھی اپنی کتاب میں اس کو روایت کیا ہے۔ (کمافي المشکوۃ :۱۹۱)، ابن الجوزیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس کا راوی ''ابومحمد'' مجہول ہے اور دوسرا راوی ''بقیہ ابن الولید'' ضعیف لوگوں سے روایت کرتا اور ان سے تدلیس کرتا ہے (العلل المتناهية :۱/۱۱۸)؛ نیز ذہبی نے میزان الإعتدال :(۲/۴۵) میں اور حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان :(۹/۲۶۸) میں یہی نقل فرمایا ہے؛ لہٰذا یہ حدیث ''ضعیف'' ہے۔

حسنِ قرآن کے مقابلوں کا فتنہ

اس حدیث میں اولاً تو اس بات کا حکم فرمایا گیا کہ قرآن پاک کو عرب کے لب ولہجے اور ان ہی کی آواز میں پڑھو اور اہلِ عشق (بوالہوسوں) کے نغموں اور یہود و نصاریٰ کے انداز پر قرآن نہ پڑھو۔

اہلِ عرب کا طرز و انداز اور ان کا لب ولہجہ تکلف سے خالی اور تصنع و بناوٹ سے پاک ہوتا ہے، اس کے برخلاف گانے بجانے والوں کا انداز پُر تکلف و بناوٹی ہوتا ہے اور اس میں قواعدِ موسیقی کی رعایت کی جاتی ہے اور اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ بھی اسی کے مطابق انجیل و تورات پڑھنے کے عادی ہیں؛ لہٰذا حکم دیا گیا کہ اہلِ عرب کے لب ولہجے میں قرآن پاک پڑھا جائے اور اہلِ عشق و اہلِ کتاب کے طرزِ تلاوت سے بچا جائے۔

ہاں! قرآن پاک کو تکلف و بناوٹ کے بغیر اور قواعدِ موسیقی کی رعایت کے بغیر اچھی آواز اور اچھے انداز میں پڑھا جائے، تو یہ ممنوع نہیں؛ بل کہ محمود و مستحسن ہے؛ چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ "قرآن کو اپنی آوازوں سے حسین بناؤ کہ اچھی آواز قرآن میں حسن کا اضافہ کر دیتی ہے"۔(۱)

غرض یہ کہ اچھی آواز و عمدہ لب ولہجے میں قرآن پڑھنا مطلوب و محمود ہے اور منع یہ ہے کہ تکلف و بناوٹ کے ساتھ یا موسیقی کے طرز پر پڑھا جائے؛ چناں چہ آگے فرمایا کہ میرے بعد کچھ لوگ آئیں گے، جو قرآن پاک کو نغمے و موسیقی کے انداز پر یا نوحے کی طرح گا گا کر پڑھیں گے، مگر قرآن ان کے حلق کے نیچے بھی نہ اترے گا۔

معلوم ہوا کہ نغمے اور نوحے کی طرح گا گا کر قرآن پڑھنا منع ہے اور علاماتِ قیامت میں سے ہے؛ مگر جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، اس سے مراد اچھی آواز و انداز سے پڑھنا نہیں ہے؛ بل کہ نغموں اور گانوں کے طرز پر پڑھنا مراد ہے۔ افسوس کہ آج قرا لوگوں میں یہ بھی عام ہو رہا ہے کہ گانے کی طرح قرآن پاک پڑھتے ہیں اور اس کے لیے مجالس و جلسے قائم کیے جاتے ہیں اور ان نغموں کا مظاہرہ ہوتا ہے اور ان کا عمل بالقرآن صفر (Zero) کے درجہ میں ہوتا ہے، گویا قرآن صرف

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۱۹۱

زبانوں پر ہے، دل میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں اور یہ بھی دراصل ایک عظیم فتنہ ہے؛ اسی لیے آگے فرمایا کہ ان کے دل بھی فتنے میں مبتلا ہوں گے اور ان لوگوں کے دل بھی فتنے میں مبتلا ہوں گے، جو ان کی نغمہ آرائی کو پسند کریں گے۔

آج لوگ قرآن صحیح پڑھنے والے کو پسند نہیں کرتے ؛ بل کہ گا گا کر قرآن پڑھنے والے کو پسند کرتے ہیں، چاہے وہ قرآن پاک کو غلط ہی کیوں نہ پڑھے! کیوں کہ مقصود تو گانا سننا ہے، نہ کہ قرآن پاک سننا اور اس پر عمل کرنا۔

رمضان المبارک میں تراویح میں قرآنِ پاک پڑھنے کے لیے مساجد کے ذمہ دار اور مصلی لوگ ایسے حافظ کو تلاش کرتے ہیں، جو گا گا کر اور نغموں اور موسیقی کی طرح قرآن پڑھے اور اس پر اس کو اُجرت بھی دیتے ہیں؛ لیکن کوئی حافظ صحیح پڑھنے والا ہو، مگر اس طرح گا گا کر نہ پڑھتا ہو، تو ترجیح گانے کی طرح پڑھنے والے کو دیتے ہیں، صحیح پڑھنے والے کو نہیں دیتے۔ غرض یہ کہ یہ بھی ایک فتنہ ہے، جس کی اللہ کے نبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے نشان دہی فرمائی ہے۔

❁❁❁

« عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ ؛ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَتٰى ذَالِكَ؟ قَالَ: إِذَاظَهَرَتِ الْقِيَانُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ. »

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں زمین میں دھنسنے، شکلیں بگڑنے اور آسمان سے پتھر برسنے کا عذاب نازل ہوگا؛ کسی صحابی ﷺ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسا کب ہوگا؟ فرمایا: جب گانے اور ناچنے والی عورتیں اور گانے بجانے کا سامان ظاہر ہو جائے گا اور شرابیں اڑائی جائیں گی۔

تخریج و شرح

اس کو ترمذیؒ نے حضرت عمران بن حصین ﷺ سے السنن: (۲۲۱۲) میں روایت کیا ہے؛ نیز السنن الواردة في الفتن: (۳/ ۷۰۹) میں حضرت عمران ﷺ ہی سے اور (۳/ ۷۱۶) میں حضرت عبدالرحمان بن سابط سے بغیر واسطہ صحابی (مرسلاً) روایت کیا ہے، علامہ منذریؒ نے فرمایا کہ ”ترمذی نے اس کو بہ طریق عبدالقدوس روایت کیا ہے اور ان کی توثیق کی گئی ہے اور ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے۔ (الترغیب: ۳۶۲۷)

میں کہتا ہوں کہ یہ ”عبداللہ بن عبدالقدوس“ اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں؛ بل کہ ان کتب میں اس کو ”رافضی، خبیث“ تک کہا ہے؛ البتہ محمد بن عیسیٰؒ نے ان کو ثقہ اور امام بخاریؒ نے صدوق فرمایا ہے۔ (دیکھو: الجرح والتعدیل: ۵/ ۱۰۴، المغني في الضعفاء: ۱/ ۴۹۲، المیزان: ۴/ ۱۴۱، التهذیب: ۲/ ۳۷۷) اس لیے یہ حدیث حسن ہے۔

عذابِ الٰہی کے اسباب

اس کا مطلب واضح ہے اور اوپر اس مضمون کی احادیث اور ان کی شرح گذر چکی ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پچھلی امتوں پر جس طرح زمین میں دھنسانے، صورتوں کو مسخ کرنے اور آسمان سے پتھر برسنے کے عذاب آئے تھے، اس امت پر بھی اس قسم کے عذاب آسکتے ہیں۔

الحديث الشريف - ۵۳

«عَنْ أَبِي مُوسى ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم: إِنَّ مِنْ وَّرَائِكُمْ أَيَّامًا يُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ، وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰه! مَاالْهَرْجُ؟ قَالَ "الْقَتْلُ".»

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے بعد ایسا دور ہوگا، جس میں علم اٹھالیا جائے گا اور فتنہ وفساد عام ہوگا۔ صحابہ ﷺ نے عرض کیا: یارسول اللہ! فتنہ وفساد سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: "قتل"۔

تخریج وشرح

اس کو بخاریؒ: (۷۰۶۲)، مسلمؒ: (۶۷۸۸)، ترمذیؒ: (۲۲۰۰)، ابن ماجہؒ: (۴۰۵۱) احمدؒ: (۳۶۹۵) نے روایت کیا ہے اور یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری وحضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے آئی ہے اور حدیث کا صحیح ہونا ظاہر ہے۔

فتنہ وفساد کا دور

اس میں صحابہ کرام ﷺ کو بتایا گیا کہ تمہارے بعد ایک دور ایسا آئے گا، جس میں علم اٹھالیا جائے گا اور فتنہ وفساد عام ہوگا۔ پھر "ھرج" کی تفسیر قتل سے کرکے بتایا کہ اس دور میں قتل عام ہوجائے گا، اس کی تشریح کے لیے حدیث نمبر ۳ کی شرح دیکھیے۔

« عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ ﷺ أَنَّ النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ: اَلْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ. »

ترجمہ-حضرت معقل بن یسار ﷺ آں حضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ فتنے وفساد کے زمانے میں عبادت کرنا ایسا ہے، جیسے میری طرف ہجرت کرکے آنا۔

تخریج وشرح

اس کو مسلمؒ نے بہ رقم: (۷۴۰۰)، ترمذیؒ نے بہ رقم: (۲۲۰۱)، ابنِ ماجہؒ نے بہ رقم: (۳۹۸۵) احمدؒ نے بہ رقم: (۲۰۲۹۸) وغیرہ روایت کیا ہے اور حدیث صحیح ہے۔

فتنے کے دَور میں عبادت کا ثواب

"ھرج" کا ذکر اوپر کی حدیث میں بھی ہوا ہے، جس کے معنے "قتل وغارت گری" ہے۔ اس حدیث میں فرمایا کہ اس قتل وغارت گری کے ہنگاموں میں عبادت کرنا ایسا ہے، جیسے کوئی دارالحرب ودارالکفر سے ہجرت کرکے نبی کریم عَلَيْهِ السَّلَام کی خدمت میں جائے، یعنی مکے سے ہجرت کرنے کا جو ثواب حضراتِ مہاجرین کو دیا گیا، وہی ثواب فتنے وفساد کے دَور میں اور قتل وغارت گری کے ہنگاموں میں عبادت کرنے پر عطا فرمایا جاتا ہے۔

اور ھجرة إلیٰ الرسول وعبادة في الھرج میں مناسبت یہ ہے کہ فتنے وفساد کے زمانے میں عبادت کرنے والے کو بھی وہی پریشانیاں پیش آتی ہیں، جو فتنے وفساد کی جگہ میں رہنے والوں کو پیش آتی ہیں، تو جس طرح وہ اللہ کے لیے ملک ووطن چھوڑتا ہے، یہ آدمی بھی اپنی جان جھوکوں میں ڈال کر اللہ کی عبادت کا راستہ نکالتا ہے۔

اور علامہ نووی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ

ہرج وفتنے کے زمانے میں عبادت کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ اس میں چند افراد کے سوا سب لوگ عبادت سے غافل ہوتے ہیں اور فتنوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور عبادت کے لیے اپنے آپ کو فارغ نہیں کرتے۔(۱)

(۱) شرح مسلم: ۱۸/ ۱۱۷

« عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : لاَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَأْخُذَ اللّٰهُ شَرِيْطَتَهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ ، فَيَبْقٰى مِنْهَا عُجَاجٌ ، لاَ يَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَلاَ يُنْكِرُوْنَ مُنْكَراً . »

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو زمین والوں سے چھین لے گا؛ پھر زمین پر خیر سے بے بہرہ لوگ رہ جائیں گے، جو نہ کسی نیکی کو نیکی سمجھیں گے، نہ کسی برائی کو برائی۔

تخریج وشرح

اس کو امام احمدؒ نے مسند أحمد :(۶۹۶۴) میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً و موقوفاً اور حاکمؒ نے المستدرک :(۸۴۰۹) میں روایت کیا ہے۔ حاکمؒ نے فرمایا کہ "اگر حسن نے ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، تو یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے"۔(المستدرک:۸۴۰۹)
بزارؒ نے اپنی مسند بزار میں فرمایا کہ حسن نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، مگر میں نہیں جانتا کہ انھوں نے ان سے سنا ہے۔(نصب الراية :۱/۹۰)
اس لحاظ سے یہ حدیث منقطع ہے، مگر اس کے باوجود علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباري میں احمد کی سند کو جید قرار دیا ہے۔(فتح الباري:۱۳/۸۵)

خیر سے بے بہرہ لوگوں کی بھیڑ

اس میں قیامت کی ایک علامت بتائی گئی ہے، وہ یہ کہ اللہ کے مقبول ومحبوب بندے اٹھا لیے جائیں گے؛ یعنی یکے بعد دیگرے ان کو موت دے کر دنیا سے اٹھا لیا جائے گا اور زمین پر صرف خیر

سے محروم اور بے بہرہ لوگ رہ جائیں گے، جو نہ کسی نیکی کو نیکی سمجھیں گے اور نہ کسی بُرائی کو بُرائی سمجھیں گے۔ یعنی حق و باطل میں ان کو کوئی امتیاز ہی نہ رہے گا اور ظاہر ہے کہ جب حق و باطل، اچھے و بُرے اور معروف و منکر میں کوئی فرق و امتیاز نہ ہوگا، تو ان کی زندگی جانوروں جیسی ہوگی اور یہ بات علمِ شریعت اور عقل و بصیرت سے محرومی کا نتیجہ ہوگی، جیسا کہ اوپر حدیث گذری کہ ”میری امت شریعت پر قائم رہے گی، جب تک کہ ان میں سے علم نہ اٹھالیا جائے“۔ (دیکھو حدیث ۴۸)

مسلمانو! آج کتنے لوگ ہیں، جو دین کا علم رکھتے ہیں؟ اور اس کی روشنی میں زندگی گذارتے ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے مسلمانوں کو شرم آتی ہے؛ کیوں کہ اس کے جواب میں جو کہا جائے گا، وہ نہایت ہی افسوس ناک صورتِ حال ہوگی؛ بل کہ شرم ناک صورتِ حال ہوگی اور جب علمِ دین کی تحصیل میں مسلمان اتنا پیچھے ہے، تو حقائق کو سمجھنے اور حق و باطل میں امتیاز کرنے اور معروف و منکر کے فرق کو سمجھنے میں کتنا پیچھے ہوگا؟ چناں چہ آج بہت سے مسلمانوں کو معلوم نہیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ حتیٰ کہ اسلام کے بنیادی عقیدوں کا بھی ان کو صحیح علم نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہ کفریہ و شرکیہ اور ملحدانہ و زندیقانہ اعمال و افعال کو اسلام اور خالص اسلام سمجھتے ہیں، مزارات کی پوجا، اولیا اللہ کی منتیں ماننا، جھنڈے گاڑ کر اس کو سلامی دینا اور ان مخلوقات کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا اور ولادتِ نبوی کی تاریخ میں گانے بجانے، ناچنے اور دیگر خرافات پر مشتمل جلوس نکالنا، مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقے میں خالص دینِ اسلام بل کہ مغزِ اسلام اور حقیقت و معرفت کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں، جب کہ ان کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں؛ بل کہ یہ شرکیہ و کفریہ باتیں و اعمال ہیں۔

یہ سب اسی لیے ہے کہ شریعت کا علم حاصل نہیں۔ حضرت عباد بن عباد الخواص الشامی رحمۃ اللہ جو ملکِ شام کے فضلا اور عابدین و زاہدین میں سے تھے، امام دارمی رحمۃ اللہ نے ان کا ایک خط نقل کیا ہے، اس میں آپ رحمۃ اللہ نے ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ

”تم عمل سے پہلے علم حاصل کرو کیوں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں حق و باطل مشتبہ ہو جائیں گے اور معروف منکر اور منکر معروف ہو جائے گا، پس تم میں

بہت سے ایسے بھی ہوں گے، جو اللہ کا قرب ایسی چیزوں سے حاصل کرنا چاہیں گے، جو اللہ سے دور کرنے والی ہوں گی اور اللہ سے محبت ایسی چیزوں کے ذریعے حاصل کرنا چاہیں گے، جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہیں۔(۱)

معلوم ہوا کہ علمِ شریعت سے جاہل رہنا، انسان کو اس طرح گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے کہ انسان حق کو باطل اور باطل کو حق اور اللہ سے دور کرنے والی باتوں کو اللہ کے قرب کا ذریعہ اور اللہ کو ناراض کرنے والی باتوں کو اللہ کی محبت کے حصول کا ذریعہ سمجھنے لگتا ہے، جیسے بدعتی لوگ مزارات پر سجدہ اور نیاز اور جھنڈوں کی سلامی ہی کو اللہ و رسول سے محبت و تعلق کی دلیل سمجھتے ہیں، جب کہ یہ باتیں اللہ و رسول سے دوری پیدا کرتی ہیں۔

اسی طرح اب بہت سے مسلم ملکوں میں خالص اسلامی افعال و اعمال کو معیوب سمجھا جاتا ہے؛ جیسے ڈاڑھی، پردہ، وغیرہ اور بعض اسلامی ملکوں میں ان پر پابندی بھی ہے، گویا غیرِ اسلام، اسلام ہے اور اسلام، غیرِ اسلام ہے، معروف منکر ہے اور منکر معروف ہے!!

اگر یہ صورتِ حال ترقی کرتی رہی اور بے دینی و لاعلمی کی فضا آگے بڑھتی رہی، تو سوچیے کہ نوبت کہاں پہنچے گی؟ اور کیا وہ صادق نہ آئے گا، جو اس حدیث میں پیش گوئی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

(۱) دارمی: ۱/۶۷۵

الحديث الشريف - ٥٦

« عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما - مَرْفُوْعاً - يَكُوْنُ فِي آخِرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ رِجَالٌ يَرْكَبُوْنَ عَلَى الْمَيَاثِرِ، حَتّٰى يَأْتُوْا أَبْوَابَ الْمَسَاجِدِ، نِسَائُهُمْ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ عَلٰى رُؤُسِهِنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْعِجَافِ، اِلْعَنُوْهُنَّ فَإِنَّهُنَّ مَلْعُوْنَاتٌ؛ لَوْ كَانَتْ وَرَاءَكُمْ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ لَخَدَمْتُمْ كَمَا خَدَمَكُمْ نِسَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ. »

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے، جو ٹھاٹ سے زین پوشوں پر بیٹھ کر مسجدوں کے دروازوں تک پہنچا کریں گے، ان کی بیگمات لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی، ان کے سروں پر لاغر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح بال ہوں گے، ان پر لعنت کرو! کیوں کہ وہ ملعون ہیں، اگر تمہارے بعد کوئی اور امت ہوتی، تو تم ان کی غلامی کرتے، جس طرح پہلی امتوں کی عورتیں تمہاری لونڈیاں بنیں۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو امام احمدؒ نے اپنی مسند أحمد: (۷۰۸۳)، ابن حبانؒ نے الصحیح لابن حبان: (۱۳/۶۴) ابوعبداللہ الحاکمؒ نے المستدرک: (۴/۴۳۶) اور ابوالحسن الہیثمیؒ نے موارد الظمآن: (۴/۴۴۸) میں روایت کیا ہے اور حاکمؒ نے کہا کہ یہ حدیث علی شرط الشیخین صحیح ہے، امام المنذریؒ نے الترغیب: (۳۱۴۳) میں حاکم کا قول نقل کر کے اس پر سکوت فرمایا ہے۔

دین داروں میں ٹھاٹ باٹ

۱- اس حدیث میں ہے کہ اس اُمت کے آخر میں ایسے آدمی ہوں گے، جو دنیوی ٹھاٹ باٹ سے متاثر ہونے اور اس کے عادی ہونے کی وجہ سے "میاثر" یعنی "ریشمی زین" پوش پر سوار ہو کر

مساجد کو آئیں گے۔ میاثر، مثیرۃ کی جمع ہے اور یہ لفظ وثارۃ سے بنا ہے، جس کے معنے ہیں، ’’بچھونے کا نرم وملائم ہونا‘‘، میاثر وہ بچھونے، جو نرم ونازک وملائم ہوں، ابوعبید نے فرمایا کہ میاثر عجمی سواریوں میں سے ہے، جو حریر ودیباج کے بنے ہوتے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ گھوڑے یا اونٹ پر ریشم وغیرہ سے بنا کر ڈالے جاتے ہیں۔ (۱)

ان حضرات کی یہ تشریح ان کے زمانے کی چیزوں کے پیشِ نظر ہے اور آج کے حالات کے اعتبار سے اونٹ وگھوڑے کے بہ جائے کار وموٹر گاڑیاں اس کا مصداق ہوں گے، جن میں آرائش وزیبائش کرنے والے ضرورت سے زیادہ آرائش وزیبائش کا اہتمام کرتے ہیں اور ریشم وحریر کے گدے وصوفے اور سیٹیں بناتے ہیں، ان تعیشات اور آسائشوں اور زیبائشوں کی برائی بیان کرنا اصل مقصود ہے۔

اور بعض احادیث میں صراحت کے ساتھ میاثر پر سواری کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (۲)

اور اس منع کی وجہ بعض نے یہ بیان کی کہ یہ ریشم سے بنے ہوتے ہیں اور ریشم مردوں کے لیے حرام ہے؛ لہٰذا اس صورت میں یہ حرمت، ریشم کی وجہ سے ہوگی اور بعض نے فرمایا کہ اس میں تشبہ بالعجم ہے اور غیروں کی مشابہت اسلام میں منع ہے اور بعض نے فرمایا کہ اسراف وفضول ہونے کی وجہ سے منع ہے اور بعض نے تزئین وزیبائش اس کی وجہ بتائی ہے۔ (۳)

غرض یہ کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا، جس میں لوگ مساجد تک ایسے ایسے نازونخروں اور زیب وزینت اور کافرانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ آئیں گے۔ بہر حال! دونوں صورتوں پر یہ بتانا مقصود ہے کہ مساجد کو آنے والا طبقہ جو دین دار کہلاتا ہے، اس میں بھی دنیوی تعیشات اور ٹھاٹ باٹ کا رواج ہوگا، جیسا کہ آج کل مال دار طبقے میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ مساجد کو تو آتے ہیں، مگر دنیوی عیش سے مست وچور ہوتے ہیں اور ان میں غرور وناز کی مستی صاف دکھائی دیتی ہے۔

---

(۱) فتح الباری: ۱۰/۳۰۷

(۲) دیکھو: شعب الایمان: ۶/۴۲۶، المسلم: ۵۳۸۸، البخاری: ۵۱۷۵

(۳) فتح الباری: ۱۰/۳۰۷

بے حیائی کی وبا

۲- پھر فرمایا کہ ''ان کی عورتیں کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، ان کے سروں پر لاغر بختی اونٹوں کی کوہان کی طرح بال ہوں گے، ان پر لعنت کرو!''

ان جملوں کی شرح حدیث نمبر ۱۴۱ کے تحت گذر چکی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ نماز پڑھنے کو مساجد میں آنے والوں کی عورتوں کا فیشن پرستی میں اور ٹھاٹ باٹ میں یہ حال ہوگا کہ کپڑے تو جسم پر ہوں گے، مگر اتنے باریک کہ بدن جھلک رہا ہوگا، یا کپڑے آدھے جسم پر ہوں گے اور آدھا جسم ننگا ہوگا اور سر پر چوٹیاں کوہان کی طرح ہوں گی، یہ سب دنیوی عیش و تنعم اور فیشن پرستی کا نتیجہ ہوگا۔

یہ معلون ہیں!

۳- آخر میں فرمایا کہ ''ان (عورتوں) پر لعنت کرو! کہ یہ عورتیں ملعون و لعنتی ہیں اور اگر تمہارے بعد کوئی اور امت آنے والی ہوتی تو، ان عورتوں کو اس قوم کی عورتوں کا غلام بنادیا جاتا؛ مگر کوئی اور امت اس کے بعد نہیں ہے؛ اس لیے یہ تو نہ ہوگا کہ کسی کا غلام بنایا جائے، مگر ذلیل وخوار تو ہورہی ہیں''۔

یہ حدیث بھی آج کے لوگوں پر بہت حد تک صادق آتی ہے، عیش پسندی، تعیش، دکھاوے کا عام چلن ہورہا ہے، حتی کہ نمازی لوگوں میں بھی اس قسم کی بیماریاں بڑھتی جارہی ہیں؛ ریشم کے گدّوں اور سیٹوں وصوفوں کا رواج بھی ہونے لگا ہے، پھر ان نمازیوں کی عورتوں میں بے پردگی وفیشن پرستی، عریانی وبے حیائی بھی رواج پارہی ہے اور یہ باتیں عموماً ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں، جو مالدار وخوش حال ہیں اور مغربی طرزِ معاشرت اور طرزِ زندگی کو عظمت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالی ہم کو ان لوگوں میں سے ہونے سے بچائے۔ (آمین)

« عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنْ طَالَتْ بِكَ مُدَّةٌ يُوْشِكُ أَنْ تَرىٰ قَوْماً يَغْدُوْنَ فِي سَخَطِ اللّٰهِ وَيَرُوْحُوْنَ فِي لَعْنَتِهٖ، فِي أَيْدِيْهِمْ مِثْلُ أَذْنَابِ الْبَقَرِ. »

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے آں حضرت ﷺ سے سنا ہے کہ اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی، تو بعید نہیں کہ تم ایسے لوگوں کو دیکھو، جن کی صبح وشام اللہ کے غضب ولعنت میں بسر ہوگی، ان کے ہاتھ میں بیل کی دُم جیسے کوڑے ہوں گے۔

تخریج وشرح

اس کو مسلمؒ نے الصحیح میں بہ رقم: (۷۱۹۵) و(۷۱۹۶)، احمدؒ نے مسند أحمد: (۸۰۷۳) میں حاکمؒ نے المستدرک: (۸۴۱۱) میں اور بیہقیؒ نے شعب الإیمان: (۴/۳۴۹) میں روایت کیا ہے اور حاکمؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور مسلم کی تخریج سے بھی اس کا صحیح ہونا ظاہر ہے۔

صبح وشام خدا کی لعنت میں

اس حدیث میں جس قوم کا ذکر ہے، اس سے مراد پولیس (Police) ہے، جو اپنے ہاتھوں میں کوڑے رکھ کر پھرتی رہتی ہے اور ان سے اچھوں بُروں سب کو اذیت پہنچاتی اور دنیا کی خاطر، لوگوں کو پریشان کرتی ہے اور اس میں بتایا گیا کہ ان لوگوں پر صبح وشام خدا کی لعنت وغضب ہوتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آخری زمانے میں پولیس والے ہوں گے، جو اللہ کے غضب میں صبح کریں گے۔ (۱)

اس حدیث کی تشریح کے لیے حدیث: ۱۴ کی شرح دیکھیے، ہم نے وہاں اس پر تفصیلی کلام کر دیا ہے۔

(۱) طبرانی کبیر: ۸/۱۶۰

«عَنْ أَبِي أُمَامَةَ ﷺ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: لَا يَزْدَادُ الْأَمْرُ إِلَّا شِدَّةً وَلَا الْمَالُ إِلَّا إِفَاضَةً وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلٰى شِرَارِ خَلْقِهِ .»

ترجمہ: حضرت ابوامامہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حالات میں دن بہ دن شدت پیدا ہوتی جائے گی، مال میں برابر اضافہ ہوتا جائے گا اور قیامت صرف بدترین لوگوں پر قائم ہوگی، (نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھالیے جائیں گے)۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو حضرت ابوامامہ ﷺ کی روایت سے امام طبرانیؒ نے المعجم الکبیر: (۲۱۴/۸) میں اور ابنِ عدیؒ نے الکامل: (۲۰۶/۶) میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں ''معاویہ بن صالحؒ'' راوی مختلف فیہ ہے، احمدؒ، ابوزرعہؒ وغیرہ نے ان کو ثقہ مانا ہے اور یحییٰ القطانؒ ان کو پسند نہیں کرتے تھے اور ابوحاتمؒ نے فرمایا کہ ان سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا، ابن معینؒ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، ابن عدیؒ نے فرمایا کہ صدوق ہیں اور ابواسحاق نے فرمایا کہ یہ اس لائق نہیں کہ ان سے روایت لی جائے۔ (المیزان: ۴۵۶/۶، العقلی: ۱۸۳/۴) غرض یہ کہ ''معاویہ بن صالحؒ'' کے بارے میں اختلاف ہے؛ لہٰذا یہ حدیث ''حسن'' ہوگی؛ نیز اس کی تائید شواہدات سے ہوتی ہے؛ چناں چہ اس معنے ومضمون کی حدیث ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۲۶۲/۷) میں حضرت عمران بن حصین ﷺ سے روایت کی ہے اور فرمایا کہ ادریس نے یحییٰ سے اس کو روایت کرنے میں تفرد کیا ہے؛ نیز حضرت انس ﷺ سے ابن ماجہؒ نے (السنن: ۴۰۳۹) میں روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں ''لا مهدي إلا عيسى'' کا اضافہ ہے؛ نیز اس کو حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے خطیبؒ نے تاریخ بغداد :(۳۶۱/۵) میں اور ابویعلی نے الإرشاد:(۴۲۶/۱) میں روایت کیا ہے، ابن الجوزی نے "العلل المتناهية":(۸۶۲/۲) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں وارد آخری جملہ "لامهدي إلاعيسى" کی کسی طرح تائید نہیں ہوتی؛ اس لیے یہ جملہ منکر ہے اور اس سے زیادہ اصح احادیث میں حضرت مہدی علیہ السلام کے خروج کا اور ان کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہونے کا ذکر ملتا ہے، جس سے مذکورہ حدیث کے اس جملے کا غلط ہونا ظاہر ہوتا ہے، صاحب المنار المنيف نے احادیثِ مہدی کے اصح ہونے کی بنا پر اس حدیث کا رد کیا ہے۔ المنار المنيف: (۱۴۱/۱) البتہ اس کے اور جملے دوسری احادیث سے ثابت ہیں، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا؛ اس لیے ان کا اعتبار کیا جائے گا اور اس میں وارد یہ جملہ "لاتقوم الساعة إلاعلیٰ شرار الناس" صحیح احادیث سے ثابت ہے۔(سلسلة الأحاديث الضعيفة:۱/ ۱۷۷)

غرض یہ کہ مذکورہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ان شواہدات کی وجہ سے "حسن" ہے۔

حالات میں روز افزوں شدت

حضرت ابوامامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

۱- "حالات میں روز بہ روز شدت وسختی بڑھتی جائے گی"

یعنی حالات خطرناک سے خطرناک ہوتے جائیں گے اور اس میں روزانہ اضافہ ہی ہوگا، کمی نہ ہوگی، بعض حضرات نے جیسے ابن شوذب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ حالات میں شدت سے مراد علما کی موت کا واقع ہونا ہے۔(۱)

یعنی علما کا دنیا سے اٹھ جانا امت کے حق میں شدت وسختی کا ذریعہ بن جائے گا، یہ مطلب ہے کہ خود علما کا دنیا سے اٹھتے چلے جانا روز بہ روز بڑھتا جائے گا اور علما کی موت کی کثرت ہو جائے گی اور ایک دَور ایسا آئے گا کہ علما ہی نہ رہیں گے، جیسا کہ اوپر اس سلسلے میں احادیث گذر چکی ہیں۔

---

(۱) طبقات المحدثين لابی محمد ابن حيان: ۲۰۸/۴

حالات میں شدت خصوصاً اہلِ اسلام کے لیے حالات کا سنگین وخطرناک ہونا، آج کے دور میں اور خصوصاً ہندوستان میں واضح اور اظہر من الشمس ہے، سنگھ پریوار، شیوسنا، آر-ایس-ایس، بجرنگ دل، جیسی شدت پسند تنظیموں اور دہشت پسند عناصر کی طرف سے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں، جو فساد و دہشت گردی کا ننگا ناچ کھیلا جا رہا ہے اور ہندوستان کی مرکزی حکومت بھی ان کے ساتھ اس ناچ میں شریک ہو رہی ہے، یہ ساری باتیں کھلی ہوئی ہیں۔

ابھی قریب میں گجرات کے بعض علاقوں میں مسلمانوں کے خون سے جو ہولی کھیلی گئی اور پوری انسانی تاریخ کا ریکارڈ توڑتے ہوئے ہزاروں ہزار مسلمانوں کو زندہ جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دیا گیا اور بچوں، عورتوں، بوڑھوں، جوانوں سب کو مشقِ ستم بنایا گیا اور منت سماجت کرنے والوں کی کوئی بات بھی ان درندوں پر اثر انداز نہ ہوئی اور جنگل کے درندوں سے بڑھ کر درندگی کا جو مظاہرہ پیش کیا گیا، اس پر سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث کی پیش گوئی پوری ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ ان شہیدانِ وطن کو مرحوم ومغفور فرمائے۔ (آمین ثم آمین۔)

مالی آسودگی

۲- ''مال میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا''

مال کا بڑھنا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور بعض احادیث میں ہے کہ مال اس قدر بڑھ جائے گا کہ زمین خزانے اگلنے لگے گی اور اس کو کوئی لینے والا نہ رہے گا۔ (۱)

> ایک حدیث میں ہے کہ زمین سونے اور چاندی میں سے ستون کے برابر ٹکڑے اپنے اندر سے نکالے گی، ایک قاتل آئے گا اور کہے گا کہ اس دنیا کے لیے میں نے فلاں کو قتل کیا تھا۔ قطع رحمی کرنے والا کہے گا کہ اس مال کے لیے تو میں نے رشتہ توڑا تھا۔ چور آئے گا اور کہے گا کہ اس مال کے لیے تو میں نے چوری کی تھی اور میرے ہاتھ کاٹے گئے اور اب ان میں سے کوئی بھی مال کو نہیں اٹھائے گا، سب چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ (۲)

---

(۱) المسلم: ۲۳۳۹

(۲) مشکاۃ المصابیح: ۴۶۹

مال میں اس قدر فراوانی تو ہوگی، مگر اس کے باوجود نہ سکون ہوگا، نہ راحت ہوگی؛ بل کہ جیسا کہ اوپر فرمایا گیا، شدت و سختی و پریشانی میں بھی اضافہ ہوگا۔

قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی

۳۔ ’’اور قیامت نہیں قائم ہوگی، مگر مخلوق میں سے بدترین لوگوں پر‘‘

معلوم ہوا کہ قیامت کے قریب سارے نیک اور اچھے لوگ دنیا سے ختم ہو جائیں گے اور صرف بدترین لوگ رہ جائیں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔ یہ مضمون اور بھی متعدد حدیثوں میں آیا ہے۔ (۱) اس لیے اس حدیث کا یہ جملہ صحیح و ثابت ہے۔ (کما قاله الالبانی فی الضعیفة: ۱/ ۱۷۷)

---

(۱) دیکھو: المسلم: ۲۰۴۷

الحدیث الشریف - ۵۹

« عَنْ مُوْسَى بْنِ أَبِي عِيْسَى الْمَدِيْنِي رحمہ اللہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: كَيْفَ بِكُمْ إِذَا فَسَقَ فِتْيَانُكُمْ وَطَغٰى نِسَاءُكُمْ؟ قَالُوا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَإِنَّ ذَالِكَ لَكَائِنٌ؟ قَالَ: نَعَمْ! وَأَشَدَّ مِنْهُ، كَيْفَ بِكُمْ إِذَا لَمْ تَأْمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ؟ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَإِنَّ ذَالِكَ لَكَائِنٌ؟ قَالَ: نَعَمْ! وَأَشَدَّ مِنْهُ، كَيْفَ بِكُمْ إِذَا رَأَيْتُمُ الْمُنْكَرَ مَعْرُوْفًا وَالْمَعْرُوْفَ مُنْكَراً؟. »

ترجمہ: موسیٰ بن ابی عیسیٰ مدنی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، جب تمہارے نوجوان بدکار ہو جائیں گے اور تمہاری لڑکیاں اور عورتیں تمام حدود پھلانگ جائیں گی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوگا؟ فرمایا: ہاں! اور اس سے بھی بڑھ کر۔ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، جب تم نہ بھلائی کا حکم کرو گے، نہ برائی سے منع کرو گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ایسا بھی ہوگا؟ فرمایا: ہاں! اور اس سے بھی بدتر، اس وقت تم پر کیا گزرے گی، جب تم برائی کو بھلائی اور بھلائی کو برائی سمجھنے لگو گے۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو امام ابن المبارکؒ نے "الـزهـد" میں بہ رقم: (۱۳۷۶)، موسیٰ بن ابی عیسیٰ مدنیؒ سے مرسلاً (بلا واسطۂ صحابی) روایت کیا ہے اور یہی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً طبرانیؒ نے المعجم الأوسط: (۱۲۹/۹) میں اور ابویعلیٰ نے المسند: (۳۰۴/۱۱) میں روایت کیا ہے۔ طبرانیؒ کی روایت میں "جریر بن مسلم" اور طبرانی کے "شیخ ہمام بن یحییٰ" دونوں غیر معروف ہیں، علامہ ہیثمیؒ نے فرمایا کہ میں ان کو نہیں جانتا اور ابویعلیٰ کی روایت میں موسیٰ بن عبیدہ الزبدی

متروک راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ۷/ ۵۵۱) نیز اس کو ابن ابی حاتمؒ نے العلل: (۶/ ۵۶۲) میں حضرت ابوامامہ ﷺ سے روایت کیا اور اس کو منکر اور اس کے راوی ''حماد بن عبدالرحمان'' کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اور اس حدیث کو ابن حبان نے ثقات: (۷/ ۱۶۹) میں حضرت عمر ﷺ سے روایت کیا ہے، مگر یہ روایت منقطع ہے؛ کیوں کہ حضرت عمر ﷺ سے مبارک ابن الحسین نے روایت کیا، حالاں کہ انھوں نے حضرت عمر ﷺ کو نہیں دیکھا۔ (قاله ابن حبان)

غرض یہ کہ یہ حدیث متعدد طرق سے آئی ہے اور روایات کا تعدد اس کے ضعف کو ختم کر دیتا ہے اور اس لحاظ سے یہ حدیث ''حسن'' ہے۔ (کما لایخفی)

جوانوں میں ''فسق'' اور عورتوں میں ''بے حیائی''

اس میں حضرت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بعد میں پیش آنے والے کچھ احوال کا ایک خاص انداز میں ذکر فرمایا ہے:

۱- پہلی بات یہ فرمائی کہ ''تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا، جب تمہارے جوان فسق و فجور اور بدکاری کرنے لگیں گے اور عورتیں، سرکشی کرتے ہوئے ساری حدیں پار کر جائیں گی''

اس میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قیامت کے قریب ہونے والی حالت کا ذکر کیا ہے کہ نوجوانوں میں فسق و فجور کا عام رجحان اور بدکاری سے دلچسپی ہو جائے گی؛ چناں چہ آج جوانوں کی حالت ایسی ہی یا اس کے قریب ہوگئی ہے۔

شراب نوشی، زنا کاری، ناچ گانے اور میوزک وغیرہ سے دلچسپی ان میں عام ہے؛ بل کہ اب کالج میں پڑھنے والوں اور اسکولوں کے نوخیز لڑکوں میں یہ چیزیں ایک فیشن اور فخر و مباہات کی علامت ہوگئی ہے۔ مغرب کے باغیانِ فطرت کو ایک طرف رکھیے، خود مسلمانوں اور ان میں سے بالخصوص عرب لوگوں میں یہ چیزیں جس تیزی اور دلچسپی کے ساتھ بڑھ رہی ہیں، یہ بڑی حیرت ناک بات بھی ہے اور افسوس ناک بھی۔ پھر ٹی۔ وی اور انٹرنیٹ نے نوجوانوں اور عورتوں کو فسق و فجور کے ایسے چور دروازے بتا دیے ہیں؛ بل کہ ان کے لیے کھول دیے ہیں، جن کے ذریعے کسی

روک ٹوک کے بغیر اور کسی کے لحاظ ورعایت کی زحمت کے بغیر بڑی آسانی کے ساتھ فسق وفجور کی تمام منزلیں طے کی جاسکتی ہیں؛ پھر اس سلسلے میں انٹرنیٹ کلبوں (cafe) نے اور اضافہ کردیا اور اس میں مزید سہولت پیدا کردی اور فی گھنٹہ ۲۵ روپے میں اس کو فراہم کرکے بے حیائی وفحاشی کی مزید اشاعت وتوسیع کا کام انجام دے دیا۔

غرض یہ کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے انٹرنیٹ اور ٹی۔وی کے ذریعے غیر اخلاقی جرائم کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ سوچیے کہ کیا صحابہ ﷺ کے دور میں ان باتوں کا تصور بھی کیا جاسکتا تھا؟ ہرگز نہیں! اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ ﷺ سے فرمایا کہ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا، یعنی تم اس کو کیوں کر برداشت کروگے، جب کہ نوجوانوں میں فسق وفجور عام ہوجائے گا؟

یہ تو جوانوں کی حالت ہے اور عورتوں میں سرکشی وبغاوت اس قدر بڑھ جائے گی کہ وہ حدود کو پھلانگ جائیں گی۔ آج یہ بھی ہورہا ہے، مغرب کے نعرۂ آزادی پر لبیک کہنے والی یہ ناقصۃ العقل وناقصۃ الدین خواتین، آزادی کے شوق میں ہر حد کو پار کرچکی ہیں۔ وہ کونسی بے حیائی ہے، جس میں عورتوں نے دلچسپی نہیں لی؟ عریانی کا وہ کونسا شعبہ ہے، جو ان عورتوں کی شناخت بنا ہوا نہیں ہے؟ وہ کونسی غیر فطری رَوِش ہے، جس کو ان عورتوں نے اختیار نہیں کیا ہے؟ غرض یہ کہ مغربی کھوکلے نعروں نے ان کو ان کی کم عقلی کی وجہ سے متأثر کیا اور سرکشی پر ان کو آمادہ کردیا۔

نہ امر بالمعروف نہ نہی عن المنکر

اس حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب ایسا ایسا ہوگا، تو تم کیا کروگے، تمہارا کیا حال ہوگا؟ صحابہ ﷺ نے عرض کیا کہ کیا ایسا ہونے والا ہے؟ یعنی صحابہ ﷺ کو اس پر حیرت وتعجب ہوا کہ یہ باتیں کیسے ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! ایسا ہوگا؛ بل کہ اس سے بھی شدید وسخت باتیں ہونے والی ہیں۔

۲- آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا، جب تم نہ بھلائی کا حکم کروگے اور نہ برائی سے روکوگے“؟

یعنی پہلے کی حالت سے بدتر حالت ہوگی کہ نیک لوگ، اگرچہ خود تو گناہوں سے بچیں گے، مگر دوسروں کو نہیں روکیں گے اور خود تو بھلائی کریں گے، مگر دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیں گے؛

حالاں کہ یہ فریضۂ خداوندی ہے اوراس کے ترک پر وعید شدید ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کیا ایسا بھی ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! اس سے بھی سخت بات ہوگی۔

امر بالمنکر، نہی عن المعروف

۳- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا، جب تم معروف کو منکر اور منکر کو معروف خیال کرنے لگو گے۔ یہ تیسری حالت اور سخت حالت ہے، جس میں حق وباطل، معروف ومنکر اور مغز وپوست کا فرق اٹھ جائے گا؛ بل کہ اور الٹا یہ ہوگا کہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگیں گے۔ اس کی وضاحت کے لیے یہ حدیث نمبر ۵۵ دیکھیے۔

اللہ تعالیٰ حفاظت کرے اور حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھنے کی توفیق دے، آج اس قسم کے حالات بھی امت میں شروع ہو چکے ہیں اور بعض طبقے اس شیطانی دعوت کو عام کررہے ہیں کہ حق باطل ہو جائے اور باطل حق ہو جائے۔

الحدیث الشریف - ٦٠

« عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اتُّخِذَ الْفَيْئُ دُوَلاً، وَالْاَمَانَةُ مَغْنَماً ، وَالزَّكَاةُ مَغْرَماً ، وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ ، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ، وَعَقَّ أُمَّهُ ، وَأَدْنٰى صَدِيْقَهُ ، وَأَقْصٰى أَبَاهُ ، وَ ظَهَرَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ ، وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ ، وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ ، وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ ، وَظَهَرَتِ الْقِيْنَاتُ وَ الْمَعَازِفُ ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ ، وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا ؛ فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَآيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ بَالٍ، قُطِعَ سِلْكُهُ فَتَتَابَعَ . »

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب مالِ غنیمت کو دولت ، امانت کو غنیمت اور زکات کو تاوان سمجھا جائے ، دنیا کمانے کے لیے علم حاصل کیا جائے ، مرد اپنی بیوی کی فرماں برداری کرے اور اپنی ماں کی نافرمانی، اپنے دوست کو قریب کرے اور باپ کو دُور اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں، قبیلے کا بدکاران کار سردار بن بیٹھے اور رذیل آدمی قوم کا قائد (چودھری) بن جائے ، آدمی کی عزت محض اس کے ظلم سے بچنے کے لیے کی جائے ، گانے والی عورتیں اور گانے بجانے کا سامان عام ہو جائے ، شرابیں پی جانے لگیں اور پچھلے لوگ پہلوں کو لعن وطعن سے یاد کریں؛ اس وقت سرخ آندھی، زلزلہ، زمین میں دھنس جانے، شکلیں بگڑ جانے، آسمان سے پتھر برسنے اور طرح طرح کے لگاتار عذابوں کا انتظار کرو، جس طرح کسی بوسیدہ ہار کا دھاگہ ٹوٹ جانے سے موتیوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔

تخریج وشرح

اس کو ترمذیؒ نے السنن میں بہ رقم: (۲۲۱۱) روایت کیا ہے اور اس کے راویوں میں ایک راوی

''ربیع الجذامی'' مجہول ہے، جیسا کہ ذہبیؒ نے میزان: (۸۲/۳) میں اور ابن حجرؒ نے التھذیب: (۶۱۲/۱) میں ذکر کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کو غریب کہا ہے۔ ہاں! اس کے لیے حدیث نمبر: ۶۱ شاہد بن سکتی ہے، جو حضرت علی ﷺ سے مروی ہے اور اس شاہد کی وجہ سے اس حدیث کو ''حسن'' قرار دیا جا سکتا ہے۔

مالی حقوق کی پامالی

اس حدیث کی شرح میں احقر کا ایک مستقل رسالہ ''قیامت کی نشانی'' کے نام سے طبع ہو چکا ہے، یہاں اسی سے اقتباس کر کے ضروری شرح لکھی جاتی ہے، اصحابِ ذوق مکمل مطالعے کے لیے اس رسالے کی طرف رجوع کریں۔

۱- '' إذا اتخذ الفيء دولاً'' رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ (جب مالِ غنیمت کو شخصی دولت بنا لیا جائے) تو ان ہولناک عذابات کا (جن کا ذکر کیا گیا ہے) انتظار کرو، ''فیٔ'' اصل میں اس مال کو کہتے ہیں، ''جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کو کفار سے حاصل ہو جائے'' جیسے جزیہ، خراج، عشر اور صلح کا مال؛ اسی طرح ''فیٔ'' اس مال کو بھی کہا جاتا ہے، ''جس کو کفار و مشرکین چھوڑ کر بھاگ جائیں''۔(۱) مگر زیرِ بحث حدیث میں ''فیٔ'' سے ہر وہ مال مراد ہے، جو فقیروں اور حاجت مندوں کا حق ہے، خواہ وہ کفار سے حاصل ہوا ہو یا مسلمانوں سے؛ پھر وہ کسی بھی طور پر حاصل ہوا ہو، اسی لیے بعض علما نے ''فیٔ'' کی یہ تعریف کی ہے:

هو ما يوضع في بيت مال المسلمين.(۲)

ترجمہ: مال ''فیٔ'' وہ مال ہے، جو مسلمانوں کے بیت المال میں رکھا جاتا ہے۔

غرض یہ کہ بیت المال کے مال کو جو کہ ملت کا سرمایہ اور غربا کا حق ہے، شخصی دولت کی طرح استعمال کرنا اور حق داروں کو حق نہ دینا، مذکورہ عذابات کو دعوت دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اغنیا و مال داروں کا غریبوں کے مال پر قبضہ کر لینا اور ان تک ان کا یہ حق نہ پہنچانا، ناجائز ہے اور عذاب

---

(۱) تفسیر القرطبی: ۳۵۱/۲۰

(۲) تعریفات الفقه مندرجه قواعد الفقه: ۴۱۷

الٰہی کا سبب و باعث ہے اور اس طرح حق تلفی کرنے والوں پر دنیا میں بھی بعض اوقات سزا کے طور پر عذاب بھیج دیے جاتے ہیں، جیسا کہ زیرِ بحث حدیث میں اس پر سزائیں سنائی گئی ہیں اور آخرت میں تو ایسے لوگوں کو ضرور سزا ملے گی اور ان اخروی سزاؤں کی کچھ تفصیل بعض حدیثوں میں آئی ہے؛ مثلاً:

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ کھڑے ہوئے اور آپ نے مالِ غنیمت میں خیانت کا ذکر کیا اور اس کو بڑا گناہ قرار دیا، فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر بکری ہو اور وہ پکار رہی ہو، یا اس کی گردن پر گھوڑا سوار ہو اور وہ ہنہنا رہا ہو اور یہ شخص کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریاد رسی کیجیے اور میں کہہ دوں کہ مجھے کچھ اختیار نہیں، میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ یا اس کی گردن پر اونٹ بلبلا رہا ہو، یا اس کی گردن پر سونا چاندی ہو یا اس کی گردن پر کپڑے ہوں۔ (۱)

مطلب یہ ہے کہ جو جو چیز خیانت کے ذریعے کسی کی دبالی ہوگی، وہ وہاں اس کی گردن پر سوار ہوگی اور یہ شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیں گے کہ مجھے اس کا اختیار نہیں۔

امانت میں خیانت

۲- ''والأمانة مغنماً'' (اور جب امانت کو مالِ غنیمت بنالیا جائے)

مالِ امانت کو مالِ غنیمت سمجھ لینے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے غنیمت کا مال حلال ہے، اسی طرح امانت کے مال کو بھی حلال سمجھ کر اس میں تصرف کیا جائے اور اس کا حاصل ہے، ''امانت میں خیانت کرنا'' اور پھر مالِ غنیمت کی طرح اس کو حلال سمجھنا، یہ بھی ان گناہوں اور شدید تر غلط کاریوں میں سے ہے، جن کو علاماتِ قیامت کے ظہور کا سبب بتایا گیا ہے، جو ہولناک و خطرناک مصائب کی صورت میں ظاہر ہوں گی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں خیانت کس قدر بری اور گندی چیز ہے کہ اس کے عام ہو جانے پر ان سخت و ہولناک عذابات کی وعید سنائی گئی ہے؛ چناں چہ خیانت کی برائی پر قرآن و حدیث میں واضح ارشادات موجود ہیں۔

(۱) البخاري، كتاب الجهاد، رقم: ۳۰۷۳

زکات کو تاوان سمجھنا

۳- "والزکاۃ مغرماً" (اور زکات کو تاوان سمجھ لیا جائے) تو (ان عذابوں کا انتظار کرو!)

زکات کو تاوان سمجھ لینے کا مطلب یہ ہے کہ زکات کو تاوان کی طرح ظلم سمجھ لیا جائے، ظاہر ہے کہ زکات، جس کو اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا ہے، اس کو ظلم سمجھنا بڑی گمراہی کی بات ہے اور اس کو تاوان سمجھنے سے ایک نتیجہ تو یہ نکلے گا کہ زکات ادا نہ کرے گا، دوسری بات یہ ہوگی کہ اگر دے گا، تو نہایت غلط طریقے پر دے گا؛ کیوں کہ رضا و رغبت نہ ہوگی اور یہ سب خدا کو ناراض کرنے والی باتیں ہیں۔

علمِ دین برائے دنیا

۴- "وتعلم لغیر الدین" (اور علمِ دین، غیرِ دین کے لیے حاصل کیا جائے)

یعنی علمِ دین کو دین کی خاطر حاصل نہ کیا جائے؛ بل کہ دین سے ہٹ کر دوسرے اغراض ومقاصد کے تحت اس کو حاصل کیا جائے، خواہ وہ مال و دولت کے لیے ہو یا جاہ وحشمت کی خاطر ہو، حکومت وسلطنت اس کا مقصد ہو یا نام ونمود وشہرت پیشِ نظر ہو؛ اس سے معلوم ہوا کہ علمِ دین حاصل کرنے والے کا مقصد، صرف دین ہونا چاہیے، دین سے ہٹ کر کسی اور مقصد کے تحت وہ علمِ دین حاصل کرتا ہے، تو ان عذابات کا مستحق ہے، جن کا ذکر درجِ بالا حدیث میں کیا گیا ہے۔

بیوی کے لیے ماں کو ناراض کرنا

۵-" وأطاع الرجل امرأته وعق أمه" (اور مرد اپنی عورت کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرے)

یہاں دو جملے ہیں: ایک "اپنی عورت کی اطاعت کرنا"، دوسرا "ماں کی نافرمانی کرنا"، یہ ظاہر ہے کہ مطلقاً اپنی بیوی کی بات ماننا اور اس کے مطابق چلنا، ناجائز نہیں ہے؛ بل کہ بیوی کی ان باتوں کو ماننا اور اس پر عمل کرنا حرام ہے، جو گناہ اور معصیت ہوں؛ اسی طرح مطلقاً ماں کی بات کا ماننا ضروری نہیں ہے؛ بل کہ ماں کی وہ بات مانی جائے گی، جو شریعت کے خلاف نہ ہو؛ اس لیے یہاں جس چیز کی برائی ومذمت بیان کرنا مقصود ہے، وہ ان دونوں جملوں کو ملانے سے ظاہر ہوگی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کی ایسی اطاعت کرنا، جس سے ماں کی نافرمانی لازم آتی ہو، ناجائز

ہے اور اس پر مذکورہ عذابات نازل ہوں گے۔ اس جملے کے مضمرات پر بحث کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اسلام میں کسی کی فرماں برداری و نافرمانی کے جائز ہونے یا ناجائز ہونے کا معیار کیا ہے؟

سو اس بارے میں تحقیق یہ ہے: ''کسی کی وہ فرماں برداری و نافرمانی جائز ہے، جس سے خدا کی معصیت لازم نہ آتی ہو اور ہر وہ فرماں برداری و نافرمانی، ناجائز و حرام ہے، جس سے خدا کی معصیت لازم آتی ہو'' جیسے والدین اگر حکم دیں کہ نماز نہ پڑھو، تو اس میں ان کی فرماں برداری ناجائز ہے؛ کیوں کہ نماز نہ پڑھنے سے خدا کی معصیت لازم آتی ہے اور اگر والدین کہیں کہ شراب پیو، تو اس میں ان کی نافرمانی جائز ہے؛ کیوں کہ اس سے بھی خدا کی معصیت لازم آتی ہے؛ چناں چہ حدیث پاک میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ " **لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق** " کہ خدا کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی (اس معنے کی بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ (۱)

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ نہ تو مطلقاً بیوی کی اطاعت ناجائز ہے اور نہ مطلقاً ماں کی نافرمانی ناجائز ہے؛ بل کہ بیوی کی وہ اطاعت ناجائز ہوگی، جس سے خدا کی نافرمانی لازم آتی ہو اور اسی طرح ماں کی وہی نافرمانی ناجائز ہوگی، جو خدا کی معصیت تک پہنچانے والی ہو؛ لہٰذا حدیثِ زیرِ بحث میں عورت کی اطاعت و ماں کی نافرمانی سے وہی اطاعت و نافرمانی مراد ہے، جس سے خداوند قدوس کی نافرمانی ہوتی ہو، یہ وہ بات ہے، جس پر قربِ قیامت میں خدا کے عذابات نازل ہوں گے۔

معاشرے میں ایک طرف بعض لوگ ماں کی نافرمانی کرکے خدا کی معصیت کے مرتکب ہو رہے ہیں، تو دوسری طرف بعض والدین کے اطاعت شعار لوگ، بیوی کے حقوق کو تلف کرکے معصیت کے مرتکب ہو رہے ہیں اور یہ دونوں باتیں دراصل بے اعتدالی کی ہیں؛ راہِ اعتدال یہ ہے کہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ بندوں کے حقوق پورے کیے جائیں، خواہ وہ ماں کے ہوں

---

(۱) دیکھو: فتح الباری: ۱۲۳/۱۳

یا بیوی کے، اس سے خدا راضی ہوگا، اگرچہ ممکن ہے کہ معاشرے کی خباثتوں کے خوگر اور اس کے خرافات میں جکڑے ہوئے لوگ اس کو بھی غلط ہی قرار دیں اور اس سے راضی نہ ہوں؛ لیکن راضی تو خدا کو کرنا ہے نہ کہ مخلوق کو، اس لیے سلامتی کا اور اعتدال کا راستہ یہی ہے کہ اس کو خوش کرنے کی کوشش کرے۔

دوست کے لیے باپ کو دُور کرنا

٦ - " وأدنىٰ صديقهٗ وأقصىٰ أباه " (اور جب آدمی دوست کو قریب، باپ کو دور کرے)

معلوم ہونا چاہیے کہ دوست اور ساتھی سے محبت والفت، اس کے ساتھ احسان وسلوک کوئی ناجائز بات نہیں؛ البتہ دوست سے تعلقات اور محبت والفت باپ کے حقوق سے غفلت کا سبب بن جائیں، تو بلاشبہ یہ بُری اور غلط بات ہے، اسی کو یہاں بتانا مقصود ہے اور باپ کو دُور کرنے کا مطلب یہی ہے کہ اس کے حقوق ادا نہ کیے جائیں۔

مغربی تہذیب میں آج یہی بات ایک فیشن (Fashion) بنی ہوئی ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ اس طرح گھل مل جاتے ہیں کہ ماں، باپ کے حقوق کی پاس داری کا اس کو کبھی بھولے سے بھی خیال تک نہیں آتا؛ بل کہ اس سے آگے یہ بھی ہے کہ باپ کو باپ کہتے ہوئے ان کو شرم آتی ہے، یہی ہے "دوست کو قریب اور باپ کو دور کرنا"۔

مساجد میں شوروشغب

٧- "وظهرت الأصوات في المساجد " (اور مساجد میں شوروشغب کیا جائے)

یعنی دنیاوی باتیں، لڑائی، جھگڑے وغیرہ سے مسجدوں کے احترام وتقدس میں فرق پیدا کیا جائے، یہ بھی سخت ترین معصیت وگناہ ہے۔

مسجدیں اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں، جو عبادت وبندگی، تسبیح وتہلیل، تعلیم وتبلیغ کے دینی کاموں کے لیے موضوع ہیں، وہاں شوروشغب کرنا، ان کے احترام وتقدس کے خلاف ہے اور شعائر اللہ کی بے حرمتی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بازار کی طرح

مسجد میں شور کرنے سے پرہیز کرو"۔(۱)

بخاری میں ہے کہ دو شخصوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹا، کیوں کہ وہ مسجد میں شور کر رہے تھے؛ چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر تم مدینے کے ہوتے، تو تم کو اتنا مارتا کہ درد ہو جاتا، تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آواز بلند کرتے ہو؟(۲)

نا اہلوں کا تسلط

۸- "وساد القبيلة فاسقهم، وكان زعيم القوم أرذلهم" (اور جب قبیلے کی سرداری، ان کا فاسق کرے اور قوم کا سربراہ، ان کا رذیل آدمی ہو جائے)

پہلے جملے میں قبیلہ، جو قوم کی نسبت سے چھوٹا اور محدود ہوتا ہے، اس کی سرداری و قیادت کے لیے فاسق کے آگے بڑھنے یا بڑھانے کی برائی ہے اور دوسرے جملے میں قوم پر حکومت و سیادت کے لیے ارذل انسان کو آگے کرنے یا اس کو آگے بڑھنے کی حرمت کا بیان ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی بھی چھوٹی یا بڑی سرداری و سیادت کے لیے نا اہل شخص کو آگے بڑھنا یا بڑھانا قیامت کی نشانی و علامت ہے۔

بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب امانت ضائع کی جانے لگے، تو قیامت کے منتظر رہو"، صحابہ نے پوچھا کہ امانت کا ضائع کرنا کیا ہے؟ فرمایا کہ جب نا اہل کے ذمے کوئی کام کیا جائے، تو قیامت کے منتظر رہو۔(۳)

اس میں بتایا گیا ہے کہ نا اہل کو کوئی ذمہ داری دینا، امانت کو ضائع کرنے کے برابر ہے اور یہ قیامت کی نشانی ہے۔ آج یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ہر عہدے و منصب پر نا اہل لوگ مسلط ہیں یا ان کو مسلط کیا گیا ہے، سیاسی عہدوں سے لے کر دینی و مذہبی عہدوں تک ہر جگہ نا اہل لوگوں کا قبضہ

---

(۱) المسلم، مشكاة المصابيح: ۹۸

(۲) البخاري كتاب الصلوة: ۴۷۰

(۳) البخاري كتاب الرقاق: (۶۴۹۶، ۵۹) باب رفع الأمانة: ۲۰۱۵ و كتاب العلم: ۵۷

وتسلط ہے، یا دوسرے لوگ ان کو مسلط کیے ہوئے ہیں، سیاسی عہدوں پر فائز، نااہل لوگوں کے متعلق کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں کہ ان کی نااہلی سب پر روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

مساجد میں دیکھو، تو نااہل امام وموذن ملیں گے، جن کو قرآن تک صحیح پڑھنا نہیں آتا، نماز کے مسائل تک سے ناواقف، اذان کے احکام سے بے خبر وجاہل، عمل وتقوے سے عاری وکورے، مگر لوگ ہیں کہ ان کو اپنا امام بنائے ہوئے ہیں اور اپنی نمازیں غارت کر رہے ہیں۔

اسی طرح مساجد کے ذمہ داروں کو دیکھو، جو اپنے آپ کو ''امام کا بھی امام'' سمجھتے اور امام کو اپنا ''غلام'' خیال کرتے ہیں، ان میں عموماً ایسے لوگ ہیں، جو اپنی نااہلی کا جواب نہیں رکھتے؛ علمِ دین سے کورے، عمل سے عاری، باطن سے لے کر ظاہر تک ان کا، فاسد وخراب، نماز تک سے دست بردار، خدا اور رسول کے باغی، خرافات وبدعات میں ملوث، فحش کاریوں وبے حیائیوں کے عادی، غرض یہ کہ اس طبقے میں عموماً نہایت ہی نااہل لوگ ہیں، جو مساجد کے ذمہ دار کہلاتے ہیں؛ حالاں کہ علما نے تولیت وذمہ داریٔ مسجد کے لیے جو شرائط لکھی ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ وہ امانت ودیانت سے متصف ہو، فاسق وفاجر نہ ہو اور متولی بننے کا خواہش مند وطالب نہ ہو۔ (۱)

اور یہ لوگ سیاسی عہدے بازوں کی طرح متولی بننے یا رکنِ مسجد بننے کے لیے ووٹ کے غیر شرعی طریقے پر اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔

بعض لوگ وعظ وتقریر کا مشغلہ اپناتے ہیں، حالاں کہ یہ عالم نہیں ہوتے؛ بل کہ کچھ اِدھر اُدھر سے قصے کہانیاں، بے سند وبے اصل حدیثیں، قرآنی آیات کا خود ساختہ ترجمہ یاد کر کے اس کو پیش کرتے ہیں، یہ بھی اس حدیث کے مصداق ہیں۔

الغرض! آج ہر جگہ نظر آتا ہے کہ نااہل لوگوں کا تسلط ہے، یہ بڑی بُری بات ہے اور بڑا سخت گناہ ہے، گناہ ہونے کے علاوہ اس کے نتائج بھی مضر ونقصان دہ نکلتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج سیاست سے لے کر مذہب تک ہر چیز میں فتور وقصور نظر آ رہا ہے اور کوئی کام اطمینان بخش طریقے پر انجام نہیں پا رہا ہے، اگر ہر جگہ قابل ولائق اور کام کی اہلیت رکھنے والے لوگ جمع ہو جائیں، تو پھر یہ فتور وقصور بھی ختم ہو کر اس کی جگہ بھلائی وخوبی پیدا ہو جائے۔

---

(۱) دیکھو: الشامی علی الدر: ۶/۵۷۸، ۶۳۵

اکرام بہ خوفِ شر

۹- " أُکرم الرجل مخافة شره " (اورآدمی کا اکرام، اس کے شر کے خوف سے کیا جائے) مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں شر پسندی وایذا رسانی کا اس طرح مادہ وجذبہ پیدا ہوجائے کہ ان کے شر سے بچنے کے لیے، دوسرے لوگوں کو ان کا اکرام کرنا پڑے کہ اگر اکرام نہ کیا گیا، تو ان کی شر پسندی وغنڈہ گردی اورایذا رسانی کا جذبہ ان کو مجبور کرے گا کہ انہیں تکلیف وایذا پہنچاؤ۔

حاصل یہ ہے کہ آدمی کا اکرام اس کے علم وتقوے وبزرگی، شرافت وسیادت اوراخلاق وتہذیب کی وجہ سے نہیں؛ بل کہ اس کی غنڈہ گردی اور شر کے خوف سے کیا جائے، تو سمجھنا چاہیے کہ وہ عذابات آنے والے ہیں، جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

آج اپنے معاشرے پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر دیکھو کہ کیا اس میں یہ بات نہیں پیدا ہوگئی ہے؟ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج عزت وعظمت ان لوگوں کو دی جارہی ہے، جو لوگوں پر ظلم ڈھا کر، لوٹ مار کرکے، کسی عہدے پر فائز ہوگئے ہیں، یا مال ودولت کے انبار جمع کر لیے اوران سیاسی غنڈوں یا دوسرے شر پسندوں کی یہ عزت وعظمت بھی محض اس بنا پر ہے کہ اگر ان کا اکرام نہ کیا گیا، تو خوف ہے کہ اپنی غنڈہ گردی اورشر پسندی سے کوئی تکلیف نہ پہنچادیں، ورنہ دلوں سے کوئی ان کا اکرام نہیں کرتا، مگر یہ ظاہری اکرام بھی درست نہیں ہے۔

حدیث کے اس ٹکڑے میں غور یہ کرنا ہے کہ کس چیز کی مذمت وبرائی بیان کرنا مقصود ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شر پسندی وغنڈہ گردی ہی کی نہیں؛ بل کہ غنڈوں وشر پسندوں کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرنے کی بھی برائی بیان کرنا مقصود ہے؛ بل کہ یہاں اصل مقصود یہی ہے؛ کیوں کہ فرمایا گیا ہے کہ "جب آدمی کا اکرام اس کے شر کے خوف سے کیا جائے" معلوم ہوا کہ یہاں جس کی برائی بیان کرنا مقصود ہے، وہ ایسے شخص کا اکرام ہے، جو شر پھیلانے والا ہو؛ لہٰذا ایسے شخص کا اکرام کرنا، گناہ اورموجبِ عذاب وگناہ ہوگا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس سے اس شخص کے جذبۂ شرانگیزی کو تقویت حاصل ہوگی اور وہ اس میں اور پختہ ہوجائے گا اوراس کا شر تجاوز کرتے کرتے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، اسی لیے اللہ کے رسول

صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ " انصر أخاک ظالماً أو مظلوماً " کہ اپنے بھائی کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ ﷡ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ مظلوم ہے، ہم اس کی مدد تو کریں گے؛ لیکن ظالم کی مدد کیوں کر کی جائے؟ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ظالم کے ہاتھوں کو (ظلم کرنے سے) پکڑ لو۔ (۱)

گانے بجانے کا دَور دَورہ

۱۰- "وظهرت القيان و المعازف" (اور گانے والیاں اور گانے بجانے کے سامان زیادہ ہو جائیں)

قیان، قینة کی جمع ہے، جس کے معنے ہیں "گانے والی عورت" اور معازف معزف ومعزفة کی جمع ہے، "آلات لہو ولعب" کو کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ گانا، بجانا اور اس کے آلات وسامان کی زیادتی بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اور سخت گناہ کی بات ہے؛ آج یہ مصیبت سب سے زیادہ عام ہو گئی ہے، ہر گھر و دکان، ہر مجلس و بیٹھک گانے بجانے کی آواز سے مسموم رہتی ہیں۔ (اس کا ذکر متعدد حدیثوں میں اوپر آ چکا ہے)

شراب کی کثرت

۱۱- "وشربت الخمور" (اور شرابیں پی جانے لگیں)

خمور خمر کی جمع ہے اور خمر عربی میں ہر اُس چیز کو کہا جاتا ہے، جو عقل پر پردہ ڈال دینے والی ہو، خواہ وہ چیز تر ہو یا خشک، کھائی جانے والی ہو یا پی جانے والی۔ (۲) اور اسی کو حدیث میں اس طرح فرمایا گیا: " كل مسكر خمر و كل مسكر حرام " کہ ہر نشہ لانے والی چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ (۳)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ شراب و خمر، صرف اس کو نہیں کہتے، جو زمانۂ رسالت و زمانۂ صحابہ و

---

(۱) البخاری کتاب المظالم و القصاص: ۲۴۴۴، الترمذی: ۲۲۵۵، أحمد: ۱۱۹۴۹

(۲) الذهبي في الكبائر: ۸۲

(۳) المسلم: ۵۲۱۹، الترمذی: ۱۸۶۱، ابو داؤد: ۳۶۷۹

تابعین میں پائی جاتی تھی؛ بل کہ ہر وہ چیز خمر وشراب ہے، جس سے نشہ آتا ہو، خواہ وہ کھانے کی چیز ہو یا پینے کی، تر ہو یا خشک ہو، جیسا کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے۔ پھر یہاں خمر کی جمع خمور استعمال کر کے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مختلف قسم کی شرابیں اور نشہ آور چیزیں رائج ہوں گی؛ چناں چہ ہزاروں انواع واقسام کی شرابیں مروج ہیں، کوئی کسی کا عادی ہے کوئی کسی کا۔ سنا جاتا ہے کہ سانپ کے زہر میں بھی نشہ ہوتا ہے اور اس نشے کے نشے باز بھی پائے جاتے ہیں!!!

اس حدیث نے بتایا کہ جب اس طرح مختلف قسم کی شرابیں پی جائیں اور اس کا بازار گرم کیا جائے، تو خدا کی طرف سے مذکورہ عذابات آئیں گے۔

اسلاف کرام کی توہین وتنقیص

۱۲- " ولعن آخر هذه الأمة أولها " (اور اس امت کا آخری حصہ، اس کے پہلے حصے پر لعنت کرے)

یعنی بعد میں آنے والے لوگ، گذرے ہوئے نیک لوگوں مثلاً: صحابۂ کرام، تابعین عظام، ائمۂ دین وعلما وفقہائے امت پر لعن طعن کرنے لگیں؛ یہ بھی سخت ترین گناہ ہے، جس پر دنیا میں بھی بڑے بڑے عذابات آتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ کہ اسلاف کرام پر لعنت وطعنہ زنی دراصل اسلام پر طعنہ زنی ہے اور اسلام پر طعنہ زنی کس قدر بُری اور خطرناک بات ہے، یہ سب کو معلوم ہے۔ اسلاف اسلام میں سب سے زیادہ دین سے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب رکھنے والے، دین کی اشاعت وتبلیغ میں سب سے زیادہ محنت ومجاہدہ کرنے والے اور دین کی خاطر سب سے زیادہ تکالیف ومصائب کو برداشت کرنے والے" صحابہ کرام" رضی اللہ عنہم ہیں؛ لہٰذا اسلاف کرام میں سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر لعن وطعن، ان پر سب وشتم اور ان پر تبرا بازی سب سے زیادہ بڑا گناہ اور بد دینی کی بات ہوگی؛ اس لیے اللہ کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو برا کہنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

احمد وترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا سے ڈرو! خدا

سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں، میرے بعد ان کو ہدفِ ملامت نہ بناؤ؛ کیوں کہ جو اُن سے محبت کرتا ہے، وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو اُن سے بغض رکھتا ہے، وہ میرے سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے اور جو اُن کو تکلیف پہنچاتا ہے، وہ مجھے تکلیف پہنچاتا ہے اور جو مجھے تکلیف دیتا ہے، وہ اللہ کو تکلیف دیتا ہے اور خدا کو تکلیف دینے والا قریب ہے کہ پکڑا جائے!۔(۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو! کیوں کہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے، تب بھی ان کے ایک مُد یا آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔(۲)

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند کر لیا اور میرے لیے میرے صحابہ کو چن لیا پھر ان میں میرے وزیر و مددگار اور سسر بنائے، پس جو اُن کو برا بھلا کہے، اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ فرض قبول کرے گا اور نہ نفل۔(۳)

یہ چند حدیثیں نمونے کے طور پر یہاں نقل کر دی گئی ہیں، اگر کسی کو اس سلسلے میں تفصیل درکار ہو، تو وہ علامہ ابن حجر مکی رَحِمَہُ اللّٰہ کی کتاب " الصواعق المحرقة " کا مطالعہ کرے۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم کو برا بھلا کہنا حرام اور سخت گناہ کی بات ہے۔ علامہ نووی رَحِمَہُ اللّٰہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

"جان لو کہ صحابہ کو برا کہنا حرام اور افحش محرمات میں سے ہے، قاضی عیاض رَحِمَہُ اللّٰہ نے فرمایا کہ صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم پر سب وشتم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے"(۴)

---

(۱) الترمذی: ۳۸۶۲، أحمد: ۱۶۸۰۳

(۲) البخاري: ۳۶۷۳، المسلم: ۶۴۸۷، الترمذي: ۳۸۶۱

(۳) رواه الحاكم: ۶۷۳۵، الطبراني في الاوسط: ۱/۱۴۴ والكبير: ۱۷/۱۴۰، ابن ابي عاصم في السنة: ۲/۴۸۳

(۴) شرح المسلم: ۱۶/۱۳۹

ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ شرح فقہِ اکبر میں رقم طراز ہیں کہ شرح العقائد میں ہے کہ صحابہ ﷡ کو برا کہنا اور ان پر طعن کرنا، اگر ان چیزوں میں سے ہو، جو دلائلِ قطعیہ کے مخالف ہے، تو یہ کفر ہے! جیسے: حضرت عائشہ صدیقہ ﷝ پر تہمت لگانا اور اگر ایسے امور میں نہ ہو، تو وہ بدعت و گناہ ہے۔(۱)

علامہ ذہبی رَحِمَہُ اللہُ فرماتے ہیں:

”جو شخص حضرات صحابہ ﷡ پر لعن طعن کرتا یا ان پر سب وشتم کرتا ہے، وہ دین سے خارج اور ملتِ اسلام سے الگ ہے؛ کیوں کہ ان پر طعن کرنا صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کے حق میں برائیوں کا اعتقاد ہو اور دل میں ان سے بغض پوشیدہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کی جو تعریف کی ہے اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کی فضیلت و بڑائی بیان کی ہے، اس سے انکار ہو؛ پھر صحابہ کرام ﷡ دین کے پہنچانے والے اور اس کا بہترین ذریعہ و وسیلہ ہیں؛ اس لیے ان پر طعن کرنا گویا اصل (دین) پر طعن کرنا ہے اور ناقل کی توہین منقول کی توہین ہے۔(۲)

علما کے ان بیانات سے صاف معلوم ہوا کہ صحابہ ﷡ پر زبانِ طعن دراز کرنا، ان پر سب وشتم کرنا، سخت گناہ اور بعض کے نزدیک کفر ہے۔

آج سبائی پروپیگنڈے سے متاثر افراد، جو حضراتِ صحابہ ﷡ کی توہین و تنقیص کرتے اور ان کے خلاف اپنی ناپاک زبان چلاتے ہیں، وہ سب سے زیادہ جس چیز کو اچھالتے اور صحابہ کرام ﷡ کے حق میں نقص و برائی پر استدلال کرتے ہیں، وہ حضرات صحابہ کرام ﷡ کے مابین ہونے والے بعض مشاجرات واختلافات ہیں اور اس سلسلے میں ان کے پاس جو کچھ ہے، وہ تاریخ کے بکھرے ہوئے اوراق ہیں، جن میں صحیح و سقیم، قوی و ضعیف اور حق و باطل کی آمیزش ہے؛ کیوں کہ سبائیوں اور سبائی ایجنٹوں نے تاریخ کو اپنے ناپاک عزائم وحرکات سے پاک وصاف رہنے نہ دیا۔ اسی لیے اہلِ سنت نے لکھا ہے کہ ان تاریخ کے اوراق سے صرف وہی بات لی جائے

---

(۱) شرح الفقہ الأکبر :۸۶

(۲) الکبائر :۲۳۸

گی، جو صحابہ کرام ﷺ کی عدالت وثقاہت کو (جس پر نصوصِ قطعیہ نے دلالت کی ہے)، برقرار رکھنے والی ہے۔ اس کے خلاف کوئی بات نہیں لی جائے گی؛ کیوں کہ اس میں سبائیوں نے خلط ملط کر دیا ہے اور جو صحیح روایات سے ثابت ہے، اس میں وہ حضرات معذور ہی نہیں؛ بل کہ ماجور بھی ہیں، کیوں کہ ان حضرات نے کسی غلط و برے ارادے ونیت سے ایسا نہیں کیا تھا؛ بل کہ نیک نیتی کے ساتھ اپنے موقف پر وہ قائم رہے تھے، یہ ان کا اجتہاد تھا، جس میں ممکن ہے بعض سے خطا ہوئی ہو، مگر یہ خطا بھی معاف ہے اور اس پر ایک اجر بھی ثابت ہے۔ میں نے یہاں اہلِ سنت کا جو موقف پیش کیا ہے یہ حضرات علمائے اہلِ سنت کی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے، ہم یہاں اختصار کے پیشِ نظر صرف تین حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں:

امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ اپنی کتاب "العقیدۃ الطحاویۃ" میں اہلِ سنت کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

> "ہم (اہلِ سنت) اصحابِ رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کی محبت میں حد سے آگے نہیں بڑھتے اور نہ ہم ان میں سے کسی کا تبرا کرتے ہیں اور ہم ان لوگوں سے بغض رکھتے ہیں، جو صحابہ ﷺ سے بغض رکھتا اور ان کا برائی سے ذکر کرتا ہے اور ہم ان اصحاب ﷺ کا صرف ذکرِ خیر ہی کرتے ہیں اور ان کی محبت دین وایمان واحسان ہے اور ان سے بغض، کفر ونفاق وسرکشی ہے۔"(۱)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ اپنی کتاب "العقیدۃ الواسطیۃ" میں فرماتے ہیں:

> "اہلِ سنت کے اصول میں سے یہ ہے کہ وہ روافض، جو صحابہ ﷺ سے بغض رکھتے اور ان کو برا کہتے ہیں اور نواصب، جو اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قول یا عمل سے ایذا دیتے ہیں، ان کے طریقے سے اپنے آپ کو بَری کرتے ہیں اور صحابہ ﷺ کے مابین جو اختلاف ہوا اس کے بارے میں (اپنی زبان کو) روکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ان روایات میں جن سے صحابہ ﷺ کی برائیاں معلوم ہوتی ہیں، بعض میں محض کذب وجھوٹ ہے اور ان میں سے بعض میں کچھ کمی بیشی کر دی گئی ہے

---

(۱) العقیدۃ الطحاویۃ: ۲۹

اور ان کے اصل مفہوم سے ان کو بدل دیا گیا ہے اور ان میں سے جو صحیح ہیں، ان میں صحابہ رضی اللہ عنہم معذور ہیں، یا مجتہدِ برحق ہیں یا مجتہدِ خطاوار ہیں۔[۱]

اور امام القیروانی رحمۃ اللہ اہلِ سنت کے مسلک کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کا ذکر نہ کیا جائے، مگر احسن طریقے پر اور ان کے آپسی اختلافات کے بارے میں اپنی زبانوں کو روکا جائے اور بلاشبہ یہ حضرات اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان کے بارے میں حسنِ تاویل سے کام لیا جائے اور ان کے متعلق بہتر سے بہتر گمان رکھا جائے۔[۲]

مذکورہ گناہوں پر عذابات

حدیثِ زیرِ بحث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ گناہوں کو شمار فرما کر آخر میں ان پر مرتب ہونے والے عذابات میں سے بعض کو صاف طور پر بتادیا ہے اور بعض کو اجمالاً واشارۃً بیان فرمایا ہے، ان میں سے پانچ کو صراحت کے ساتھ پیش کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱- سرخ آندھی

یہ ''تیز وتند ہوا'' ہے، جس سے بلند قامت عمارتیں اور فلک بوس ومستحکم پہاڑ بھی ہل جاتے اور ہلاکت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیز ہوائیں چلتیں، تو گھبرا جاتے اور اس کے آثار آپ کے چہرۂ انور پر ظاہر ہوتے،[۳] کیوں کہ آپ کو گنہ گاروں کے گناہوں سے عذاب آنے کا اندیشہ ہوتا۔ (حاشیہ بخاری) اور یہ عذاب پچھلی امتوں میں سے قومِ عاد پر نازل ہوا تھا۔

۲- زلزلہ

کون نہیں جانتا کہ یہ زلزلے کے جھٹکے کس قدر خطرناک ہوتے ہیں، گذشتہ دنوں ۱۹۸۸ء کے

---

(۱) العقیدۃ الواسطیۃ: ۱۱۹

(۲) متن القیروانیۃ: ۱۱

(۳) البخاری: ۱/۱۴۱

اواخر میں رشیا میں جو خطرناک وخوف ناک زلزلے یکے بعد دیگرے آئے اور بستیوں کی بستیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا تھا، اس کو ابھی تک لوگ بھولے نہیں ہیں۔

۳- خسف

''زمین میں دھنسانا'' قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ پچھلے لوگوں پر بھی یہ عذاب آیا تھا، قارون کے متعلق قرآن نے بتایا ہے کہ اس کو اللہ نے زمین میں دھنسا دیا تھا۔ (القصص:۸۱) اور دیگر حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس امت میں بھی متعدد خسوف ظاہر ہوں گے، ان میں سے ایک حدیث میں تین کا ذکر ہے۔[۱]

ممکن ہے کہ اس حدیث میں جس کا ذکر ہے، وہ انہی تین میں سے ایک ہو یا ان کے علاوہ، بہر حال! یہ بڑی خوف ناک چیز ہے، جس سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔

۴- مسخ

''صورتوں کا مسخ ہو جانا'' یہ عذاب پچھلی امتوں میں بہت ظاہر ہوا ہے، بنی اسرائیل کو ''بندر'' کی شکل میں مسخ کر دیا گیا تھا اور بعض کو ''خنزیر'' کی شکل میں اور اس طرح کے واقعات اس امت میں بھی ظاہر ہوئے ہیں۔

۵- قذف

''آسمان سے پتھر پڑنا'' ابرہہ بادشاہ اور اس کے لشکر پر آسمان سے کنکریاں برسنا قرآن سے ثابت ہے اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر کی بارش بھی قرآن میں مذکور ہے۔ (سورۃ ھود:۸۲) یہ سب عذابات، جو پچھلی قوموں پر آئے تھے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس امت پر بھی مذکورہ گناہوں کی وجہ سے آئیں گے؛ پھر اس پر بس نہیں، بل کہ فرمایا کہ اس کے علاوہ اور عذابات بھی اس طرح لگاتار اور یکے بعد دیگرے آئیں گے، جیسے موتیوں کی لڑی ٹوٹ جانے پر موتیاں لگاتار گرنے لگتی ہیں۔

---

(۱) جمع الفوائد:۹۸۹۳

« عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً، حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ، قِيلَ: وَمَاهِيَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلاً، وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَماً، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ وَعَقَّ أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيقَهُ وَجَفَا أَبَاهُ، وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ، وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ، وَلُبِسَ الْحَرِيْرُ وَاتُّخِذَتِ الْقِيَانُ وَالْمَعَازِفُ، وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذَالِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفاً أَوْ مَسْخًا. »

ترجمہ-حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: جب میری امت پندرہ کام کرنے لگے گی، اس وقت اس پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ پندرہ چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: جب غنیمت دولت بن جائے، امانت کوغنیمت کی طرح لوٹا جانے لگے، زکات کوتاوان اور ٹیکس سمجھا جائے، مرد اپنی بیوی کا کہامانے اور ماں سے بدسلوکی کرے، دوست سے وفاداری اور باپ سے بے وفائی برتے، مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں، سب سے کمینہ آدمی قوم کا نمائندہ کہلائے، آدمی کی عزت اس کے شر سے بچنے کے لیے کی جائے، شراب نوشی عام ہوجائے، ریشمی لباس پہنا جائے، گانے والی عورتیں اورگانے بجانے کاسامان رکھاجائے اورامت کاپچھلا حصہ پہلوں کوبرا بھلا کہنے لگے، اس وقت سرخ آندھی، زمین میں دھنسنے یاشکلوں کے بگڑنے کاانتظار کرنا چاہیے۔

تخریج وشرح

اس کوترمذیؒ نے السنن میں بہ رقم:(۲۲۱۰)،طبرانیؒ نے المعجم الأوسط :(۱۵۱/۱)میں،

خطیبؒ نے تاریخ بغداد: (۴/۲۶۶) میں اور ابو عمرو الدانیؒ نے السنن الواردة: (۳/۶۸۳) میں روایت کیا ہے۔ ترمذیؒ نے اس کو روایت کر کے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کو یحییٰ بن سعید انصاری سے سوائے فرج بن فضالہ کے کوئی روایت نہیں کرتا اور فرج بن فضالہ کے بارے میں علمائے حدیث نے کلام کیا ہے اور حافظے کی رُو سے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (سنن الترمذي)

فرج بن فضالہ مختلف فیہ راوی ہے، بعض نے ان کی توثیق کی ہے، بعض نے ان کو ضعیف کہا ہے؛ ابو حاتمؒ نے کہا کہ ان سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا، احمدؒ نے فرمایا کہ یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں، تو منا کیر لاتے ہیں، نسائیؒ اور دار قطنیؒ نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے اور ابن معینؒ نے ان کو ثقہ اور صالح الحدیث فرمایا۔ (المیزان: ۵/۴۱۵، المجروحین: ۲/۲۰۶) اور دار قطنیؒ نے اس حدیث کو باطل فرمایا اور ابن الجوزیؒ نے مقطوع کہا ہے اور فرمایا کہ محمد بن عمرو نے حضرت علی ﷺ کو نہیں دیکھا۔ (العلل المتناهية: ۲/۸۵۰)

غرض یہ کہ اس میں دو درجے سے ضعف ہے، ایک محمد بن عمرو اور حضرت علی ﷺ کے درمیان انقطاع کی وجہ سے اور دوسرے فرج بن فضالہ کی وجہ سے، مگر اس کی شاہد حدیث اوپر گذر چکی ہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا؛ اس لیے یہ دونوں احادیث ایک دوسرے سے مل کر "حسن" ہو جاتی ہیں۔

وضاحتیں

اس حدیث کے اکثر جملے اوپر والی حدیث میں گذر چکے ہیں، اس حدیث میں جو فرق ہے، اس کو واضح کیا جاتا ہے۔

۱- "جب مالِ غنیمت کو دولت بنا لیا جائے"

یعنی غنیمت کا مال جو کہ امانت ہوتا ہے اور بغیر تقسیم کے کوئی اس کو لے نہیں سکتا، اس کو لوگ اپنی ذاتی دولت کی طرح بنالیں اور بلا حقِ شرعی استعمال کرنے لگیں۔

۲- "اور جب ریشم کا لباس پہنا جائے"

یہ جملہ اوپر والی حدیث میں نہیں ہے؛ البتہ اس کی تشریح متعدد احادیث میں گذر چکی ہے۔

❁❁❁

« عَنِ الْحَسَنِ رحمہ اللہ ـ مُرْسَلاً ـ قَالَ : قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُونُ حَدِيثُهُمْ فِي مَسَاجِدِهِمْ فِي أَمْرِ دُنْيَاهُمْ ، فَلاَ تُجَالِسُوهُمْ ؛ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيهِمْ حَاجَةٌ . »

ترجمہ- حضرت حسن رحمہ اللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا، جب کہ لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کیا کریں گے، تم ان کے پاس نہ بیٹھنا، اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

تخریج وشرح

اس کو امام بیہقیؒ نے شعب الإیمان: (۳/ ۸۷) اور امام احمدؒ نے کتاب الورع: (۱/ ۶۷) میں روایت کیا ہے، مگر یہ حدیث مرسل ہے؛ کیوں کہ حسن بصری تابعیؒ نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطۂ صحابی روایت کیا ہے؛ نیز اس کی سند میں ''سفیان'' نے اپنے بعض اصحاب سے روایت کیا ہے اور وہ اصحاب مجہول ہیں اور مصنف ابن أبي شيبة: (۳۶۴۵۸) میں حسن بصریؒ کے قول کی حیثیت سے اس کو ذکر کیا ہے؛ البتہ یہ حدیث امام ابن حبانؒ نے دوسرے طریق سے مسنداً متصلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ صحيح لابن حبان: (۱۵/ ۱۶۳)، موارد الظمآن: (۲/ ۸) منذریؒ نے الترغیب میں ابن حبانؒ کے حوالے سے اس کو روایت کیا اور اس پر سکوت فرمایا۔ (الترغیب: ۴۵۹)

مساجد کی بے حرمتی

اس حدیث نے بتایا کہ آخری زمانے میں لوگ مساجد میں بیٹھ کر دنیوی باتیں کیا کریں گے،

اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بیٹھنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اللہ کو ایسے لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مساجد میں دنیوی بات چیت کرنا اچھی بات نہیں ہے؛ حتی کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں (دنیوی اور ذاتی اغراض کے لیے) شعروشاعری کرنا، بیع وتجارت کرنا، اپنی گم کردہ چیز کا اعلان کرنا بھی منع ہے۔ (۱)

امام احمد رحمۃ اللہ نے ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ

وہ ایک بار مسجد میں داخل ہوئے، تو چند لوگوں کو دیکھا کہ مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں آپ اس موقعے پر یہ سمجھ کر کہ یہ کچھ نیک باتیں کرتے ہوں گے، ان میں جا کر بیٹھ گئے، دیکھا کہ وہ لوگ دنیوی بات چیت میں مشغول ہیں، آپ نے فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص نے دیکھا کہ بارش ہو رہی ہے، وہ بچنے کے لیے دو بڑے پھاٹکوں کے ایک گھر میں داخل ہوا، مگر وہ گھر بے چھت کا تھا!

اس طرح میں تم کو نیک کام میں مشغول سمجھ کر آیا، مگر تم اصحاب الدنیا نکلے! یہ کہہ کر ان کے پاس سے اٹھ گئے۔ (۲)

ایک موضوع حدیث پر تنبیہ!

مساجد میں دنیوی بات کے بارے میں ایک حدیث اس طرح آئی ہے کہ "اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مسجد میں دنیوی بات چیت کی، اس کے چالیس برس کے عمل حبط ہو جاتے ہیں"۔ مگر یہ حدیث موضوع ہے، جیسا کہ علمائے حدیث نے تصریح کی ہے۔ (۳)

غرض یہ کہ خاص یہ حدیث تو موضوع ہے، باقی مساجد میں دنیوی بات چیت کی برائی وحرمت، دیگر احادیث سے اپنی جگہ ثابت ہے۔

---

(۱) دیکھو: مشکاۃ المصابیح شریف: ۱/۷۰

(۲) الورع: ۲۸

(۳) المصنوع: ۱/۱۸۱، کشف الخفاء: ۲/۲۸۳

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ؛ حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا، اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا.»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں کے سینے سے نکال لے؛ بل کہ علما کو ایک ایک کر کے اٹھاتا رہے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں رہے گا، تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے مسائل پوچھیں گے، وہ جانے بوجھے بغیر فتویٰ دیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

تخریج و شرح

اس کو امام بخاریؒ: (۱۰۰)، مسلمؒ: (۶۷۹۶)، ترمذیؒ: (۲۶۵۲)، ابن ماجہؒ: (۵۲)، احمدؒ: (۶۵۱۱) دارمیؒ: (۲۴۵) نے روایت کیا ہے اور حدیث کا صحیح ہونا ظاہر ہے۔

جاہل مفتیوں کا دَور

اس حدیث پاک میں بتایا گیا ہے کہ علما کو دنیا سے اٹھالیا جائے گا اور اس طرح دنیا سے علم اٹھ جائے گا اور لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا اور رہبر بنالیں گے اور ان سے مسائل پوچھیں گے اور یہ جاہل لوگ بغیر علم کے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

وجہ ظاہر ہے کہ جب شریعت کا علم ہی نہ ہوگا، تو رہبری کیسے ہوگی؟ اس وقت تو گمراہی ہی ہوگی، یہ دَور بھی آج آچکا ہے، ایک طرف علما اُٹھتے جارہے ہیں، جن کو علمِ شریعت میں رسوخِ کاملہ

اور مزاجِ شریعت سے بھر پور وابستگی اور منشائے شریعت کا دَرَک حاصل تھا اور دوسری طرف جاہل لوگ عوام الناس کے قائد و رہبر اور مفتی و فاضل، عالم و مولوی بنے ہوئے ہیں یا بنائے جا رہے ہیں، جنھیں یا تو سرے سے علم ہی نہیں ہے یا مکمل علم نہیں ہے؛ پھر یہ لوگ اپنی رائے وخیال سے دین کے مسائل کی تشریح وتفہیم حتی کہ قرآن وحدیث کی من مانی تشریح وتفہیم کرتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اور بالخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقے میں اس قسم کے لوگ بہت ہیں، جن کو ان کی مغربی تعلیم اور مغربی طرزِ تربیت نے تکبر وانانیت کا وافر حصہ عطا کر دیا ہے اور اس لیے وہ ہر شعبے کے ہیرو بننے کی کوشش کرتے ہیں، حتی کہ دین کے معاملات میں بھی وہ جاہل ہونے کے باوجود چند اُردو کی کتابیں ورسائل پڑھ کر، عالموں کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور بلا جھجک دین کے بارے میں رائے دیتے ہیں۔

امت کو اس طبقے سے چوکنا رہنا چاہیے اور میری نظر میں آج کے بہت سے فتنوں میں سے اس تجدد پسند طبقے کا فتنہ ایک بڑا فتنہ ہے اور اس کے خطرناک جراثیم، اسلام وایمان کے لیے موت ہی کا پیغام لے کر آتے ہیں اور یہ فتنہ فی الواقع یہودی سازش کا ایک حصہ ہے، جس کی خود ان لوگوں کو خبر نہیں۔ ہر معمولی سمجھ بوجھ کا حامل بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ ہر فن میں اس کے ماہرین کی رائے ہی معتبر مانی جاتی ہے اور جس نے اس فن کو معتبر ومستند لوگوں سے حاصل نہ کیا ہو، اس کی رائے فن میں قابلِ اعتبار نہیں سمجھی جاتی اور یہ اصول خود ان تجدد پسندوں کے نزدیک بھی مسلّم ہے اور دنیا کے تمام معاملات میں وہ اس اصول کو برتتے ہیں اور خود اہلِ علم کے خلاف اس اصول کو یہ لوگ برتتے ہیں اور علما کی دنیوی معاملات میں رائے کو اسی اصول سے رد کرتے ہیں؛ مگر جب دین کا معاملہ سامنے آتا ہے، تو اپنی جہالت کو بھول کر اس اصول کے خلاف دین میں رائے زنی کرنے لگ جاتے ہیں اور صرف اپنے دنیوی علوم کی بنیاد پر دین کے معاملات میں رائے زنی کو اپنا حق سمجھتے ہیں، جو اصولِ انصاف اور اصولِ دین کے سراسر خلاف ہے۔

بہر حال! اس قسم کی ذہنیت رکھنے والوں سے بھی امت کو انتہائی چوکنا رہنے کی ضرورت ہے؛ اس حدیث میں اسی کی جانب متوجہ کیا گیا ہے، تاکہ ہم اس قسم کے فتنوں سے آگاہ بھی ہوں اور ان سے ہم بچ سکیں، اس کے باوجود بھی ہم اس قسم کے فتنوں کا شکار ہوتے رہے، تو یہ ہماری بے عقلی کی بات ہوگی۔

« عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : إِنَّ أُنَاسًا مِنْ أُمَّتِي سَيَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ وَيَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ، يَقُوْلُوْنَ: " نَأْتِي الْأُمَرَاءَ، فَنُصِيْبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِيْنِنَا "، وَلَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنٰى مِنَ الْقَتَادِ إِلَّا الشَّوْكُ؛ كَذٰلِكَ لَا يُجْتَنٰى مِنْ قُرْبِهِمْ إِلَّا (قَالَ محمدُ بن الصبَّاحِ كَأَنَّهُ يعني) الْخَطَايَا. »

ترجمہ-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ایک جماعت ہوگی، جو دین کا قانون خوب حاصل کرلے گی اور قرآن بھی پڑھے گی، پھر وہ کہیں گے: "آؤ! ہم ان حاکموں کے پاس جا کر ان کی دنیا میں حصہ لگائیں اور اپنا دین ان سے الگ رکھیں"؛ لیکن ایسا نہیں ہوسکتا، جیسے کہ کانٹے دار درخت سے سوائے کانٹوں کے اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا، اسی طرح ان حکام کے پاس جا کر بھی گناہوں کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

تخریج وشرح

اس کو ابن ماجہ نے بہ رقم: (۲۵۵) اپنی سنن کے مقدمے میں روایت کیا ہے اور یہ حدیث "ضعیف" ہے؛ کیوں کہ اس کا راوی "عبید اللہ بن ابی بردہ" مجہول ہے، جیسا کہ ابوبکر الکنانی نے مصباح الزجاجۃ: (۱/ ۳۸) میں فرمایا، مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ امام منذریؒ نے اپنی کتاب الترغیب میں اس کے تمام راویوں کو ثقہ فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ منذریؒ نے الترغیب: (۱۸۳) اور (۳۴۳۸) میں دو جگہ اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ اور ابن حجرؒ نے التقریب میں ان کو " مقبول من الرابعة " کہا ہے اور تہذیب التہذیب میں فرمایا کہ امام الضیاء نے المختارۃ میں ان سے تخریج کی ہے، جس کا مقتضا یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔ (التقریب: ۳۷۴، التہذیب: ۳/ ۲۷)

میں کہتا ہوں کہ عبید اللہ بن ابی بردہ اصل میں عبید اللہ بن المغیرہ بن ابی بردہ ہیں اور ان کو دادا کی

طرف منسوب کر کے عبید اللہ ابن ابی بردہ کہہ دیا جاتا ہے، (کما في التهذيب) تو شاید بعض کو اس طرف توجہ نہ ہوئی اور عبید اللہ ابی بردہ کا ذکر کتابوں میں نہ ہونے کی وجہ سے ان کو مجہول کہہ دیا ہوگا۔

مگر جیسا کہ معلوم ہوا، یہ اصل میں عبد اللہ بن المغیرہ ہیں اور ان کو ثقہ کہا گیا ہے، اس لیے یہ حدیث ''قابلِ اعتبار'' ہے۔

دنیا دار علما اور حکام

اس حدیث میں دنیا دار علما و قرا کا حال بتایا گیا ہے، جو دین میں فقہ بھی حاصل کریں گے اور قرآن بھی پڑھیں گے، مگر دنیا کے لالچ میں اُمرا ؤ رؤسا اور حاکموں کے پاس بھی جائیں گے، تاکہ وہ کچھ مال و دولت، ہدایا و تحائف کی شکل میں دے دیں اور وہ لوگ یہ بھی کہیں گے کہ ''ہم ان امرا کے پاس صرف دنیا لینے جاتے ہیں، مگر اپنے دین کی حفاظت کریں گے اور دین کو ان سے الگ رکھیں گے''؛ یعنی دین پر آنچ آنے نہ دیں گے۔ غرض یہ کہ ان علمائے دنیا کا مقصد یہ ہوگا کہ اُمرا کی خدمت کر کے دنیا کما لیں، مگر اپنے دین کو جانے نہ دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کی خام خیالی ہے اور ایسا ہرگز نہ ہو سکے گا؛ جیسے: کانٹے دار جھاڑیوں سے کوئی دانہ، غلہ، پھل و پھول حاصل نہیں ہو سکتا؛ بل کہ ان سے صرف کانٹے ہی حاصل ہو سکتے ہیں، اسی طرح ان دنیا دار حکام و امرا سے قریب ہو کر صرف خطائیں اور گناہ اور برائیاں تو حاصل ہو سکتی ہیں، مگر ان کے پاس جا کر ایمان و دین، صحیح و سالم رہے، ایسا نہیں ہو سکتا، ان کی بے ایمانی کے کانٹے ایمان داروں کے ایمان کو زخمی اور ان کے علم کو مجروح کر کے رکھ دیتے ہیں۔

اس بلیغ تشبیہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا دار حکام و اُمرا اور سیاسی عہدے داروں کو کانٹے دار جھاڑیاں قرار دیا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ ان لوگوں کا قرب و صحبت خطرہ ہی خطرہ ہے، جس میں کوئی خیر کا پہلو ہی نہیں؛ اس لیے یہ سمجھنا کہ ہم ان سے دنیوی مصالح حاصل کر کے، دینی مفاسد سے بچ جائیں گے، خام خیالی ہے اور ''ایں خیال است و محال ست و جنون'' کا مصداق ہے۔

اس سے ان علما کو عبرت حاصل کرنا چاہیے، جو سیاست دانوں سے قرب پر فخر و ناز کرتے ہیں اور پھر بھی اپنے کو بڑا دین دار سمجھتے ہیں، بڑے بڑے اکابر علما و صوفیا اسی وجہ سے اس حکمراں طبقے کی صحبت اور ان کے درباروں میں حاضری اور ان سے قربت کو انتہائی ناپسندیدہ بات سمجھتے تھے، جیسا کہ تاریخ اس پر شاہد ہے۔

« عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: إِنَّ أَوَّلَ مَايُكْفَأُ–قَالَ زَيْدُ بْنُ يَحْيٰ الرَّاوِي: يَعْنِي "الْإِسْلَامَ"–كَمَا يُكْفَأُ الْإِنَاءُ، يَعْنِيْ "الْخَمْرَ"، قِيْلَ: فَكَيْفَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَقَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ فِيْهَا مَابَيَّنَ؟ قَالَ: يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا فَيَسْتَحِلُّوْنَهَا. »

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ دین کی سب سے پہلی چیز، جو برتن کی طرح الٹی جائے گی، وہ "شراب" ہے، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! یہ کیسے ہوگا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کو صاف صاف بیان فرمادیا ہے؟ فرمایا: کوئی اور نام رکھ کر اسے حلال کرلیں گے۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو دارمیؒ نے سنن الدارمي میں بہ رقم: (۲۱۴۵) روایت کیا ہے اور اسحاق بن راہویہؒ نے اپنے مسند: (۲/ ۳۷۷) اور طبرانیؒ نے مسند الشاميين: (۱/ ۴۲۶)، ابویعلیٰؒ نے مسند: (۸/ ۱۷۷) میں آخری جملوں کے بغیر روایت کیا ہے۔ امام دارمیؒ کی سند کو حافظؒ نے کمزور قرار دیا ہے۔ (فتح الباري: ۱۰/ ۵۲) غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی "محمد بن راشد" کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، جیسے نسائیؒ وغیرہ نے، مگر امام احمد بن حنبلؒ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۷/ ۳۴۳، الجرح والتعديل: ۷/ ۲۵۳) اور ابویعلیٰ کی سند صحیح ہے، اس کی سند میں "فرات بن سلیمان" ہیں، جس کو امام احمدؒ نے ثقہ کہا اور ابن عدیؒ نے کہا کہ ان کی کسی نے صراحۃً تضعیف نہیں کی، امید ہے کہ ان میں کوئی خرابی نہیں اور باقی راوی سب صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۵/ ۸۱)

اوراس حدیث کی شاہد حضرت معاذ بن جبل ﷺ کی ایک طویل حدیث ہے، جس میں انھوں نے ان کو یمن بھیجے جانے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم: میری امت اپنے دین کو الٹ دے گی، جیسے کہ نالی میں برتن الٹ دیا جاتا ہے۔

(ابن حبان:۲/ ۴۱۵، موارد الظمآن:۸/ ۱۸۱، مسند الشامیین:۲/ ۱۰۲، المعجم الکبیر:۲۰/ ۱۲۰)

علامہ ہیثمیؒ نے طبرانی کی سند کے بارے میں فرمایا کہ وہ جید ہے۔ (مجمع الزوائد: ۸/ ۲۳۴) الحاصل یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی اور صحیح ہے۔

دین کی باتوں کو الٹ دیا جائے گا

اس حدیث کی تشریح میں علما کے دو قول ہیں: بعض نے فرمایا کہ غالباً اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شراب کا کوئی ذکر چل رہا تھا، اس پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے اسلام کی چیزوں میں سے جو چیز برتن کی طرح الٹی جائے گی، وہ ''شراب'' یعنی شراب کا حکمِ شرعی ہے، کہ لوگ اس کو حرام ہونے کے باوجود، اس کے اس حکم کو الٹ کر حلال کرلیں گے اور حلال کی طرح پئیں گے اور جب صحابہ ﷺ نے پوچھا کہ ایسا کیسے ہوگا، جب کہ شراب کے بارے میں واضح حکم اللہ نے بیان کردیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ نام بدل کر اس کو حلال کرلیں گے، یعنی شربت، نبیذ، جوس وغیرہ نام دے کر حلال کرلیں گے۔

اس تشریح کی بنیاد، اس پر ہے کہ حدیث میں اِنّ کی خبر " الخمر " محذوف مانی جائے اور راوی نے جو " الإسلام " کہا ہے، اس سے پہلے (مِنْ) محذوف مانا جائے اور مطلب یہ ہوگا کہ اسلام کی باتوں میں سے سب سے پہلی چیز، جس کو الٹا جائے گا، وہ شراب ہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔

دوسری تشریح وہ ہے، جس کو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ روای نے جو ''اسلام'' کہا ہے، اسی کو (اِنّ) کی خبر مانیں اوراس صورت پر حدیث کے معنے یہ ہوں گے کہ سب سے پہلے جو چیز الٹی جائے گی، وہ اسلام ہے، اس کو اس طرح الٹا جائے گا، جیسے شراب کا برتن الٹ دیا جاتا ہے تا کہ وہ خالی ہوجائے، اس پر صحابہ ﷺ نے جب پوچھا کہ ایسا کیوں کر ہوگا، جب کہ

اللہ نے اس کے بارے میں (یعنی مثلاً: شراب کے بارے میں) اور دیگر اسلامی احکام کے بارے میں واضح ارشادات فرمائے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ نام بدل کر ان کو حلال کرلیں گے، مگر اس تشریح پر آخر جملے منطبق نہیں ہوتے۔ (کما لایخفی علی أهل العلم)

ہاں! بعض دیگر احادیث سے اس تشریح کی تائید ہوتی ہے، مثلاً: طبرانی، ابن حبان وغیرہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خدا کی قسم! میری امت دین کو اس طرح الٹ دے گی، جیسے برتن کو نالی میں الٹ دیا جاتا ہے۔(۱) اور طبرانی نے مسند الشامیین میں حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے، اس میں ہے کہ (أول ما یکفأ الدین کما یکفأ الإناء "الخمر") (مسند الشامیین: ۱/ ۴۲۶) اور اسحٰق بن راہویہ اس میں "الدین" کی جگہ "الإسلام" کا لفظ لائے ہیں۔(۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے جو چیز الٹی جائے گی وہ دینِ اسلام ہے، جس کو شراب کے برتن کی طرح الٹا کر دیا جائے گا کہ لوگ اسلام کو الٹ دیں گے اور اس کے احکام میں تبدیلیاں کریں گے، نام بدل کر لوگوں کو دھوکہ دیں گے اور اس طرح حرام کو حلال کرلیں گے۔

آج جدت پسند اور جدید تعلیم یافتہ طبقے میں ایک گروہ ایسا بھی ہے، جو بہ ظاہر دین دار و دین پسند بن کر اسلام کی خدمت اور اسلام کا دفاع کرنے کی کوشش کرتا ہے، مگر اس طبقے کے نزدیک دین و شریعت کا مفہوم ہی کچھ اور ہے، اس کے نزدیک اسلام وہ نہیں، جو علمائے اسلام اور اسلامی مدارس پیش کرتے ہیں؛ بل کہ اس کے نزدیک جو چیز اسلام کہلاتی ہے، اس میں پردے کی کوئی ضرورت نہیں۔ سود کے حرام ہونے کی تعلیم نہیں، ڈاڑھی اور نبوی سنن و آداب سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی افعال ہیں، دین سے ان کو تعلق نہیں؛ بل کہ آدمی کو اپنے زمانے اور کلچر اور ملک اور حالات کے مطابق ان باتوں میں اختیار ہے کہ جیسے چاہے رہے، بس نام اس کا مسلمان ہو، تو کافی ہے، حلال و حرام، حق و باطل، اچھا اور برا ان کے نزدیک کوئی قابلِ التفات چیز ہی نہیں۔ اب ذرا غور کرو کہ کیا یہ اسلام کو الٹ دینا نہیں ہے؟ اور اسلام کے معنے و مفہوم کو بگاڑ دینا نہیں ہے؟

---

(۱) ابن حبان: ۲/ ۲۱۵، طبرانی کبیر: ۲۰/ ۱۲۰، وغیرہ

(۲) مسند اسحق: ۲/ ۳۷۷

الحدیث الشریف - ٦٦

« عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : فَوَاللّٰهِ! لَا الْفَقْرَ أَخْشَىٰ عَلَيْكُمْ ، وَلٰكِنْ أَخْشَىٰ عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَىٰ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ؛ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا ، وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ . »

ترجمہ: حضرت عمرو بن عوف ﷺ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ خدا کی قسم! مجھے تمہارے متعلق فقر و فاقے کا خطرہ نہیں؛ بل کہ ڈر اس بات کا ہے کہ دنیا تم پر اس طرح پھیلا دی جائے، جس طرح تم سے پہلی امتوں پر پھیلائی گئی؛ پھر تم ایک دوسرے پر اس میں حرص کرنے لگو، جس طرح پہلی امتوں نے حرص کی، پھر وہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر ڈالے، جس طرح اس نے پہلوں کو ہلاک کر دیا۔

تخریج و شرح

اس کو بخاریؒ: (۳۱۵۸) مسلمؒ: (۷۴۲۵) ترمذیؒ: (۲۴۶۲)، ابن ماجہؒ: (۳۹۹۷) اور احمدؒ: (۱۷۲۳۴) نے روایت کیا ہے اور حدیث صحیح ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

شانِ ورودِ حدیث

یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمائی تھی، جب حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ﷺ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بحرین جا کر وہاں سے جزیے کا مال لے کر واپس آئے اور حضرات انصار ﷺ کو معلوم ہوا، تو انھوں نے فجر کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے، تو یہ صحابہ ﷺ آپ کے سامنے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا:

شاید تم کو ابو عبیدہ کے آنے کی خبر ملی ہوگی اور یہ کہ وہ مال لے کر آئے ہیں؛ اس

لیے تم یہاں صبح صبح آ گئے ہو؟ صحابہ ﷡ نے عرض کیا کہ جی ہاں! اس پر آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ ” خدا کی قسم! مجھے تمہارے اوپر فقر و فاقے کا خطرہ نہیں؛ بل کہ اس بات کا خطرہ اور ڈر ہے کہ تم پر دنیا اس طرح کشادہ کر دی جائے، جیسے تم سے پہلی امتوں پر کشادہ کر دی گئی تھی، پھر تم ایک دوسرے پر اس میں حرص کرنے لگو، جس طرح ان لوگوں نے حرص کی تھی اور وہ تم کو بھی ہلاک کر دے، جس طرح اس نے ان کو ہلاک کر دیا تھا۔ (۱)

عبرتیں

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں جن پر ہم کو غور بھی کرنا چاہیے اور ان سے عبرت بھی لینا چاہیے:

فقر و فاقہ کوئی گھبرانے کی چیز نہیں

۱۔ یہ کہ مسلمانوں پر فقر و فاقہ کوئی ایسی چیز نہیں، جس سے گھبرایا اور ڈرا جائے؛ کیوں کہ اس سے عموماً اور زیادہ سے زیادہ صرف دنیوی نقصان ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں مال و دولت کا فتنہ ایسا فتنہ ہے، جس سے عموماً دینی و اخروی نقصان ہوتا ہے۔ آج جدید تعلیم یافتہ طبقہ، جو مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کا رونا روتا ہے، وہ عام طور پر اپنے تجزیے میں یہی کہتا ہے کہ مسلمانوں کو مال و دولت جمع کرنا اور فقر و فاقے سے نکلنا چاہیے تاکہ عالمی برادری میں ان کا مقام بنے اور وہ ذلت سے نکل سکیں۔

گویا ساری بیماری کا ان کے پاس یہی علاج ہے کہ مسلمان مال جمع کر لیں اور اسی لیے یہ لوگ علما کو مشورہ دیتے ہیں کہ سود کو حلال کر دو تو ساری ذلت و پستی اور پریشانی کا علاج ہو جائے۔ استغفر اللہ!

اس حدیث نے ان لوگوں کے نظریے کا غلط ہونا واضح کر دیا کہ فقر و فاقہ کوئی ایسی چیز نہیں، جو مسلمانوں کی پرواز میں کوتاہی کا سبب و ذریعہ بنے اور اس سے گھبرایا جائے؛ بل کہ اس حدیث نے اس کو بھی واضح کر دیا کہ جس چیز سے مسلمان کو گھبرانا اور ڈرنا ہے، وہ دراصل ” مال و دولت اور دنیا “ ہے۔

---

(۱) البخاری: ۲۹۲۴ و المسلم: ۵۶۲۱ وغیرہ

مال فتنہ ہے!

۲- دوسرے یہ کہ اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ”پھر تم اس کی حرص میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگو، جیسے پچھلے لوگوں نے کیا تھا“۔

اس سے معلوم ہوا کہ دنیوی مال و دولت میں ریس (Race) وترقی اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو پسند نہیں تھی، ضرورت کے برابر کما کر کھالیا اور پی لیا اور استعمال کر لیا جائے، تو درست ہے، مگر اس کی فکر میں لگ جانا اور اس میں ایک دوسرے پر ریس (Race) کرنا پسندیدہ نہیں؛ بل کہ خطرات وخدشات کا محل ہے۔

حرص ولالچ تباہی کا راستہ

۳- تیسرے یہ فرمایا کہ ”تم بھی پچھلے لوگوں کی طرح اس میں ریس کرو، تو وہ تم کو ہلاک کردے گی جیسے پچھلے لوگوں کو اس نے ہلاکت میں ڈال دیا تھا“۔

معلوم ہوا کہ دنیا کے پیچھے پڑنا، ہلاکت سے خالی نہیں یا کم از کم اس کے خطرے سے خالی نہیں؛ کیوں کہ حرص ولالچ انسان کو حرام وحلال کی تمیز سے محروم کر دیتا ہے اور حق وناحق اور اچھے وبرے کی پہچان سے محروم کر دیتا ہے، آخر کار دین وایمان کے کھو بیٹھنے کا ذریعہ بن جاتا ہے، جس کا ہلاکت ہونا ظاہر ہے۔

مال ودولت اور اسلامی نظریہ

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مال ودولت کے بارے میں اسلام کا نظریہ واضح کر دیں۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ مال ودولت بہ ذاتِ خود کوئی بری چیز ہے اور اس سے ہر صورت میں اور ہر حال میں دور رہنا چاہیے؛ بل کہ اسلام میں اس کی مذمت دراصل تین لحاظ سے ہے:

(۱) ایک اس کو غلط طریقے سے حاصل کرنے اور حلال وحرام کی تمیز نہ کرنے کے لحاظ سے ہے۔

(۲) دوسرے: اس کے غلط استعمال اور نامناسب وناجائز کاموں میں استعمال کی بنا پر ہے۔

(۳) تیسرے: اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق ادا نہ کرنے کے اعتبار سے

ہے۔ چوں کہ عموماً اس کے حصول کی راہ میں بھی اور اس کے استعمال کی راہ میں بھی لوگ غلط وناجائز طریقوں اور صورتوں کو رُوبہ کار لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی غفلت برتتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ مال و دولت، اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بن جاتی ہے؛ اس لیے شریعت نے اس کی مذمت و برائی بیان کی ہے اور اگر یہ مال و دولت اللہ سے قرب کا اور دین سے وابستگی کا اور آخرت کی ترقی کا ذریعہ وسبب بنتی ہو، تو اسلام ایسے مال کو اچھا وعمدہ قرار دیتا ہے اور اس کی تین صورتیں ہیں:

۱- ایک اس کی تحصیل میں اللہ کے قانون کے مطابق حلال وحرام کا لحاظ رکھا جائے۔

۲- دوسرے اس کے استعمال میں اللہ کی شریعت کا پاس ولحاظ کیا جائے اور اس کو اس کے جائز و صحیح مصرف میں خرچ کیا جائے۔

۳- اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے جو حقوق رکھے ہیں، ان کو ادا کیا جائے۔

چناں چہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص ﷺ کو حضرت نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ "نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ" (نیک آدمی کے لیے اچھا مال اچھی چیز ہے)(۱)

اس میں مالِ صالح سے مراد حلال مال ہے، جس کو حلال و جائز ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو اور "رَجُلٌ صَالِحٌ" سے مراد نیک آدمی ہے، جو شریعت کے مطابق چلتا ہو۔ حاصل یہ ہے کہ نیک آدمی، جو اللہ کے قانونِ شرع کے مطابق زندگی گزارتا اور حلال وحرام کی تمیز کرتا اور مال کو اس کے صحیح مصرف میں اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتا ہو، اس کے لیے حلال مال اچھی چیز ہے، کیوں کہ اس سے وہ آدمی اللہ کی خوشنودی حاصل کرتا اور اپنی آخرت بناتا ہے۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

" إن هٰذا المال حلو، من أخذهُ بحقهِ ووضعه في حقهِ فنعم المعونة هو، ومن

---

(۱) رواه الامام احمد: ۱۷۷۶۳، و ۱۷۸۰۲

اخذه بغير حقه كان كالذي يأكل ولايشبع ". (۱)

ترجمہ : بلاشبہ یہ مال لذیذ ہے، جو شخص اس کو اس کے حق کے ساتھ حاصل کرے گا اور اس کے حق میں خرچ کرے گا، اس کے لیے یہ بہترین مددگار ہوگا اور جو اس کو اس کے حق کے بغیر لے گا، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے وہ آدمی، جو کھاتا تو ہے، مگر سیراب نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں مال کو حق کے ساتھ لینے کا مطلب یہ ہے کہ "اس کو جائز طریقے سے حاصل کرے" اور حق میں خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ "اس کو جائز مصرف میں خرچ کرے"، پس جو ایسا کرے گا اس کے حق میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مال اس کے لیے بہترین مددگار ہے، مددگار کیسے؟ اس طرح کہ اس مال سے وہ اللہ کی رضا اور آخرت کی نعمتیں حاصل کرسکتا ہے اور اس میں جو "بغیر حق کے مال لینے" کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حلال وحرام کا لحاظ کیے بغیر مال حاصل کیا جائے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں، ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، وہ مال ودولت کی محبت میں گرفتار اور اس کے نشے میں مست وسرشار ہوکر اللہ ورسول کے احکام اور آخرت کی نعمتیں سب بھول جاتے ہیں اور صرف دنیا کمانے اور اس کو کھانے میں لگ جاتے ہیں اور کبھی ان کا پیٹ بھرتا ہی نہیں، اس طرح یہ محروم رہ جاتے ہیں۔

الحاصل! اسلام میں مال کی برائی یا تو اس کے حصول میں ناجائز طریقوں کو اپنانے کی وجہ سے ہے یا اس کے غلط مصارف میں استعمال کی بنا پر ہے یا اللہ اور بندوں کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اس لیے جو شخص ان تینوں باتوں کی رعایت کرتے ہوئے مال حاصل کرے اور اس کو خرچ کرے، تو مال اس کے حق میں ایک بہترین چیز ہے اور جو ایسا نہ کرے، اس کے حق میں ایک بدترین چیز ہے۔

(۱) البخاري: ۶۴۲۷، واللفظ لهٔ مسلم: ۲۴۲۱، نسائي: ۲۶۰۳، ابن ماجه: ۳۹۹۵

« عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم : لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ ، حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ . قِيلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ ؟ قَالَ: فَمَنْ؟ (متفق عليه وعند الترمذي) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ﷺ حَتّٰى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتٰى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يُصْنَعُ ذَالِكَ. »

ترجمہ : حضرت ابوسعید ﷺ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: تم بھی ٹھیک پہلی امتوں کے نقشِ قدم پر چل کر رہو گے؛ حتی کہ اگر وہ گوہ کے سراخ میں گھسے، تو تم بھی اس میں گھس کر رہو گے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! پہلی امتوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ فرمایا: اور کون؟ ایک روایت میں ہے کہ اگر ان میں کسی نے اپنی ماں سے علانیہ بدکاری کی ہوگی، تو میری امت میں بھی اس قماش کے لوگ ہوں گے۔ (معاذ اللّٰہ)

تخریج و شرح

اس کو بخاریؒ: (۳۴۵۶) مسلمؒ: (۶۷۸۱) احمدؒ: (۱۱۸۰۰) نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور امام ترمذیؒ نے: (۲۶۴۱) اور حاکمؒ نے المستدرک: (۴۴۴) میں، حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے دوسرے الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے، جو مصنف نے اوپر نقل کیے ہیں؛ البتہ حاکمؒ نے (من أتیٰ أمہٗ) کی جگہ (من نکح أمہٗ) کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

ترمذی کی روایت میں ایک راوی "عبدالرحمٰن بن زیاد الافریقی" ہے، جس کو جمہور علما نے ضعیف قرار دیا ہے؛ البتہ یحییٰ بن سعید الانصاریؒ نے ثقہ فرمایا ہے۔ (التھذیب: ۲/۵۰۵) اسی لیے غالباً امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو "حسن" قرار دیا ہے۔

یہود ونصاریٰ کی نقالی

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ یہ امت پچھلی امتوں کے نقشِ قدم پر چلے گی اور ٹھیک ٹھیک اسی رَوِش پر قائم ہوگی، حتی کہ اگر وہ لوگ گوہ جانور کے سوراخ میں داخل ہوں گے، تو یہ امت بھی اس میں داخل ہوگی۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ میری امت ان کے قدم بہ قدم چلے گی، حتی کہ ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے منہ کالا کیا تھا، تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے۔

اور جب صحابہ ﷺ نے پوچھا کہ ان پچھلے لوگوں سے کیا یہود ونصاریٰ مراد ہیں، جن کی یہ امت اقتدا کرے گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! اور کون؟ یعنی یہود ونصاریٰ ہی مراد ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ امت یہود ونصاریٰ کے نقشِ قدم پر چلے گی اور ہلاک ہوگی، عقائد میں، اعمال میں، معاشرت واخلاق میں، تہذیب وتمدن میں؛ ہر چیز میں لوگ ان کے نقشِ قدم پر چلیں گے، آج اس کا نقشہ پوری طرح مشاہد ہے؛ چناں چہ اگر ان لوگوں نے انبیا واولیا اللہ کو خدائی کے مقام ومرتبے پر پہنچا کر ان کے مزارات کی پوجا وعبادت کی تھی، تو اس امت میں بھی اس قسم کے لوگ ہیں، جو مزاراتِ اولیا کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں اور ان اولیا اللہ کو حاجت رَوا ومشکل کشا سمجھ کر ان کی منتیں مانتے اور ان سے حاجتیں مانگتے ہیں، اسی طرح اعمال میں بہت سے اعمال ان کی اتباع میں اختیار کر لیے گئے ہیں، یہی حال اور چیزوں کا ہے۔

اور آپ نے جو فرمایا کہ اگر وہ لوگ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں گے، تو تم بھی داخل ہوگے، اس میں گوہ جانور کے سوراخ کی تخصیص اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اس کا سوراخ نہایت تنگ ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اس کا انداز ہوتا ہے کہ ایک طرف سے گھسنے کا اور دوسری طرف سے نکلنے کا راستہ، جس سے گوہ دوسروں کو دھوکے میں مبتلا کرتی ہے کہ داخل ہوتی ہے، ایک طرف سے اور دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ اندر ہے، مگر وہ نکل جاتی ہے دوسری طرف سے، اس کا حاصل اور اس سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ یہود ونصاریٰ کوئی کام تنگی وپریشانی کے ساتھ بھی کریں گے اور اس میں کوئی خوبی اور فائدہ بھی نہ ہو، تب بھی تم اس میں ان کی اتباع کروگے۔ (۱)

(۱) قالہ فی فتح الباری: ۶/ ۴۹۸

جب تنگی میں ان کی اتباع کریں گے، تو پھر کشادگی میں تو بدرجۂ اولیٰ کرو گے اور جس میں بہ ظاہر کوئی فائدہ وخوبی نظر آئے، تو اور زیادہ شوق ورغبت سے ان کی اتباع کریں گے۔

آج یہ بات واضح طور پر دیکھنے میں آرہی ہے کہ امت کا ایک بہت بڑا طبقہ ان عیار ومکار اور خدا دشمن لوگوں کا طریقہ اختیار کرنے کو فخر سمجھتا ہے اور ان کے ہر فیشن وطریقے کو بلا تذبذب قابلِ عمل ولائقِ اتباع سمجھتا ہے، حالاں کہ یہ فرقے خدا کی لعنت میں گرفتار ہیں، صرف دنیا کا ٹھاٹ باٹ کوئی قابلِ التفات چیز نہیں ہے۔

مگر افسوس کہ امت کا ایک بڑا طبقہ ان کی ہر چیز میں نقالی کو فخر وعزت کی چیز سمجھتا ہے؛ حتیٰ کہ فحاشی وعریانی، بے حیائی وبے حجابی، جو ان قوموں کا امتیازی نشان ہے، امتِ مسلمہ کے ایک بہت بڑے طبقے میں بہ طورِ فخر اُن کا چلن ہو رہا ہے۔ خصوصاً مال دار طبقے میں اور ان میں بھی بالخصوص عورتوں میں اور ان میں بھی بالاخص تعلیم یافتہ طبقے میں یہ ساری باتیں اس طرح داخلِ زندگی ہوگئی ہیں کہ ان کو زندگی کا لازمہ بھی کہا جاسکتا ہے؛ پھر جیسا کہ کہا گیا ان کی اتباع میں ان لوگوں کو اس کا بھی ہوش نہیں ہے کہ اس نقالی میں کوئی راحت وفائدہ بھی ہے یا نہیں؟ بل کہ عموماً اس میں تنگی وپریشانی ہے اور اس کے مقابلے میں اتباعِ شریعت وسنت میں راحت اور سہولت ہے، مگر اس مغربیت زدہ طبقے کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

اسی بات کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی ہے، جو حرف بہ حرف پوری ہوچکی ہے یا پوری ہو رہی ہے۔

الحدیث الشریف - ٦٨

« عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ يَوْمٌ ، لَايَدْرِي الْقَاتِلُ فِيْمَ قَتَلَ وَلَا الْمَقْتُوْلُ فِيْمَ قُتِلَ ، فَقِيْلَ: كَيْفَ يَكُوْنُ ذَالِكَ؟ قَالَ: الْهَرْجُ ، اَلْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ. »

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم ہے، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، دنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگوں پر ایسا دور نہ آجائے، جس میں نہ قاتل کو یہ بحث ہوگی کہ اس نے کیوں قتل کیا، نہ مقتول کو یہ خبر ہوگی کہ وہ کس جرم میں قتل کیا گیا،عرض کیا گیا: ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا: فساد عام ہوگا، قاتل ومقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔

تخریج وشرح

اس کو مسلمؒ نے بہ رقم: (٧٣٠٣) اور دیلمیؒ نے مسند الفردوس: (٤/٣٧٠) الدانیؒ نے السنن الواردة: (١/٢٢٣) میں روایت کیا ہے اور صاحبِ مشکات المصابیح نے بھی اس کو (٤٦٢) پر ذکر کیا ہے اور حدیث ''صحیح'' ہے۔

اندھادھند قتل

اس میں قیامت سے پہلے ہونے والے احوال کا ذکر ہے کہ قتل وقتال اس قدر بڑھ جائے گا کہ نہ قاتل کو معلوم ہوگا کہ اس نے قتل کیوں کیا اور نہ مقتول کو علم ہوگا کہ اس کو کیوں قتل کیا گیا؛ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یہ کس طرح ہوگا؟ تو فرمایا کہ ''ہرج'' یعنی عام فساد

و فتنے کی وجہ سے ایسا ہوگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قاتل و مقتول دونوں دوزخ میں ہیں، اس حدیث میں دو باتیں قابلِ بحث ہیں۔

قتل کی وجہ معلوم نہ ہوگی

۱- ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''نہ قاتل کو معلوم ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا اور نہ مقتول کو پتہ چلے گا کہ اس کو کس وجہ سے قتل کیا گیا''۔

یہ اس وجہ سے کہ قتل و قتال اور فتنے و فساد کا دور دورہ ہوگا اور ہر کس و ناکس اس فتنے کا شکار ہوگا، لوگ درندوں اور جانوروں کی طرح درندگی و حیوانیت پر اتر آئیں گے اور لوگوں کو کچھ پتہ نہ ہوگا کہ وہ کیا کر رہے ہیں، اس طرح نہ قاتل کو پتہ ہوگا کہ وہ کسی کو قتل کر رہا ہے، تو کیوں کر رہا ہے اور نہ مقتول جانے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی سزا سے دوچار ہو رہا ہے۔

قاتل و مقتول جہنم میں!

۲- جو فرمایا گیا کہ ''قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں''۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر آدمی دوسرے کے قتل کے درپے ہوگا، قاتل نے موقعہ پایا اور قتل کر دیا، ورنہ اگر اس مقتول کو موقعہ ملتا، تو وہ بھی قتل کرتا! اس لیے دونوں گنہگار ہوئے اور ان کو جہنمی کہنا اس وجہ سے ہے کہ یا تو یہ قتل کو حلال سمجھیں، جس سے وہ مؤمن ہی نہ رہیں گے یا مطلب یہ ہے کہ قتل کی اصل سزا دوزخ ہے، اگر اللہ چاہے، تو ان کو معاف بھی کر سکتا ہے بہ شرط یہ کہ وہ مؤمن ہوں۔ (۱)

(۱) شرح المسلم للنووی: ۳۹۰/۲

«عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ العَدِيِّ رحمہ اللہ قَالَ: أَتَيْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَانَلْقَى مِنَ الْحَجَّاجِ ؛ فَقَالَ: اِصْبِرُوْا فَإِنَّهُ لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلَّا الَّذِي بَعْدَهُ أَشَرٌّ مِنْهُ ، حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ ؛ سَمِعْتُهُ مِنْ نَبِيِّكُمْ صلی اللہ علیہ وسلم .»

ترجمہ: حضرت زبیر بن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان مصائب کی شکایت کی، جو حجاج کی طرف سے پیش آ رہے تھے، انھوں نے سن کر فرمایا: صبر کرو! تم پر جو دَور بھی آئے گا، اس کے بعد کا دَور اس سے بھی بدتر ہوگا، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو۔ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سنا ہے۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو بخاریؒ: (٧٠٦٨)، احمدؒ: (١٢٣٤٧)، ترمذیؒ: (٢٢٠٦) نے روایت کیا ہے (والحديث "صحيح" كما هو يظهر من صحيح البخاري)

بدتر سے بدتر دَور

اس حدیث میں مختصر قصہ آیا ہے کہ حضرت زبیر بن عدی رحمہ اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور انھوں نے "حجاج بن یوسف" کی جانب سے پیش آنے والے مظالم کی شکایت کی؛ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صبر کرو! کیوں کہ جو دَور بھی تم پر آئے گا، اس کے بعد کا دَور اس سے بھی بدتر ہوگا، علما نے فرمایا کہ اس سے مراد اکثری وعمومی بات ہے کہ عموماً واکثر ایسا ہی ہے کہ بعد کا دَور پہلے کے اعتبار سے بدتر ہوتا ہے، کبھی کبھی اس کے خلاف ہو، تو کوئی اشکال نہیں، جیسے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا زمانہ اگرچہ حجاج کے زمانے کے بعد کا ہے، مگر حجاج کے زمانے کے لحاظ سے بہتر تھا۔

غرض یہ کہ عام طور پر بعد کا دَور شر و خباثت میں پہلے کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہوتا ہے؛ چناں چہ روز بہ روز حالات میں ابتری اور برائی بڑھتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے، ظلم وفساد بڑھ رہا ہے، قتل وخون کا بازار گرم سے گرم تر ہو رہا ہے، عریانی وفحاشی میں تیزی کے ساتھ بڑھوتری ہو رہی ہے، ناچ رنگ اور گانے بجانے کے آلات، ٹی-وی، ویڈیو، وغیرہ میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے اور سستے سے سستے داموں میں ان کو فراہم کیا جا رہا ہے؛ نیز حسد، بغض، عداوت، کینہ کپٹ کی بیماریاں عام سے عام تر ہو رہی ہیں اور بروں سے گذر کر بڑوں میں سرایت کر رہی ہیں، جاہلوں سے بڑھ کر عالموں میں پھیلی ہوئی ہیں اور دنیا داروں سے تجاوز کر کے دین دار طبقوں وحلقوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہیں۔ اس طرح یہ حدیث صاف طور پر اپنی صداقت وسچائی کو آشکارا کر رہی ہے۔ اللہ اس اُمت پر رحم فرمائے کہ وہ بڑے سخت دَور سے گذر رہی ہے؛ مگر حدیث کی رُو سے آگے اس سے بدتر زمانہ آنے والا ہے، اللہ تعالیٰ آئندہ آنے والی نسلوں پر رحم فرمائے کہ وہ ہم سے زیادہ پریشان ہوں گے۔ (آمین)

❁❁❁

الحدیث الشریف - ۷۰

« عَنْ أَنَسٍ ﷺ قَالَ: إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ أَعْمَالاً ، هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ . كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِي " اَلْمُهْلِكَاتِ " . »

ترجمہ: حضرت انسؓ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ بعض اعمال کرتے ہو، جو تمہاری نظر میں تو بال سے بھی باریک (یعنی معمولی) ہوتے ہیں، مگر ہم انہیں "کو" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تباہ کن شمار کرتے تھے۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو حضرت انس ﷺ کے قول سے امام بخاریؒ: (۶۴۹۲)، امام احمدؒ: (۱۲۶۰۴) اور حضرت ابوسعید خدری ﷺ کے قول کی حیثیت سے اس کو امام احمدؒ نے مسند أحمد: (۱۰۹۹۵) اور عبداللہ بن امام احمدؒ نے السنة: (۷۶۰) اور ابن ابی عاصمؒ نے الزهد: (۱/۱۹۵) اور ابن المبارکؒ نے الزهد میں بہ رقم: (۱۸۱) روایت کیا ہے۔ اور یہی بات حضرت عبادہ بن قرط ﷺ سے احمد نے مسند أحمد: (۱۵۸۵۹) میں، ابوداؤد طیالسیؒ نے اپنے مسند: (۲/۶۹۱) ابو یعلیٰ نے اپنے معجم: (۱/۱۸۰) بیہقیؒ نے شعب الإیمان: (۵/۱۴۹)، اور صاحب مسند الحارث نے: (۲/۹۷۰) میں روایت کیا ہے۔ حدیث کا "صحیح" ہونا بخاری کی روایت سے واضح ہے۔

تباہ کن گناہ اور اہلِ تجدد کی روِش

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، یہ بات حضرت انس، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبادہ بن قرط ﷺ تین حضرات نے فرمائی ہے کہ تم لوگ بعض اعمال یعنی برائیاں ایسی کرتے ہو، جو تمہاری نظر میں بال سے زیادہ باریک و معمولی شمار ہوتی ہیں؛ مگر ہم ان برائیوں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں "موبقات" میں سے شمار کرتے تھے اور "موبقات" کی

تفسیر امام بخاری رحمۃ اللہ نے ''مہلکات'' سے کی ہے؛ یعنی ''تباہ کن و ہلاکت خیز چیزیں''۔

مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ کے سامنے ذکر کی گئی، تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! انھوں نے سچ کہا اور میں پاجامے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کو انہی موبقات میں شمار کرتا ہوں۔ (۱)

یہ حدیث اور حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ کا یہ جملہ آج کل کے تجدد پسند دین داروں کے خلاف ایک تازیانہ ہے، جو علما کو بھی طعنہ دیتے ہیں کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، جیسے: ٹخنوں کے نیچے پاجامہ لٹکانے، ڈاڑھی کٹانے یا منڈانے وغیرہ کو اور ان کا کہنا ہے کہ ان کی اسلام میں کوئی خاص اہمیت نہیں، اس طرح ان لوگوں نے دین کے ایک بڑے حصے کو دین سے نکال دیا ہے اور جو بات ان کو پسند نہیں، اس کو غیر اہم قرار دے کر دین سے خارج کر دیتے ہیں اور علما کو بدنام کرتے ہیں کہ یہ معمولی باتوں کو کیوں اہمیت دیتے ہیں؟

یہ حدیث بتا رہی ہے کہ یہ معمولی باتیں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بڑی اہمیت کی حامل تھیں اور ایسی معمولی باتوں کو بھی وہ حضرات مہلک سمجھتے تھے۔ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ جیسے محدث وفقیہ، ٹخنے کے نیچے پاجامہ لٹکانے کو انہی مہلکات میں شمار فرما رہے ہیں اور یہ تجدد پسند دین دار اس کو اور ڈاڑھی کو معمولی چیز سمجھتے ہیں، حتی کہ ایک ایسے ہی صاحب نے یہاں تک کہا ہے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لوگوں کی ڈاڑھیاں اور پاجامے ناپنے کے لیے نہیں آئے تھے''، ان صاحب کا یہ طرزِ بیان جارحانہ ہونے کے ساتھ ساتھ دین اور اہلِ دین سے استہزا پر بھی مشتمل ہے؛ یہ طبقہ من پسند چیزوں کو اسلام کہتا ہے اور جو پسند نہ آئے، اس کو غیر ضروری قرار دیتا ہے، اس طبقے نے موجودہ دَور میں دین کا ایک ایسا تصور پیش کیا ہے، جس نے لوگوں میں سوائے چند چیزوں کے ہر دینی واسلامی چیز کے انکار کا جذبہ وشوق پیدا کر دیا ہے اور وہ چند چیزوں کو مغربی تہذیب وتمدن کے رنگ میں رنگ کر اسلام کے نام سے پیش کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور علما وصلحا واسلافِ کرام کے طرزِ عمل اور طور وطریق کو تحقیر آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور علما واسلاف کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دین کے مزاج سے ناواقف ونا آشنا ہیں؛ حالاں کہ خود ہی دین سے نا آشنا ہیں۔ یہ مذکورہ بالا حدیث ان کی تردید کے لیے کافی وشافی ہے۔

(۱) أحمد: ۱۵۸۵۹

الحديث الشريف - ٧١

«عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنهما قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فِي سَفَرٍ، فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا، فَمِنَّا مَنْ يُصْرِبُ خِبَاءَهُ وَمِنَّا مَنْ يَنْتَضِلُ، (وَمِنَّا مَنْ هُوَ فِي جَشَرِهِ)؛ إِذْنَادَىٰ مُنَادِي رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ!، فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَخْطُبُ النَّاسَ وَيَقُوْلُ: "أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ قَبْلِي إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ أَنْ يَدُلَّ أُمَّتَهُ عَلىٰ مَايَعْلَمُهُ خَيْرًا لَهُمْ، وَيُنْذِرَهُمْ مَايَعْلَمُهُ شَرًّا لَهُمْ، أَلَا! وَإِنَّ عَافِيَةَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فِي أَوَّلِهَا، وَسَيُصِيبُ آخِرَهَا بَلَاءٌ وَفِتَنٌ، يُرَقِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا، تَجِيْئُ الْفِتْنَةُ، فَيَقُوْلُ الْمُؤْمِنُ: "هٰذِهِ مُهْلِكَتِي"، ثُمَّ تَنْكَشِفُ، ثُمَّ تَجِيْئُ، فَيَقُوْلُ: "هٰذِهِ وَهٰذِهِ" ثُمَّ تَجِيْئُ، فَيَقُوْلُ: "هٰذِهِ وَهٰذِهِ"، تَنْكَشِفُ؛ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ، فَلْتُدْرِكْهُ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْتِي إِلَى النَّاسِ مَايُحِبُّ أَنْ يُؤْتىٰ إِلَيْهِ، وَمَنْ بَايَعَ إِمَامًا فَأَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ وَثَمَرَةَ قَلْبِهِ فَلْيُطِعْهُ مَااسْتَطَاعَ.»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ہم نے ایک منزل پر پڑاو کیا، ہم میں سے بعض خیمے لگارہے تھے، بعض تیر اندازی کی مشق کررہے تھے (اور بعض اپنے مویشی میں لگے تھے)؛ اچانک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے اعلان کیا کہ نماز تیار ہے، میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبے میں ارشاد فرمارہے تھے:

لوگو! مجھ سے پہلے جو نبی بھی گذرا ہے، اس کا فرض تھا کہ اپنی امت کو وہ چیزیں بتلائے، جسے وہ ان کے لیے بہتر سمجھتا ہے اور ان چیزوں سے ڈرائے، جن کو ان کے

لیے بُرا سمجھتا ہے: سنو! اس امت کی عافیت پہلے حصے میں ہے اور امت کے پچھلے حصے کو ایسے مصائب اور فتنوں سے دو چار ہونا پڑے گا، جو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوں گے۔ ایک ایک فتنہ آئے گا، پس مؤمن یہ سمجھے گا کہ یہ مجھے ہلاک کردے گا، پھر وہ جاتا رہے گا اور دوسرا، تیسرا فتنہ آتا رہے گا اور مومن کو ہر فتنے سے یہی خطرہ ہوگا کہ وہ اسے تباہ و برباد کردے گا؛ پس جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اسے دوزخ سے نجات ملے اور وہ جنت میں داخل ہو، اس کی موت اس حالت میں آنی چاہیے کہ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں سے وہی معاملہ برتے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جس شخص نے کسی امام کی بیعت کرلی اور اسے عہد و پیان دے دیا، پھر اسے جہاں تک ممکن ہو، اس کی فرماں برداری کرنا چاہیے۔

نوٹ: اس حدیث میں جو جملہ بین القوسین لکھا ہے، یہ ہم نے کتبِ حدیث سے اضافہ کیا ہے؛ کیوں کہ یہ جملہ یہاں مذکور نہیں تھا، جب کہ حدیث میں ثابت ہے۔ (ش)

تخریج و شرح

اس کو مسلمؒ: (۴۷۷۶) نسائیؒ: (۴۱۹۶) ابن ماجہؒ: (۳۹۵۶) احمدؒ: (۶۵۰۳) بیہقیؒ: (۱۶۶۹۲) ابن حبانؒ: (۱۳/ ۲۹۵) ابوعوانہؒ: (۴/ ۴۱۳) نے روایت کیا ہے اور حدیث ''صحیح'' ہے۔

ایک سے بڑھ کر ایک فتنہ

اس حدیث میں ایک سفر کا واقعہ اور حضور ﷺ کا خطبہ نقل کیا گیا ہے اور اس کا مطلب، ترجمے سے واضح ہے۔ مصنف نے اس جگہ اس حدیث کو فتنوں کی پیش گوئی کی وجہ سے ذکر کیا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے خطبے میں کی گئی ہے؛ چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس امت کی عافیت، پہلے حصے میں ہے اور امت کے پچھلے حصے کو ایسے مصائب اور فتنوں سے دو چار ہونا پڑے گا، جو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوں گے۔

یہاں لفظ آئے ہیں (بلاء وفتن یرقق بعضھا بعضاً) بعض نے اس کو یرفق بھی پڑھا ہے، یُرَقِّقُ (بابِ تفعیل سے دو قاف کے ساتھ) پڑھا جائے، تو اس کے متعدد معانی ہو سکتے ہیں، علامہ نووی نے شرح المسلم: (۱۲/۳۲۳) میں اور ریاض الصالحین :۱۸۲ میں ان کی تفصیل کی ہے۔

ایک معنی یہ ہیں کہ ''بعض فتنے بعض کو خفیف و ہلکا بنا دیں گے؛ یعنی بعد میں آنے والے فتنے سخت و شدید ہوں گے کہ وہ اپنے سے پہلے والے فتنوں کو ہلکا کر دیں گے اور ایسا لگے گا کہ اس سے پہلے والے فتنے کوئی فتنے نہیں تھے''۔ اس کا اندازہ آج ہو رہا ہے کہ روز بہ روز فتنوں کی بارش ہو رہی ہے اور اس میں اضافہ و شدت بڑھتی جا رہی ہے۔

ہم شکل فتنے

دوسرے معنی یہ ہیں کہ ''بعض فتنے بعض کے مشابہ ہوں گے؛ یعنی لگ بھگ یکساں قسم کے فتنے ہوں گے''؛ چناں چہ یہ بات صحیح و مشاہد ہے کہ جو فتنے بھی آ رہے ہیں، وہ وہی ہیں، جو پہلے دَوروں میں اور زمانوں میں بھی پیش آئے ہیں، شکلیں الگ ہیں، طریقے الگ ہیں، انداز الگ ہیں؛ مگر حقیقت میں وہی فتنے ہیں۔ کفار کی طرف سے آج اہلِ اسلام پر جو کچھ ہو رہا ہے، کیا یہ سب پچھلے دَور میں انبیا اور ان کے متبعین اور حضرات صحابہ و اولیا و علما پر پیش نہیں آیا ہے؟

پُر فریب و دل فریب فتنے

بعض نے فرمایا کہ (یرفق) کے معنی ہیں: ''بعض فتنے بعض اور فتنوں کو حسین و خوب صورت بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے اس طرح مال کا، دولت کا، عورت کا، عہدے و منصب کا فتنہ پہلے سے زیادہ خوب صورت شکل و انداز میں آئے گا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے گا''۔

یہ بات آج دیکھی جا رہی ہے کہ روز بہ روز فتنوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور فتنے زیادہ دل چسپ و خوش نما انداز میں لوگوں کو متاثر و مرعوب کرتے جا رہے ہیں، حتی کہ آج لوگوں کو یہ بات سمجھ میں بھی نہیں آ رہی ہے کہ یہ باتیں فتنے کی ہیں؛ بل کہ بعض لوگ تو حضراتِ علما کی ان باتوں پر متنبہ کرنے پر یہ پوچھتے یا سوچتے ہیں کہ آخر اس میں کیا خرابی ہے، جس کی وجہ سے یہ علما اس کی مذمت یا برائی بیان کرتے ہیں؟

گویا ان بے چاروں کو ان باتوں کا فتنہ ہونا بھی معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ فتنے نہایت خوب صورت اور عمدہ شکل میں سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر: ''عورت کی بے پردگی'' کے فتنے کو لیجیے کہ وہ آج تہذیب وتمدن کے نام سے اور آزادیٔ نسواں کے عنوان سے اور ترقیٔ نسواں کا نعرہ لگاتے ہوئے سامنے آیا ہے اور ان عنوانوں اور نعروں سے مرعوب ومتأثر ہونے والے برابر اس سے مرعوب ہو رہے ہیں اور علما اور دین داروں کو دقیانوس وقدامت پرست (Fundamentalist) بل کہ اپنے مغربی آقاؤں کی تقلید میں بنیاد پرست بھی کہہ دیتے ہیں۔

آگے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فتنہ آئے گا، تو مومن کہے گا: یہ فتنہ مجھے ہلاک کردے گا، مگر جب دوسرا فتنہ آئے گا، تو وہ کہے گا کہ یہ ہے، یہ ہے، یعنی یہ فتنہ بہت بڑا ہے، جو ہلاک کردے گا، پھر وہ بھی چلا جائے گا اور تیسرا فتنہ آئے گا، تو وہ کہے گا: یہ ہے، یہ ہے، جو ہلاک کردے گا۔ مطلب یہ کہ ہر فتنے کے بعد دوسرا فتنہ اس سے بڑھ کر ہوگا!!۔

دوزخ سے بچنے کا نسخہ

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو چاہتا ہے کہ دوزخ سے بچے اور جنت میں داخل ہو، اس کو اس حال میں موت آنا چاہیے کہ وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ برتے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اس میں آخرت میں نجات کے لیے دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں:

۱- ایک ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ اور فتنوں کے ذکر کے بعد اس کے ذکر سے مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دراصل فتنوں کے دور میں ہم کو ایمان کی پختگی ومضبوطی اور اس کے لیے تیاری کا حکم دینا چاہتے ہیں کہ کہیں فتنے میں مبتلا ہو کر، ایمان کھو بیٹھیں اور دنیا کے ساتھ آخرت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ معلوم ہوا کہ فتنوں کے دور میں ہماری توجہ کا مرکز ''ایمان واعمال'' ہونا چاہیے اور اس کی فکر دامن گیر رہنا چاہیے کہ ان فتنوں میں ہمارا ایمان صحیح سلامت رہے اور یقین کی دولت ضائع نہ ہو جائے۔

۲- دوسرے: ''لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا اہتمام''، اس میں اس طرف رہنمائی ہے کہ

فتنوں کے دَور میں اس کا بھی لحاظ ہونا چاہیے کہ لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق وحسنِ معاشرت قائم کی جائے اوراس کے لیے یہ اصول ہے کہ ”جو چیز اپنے لیے پسند کی جائے وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کی جائے“، اس سے اتحاد واتفاق قائم ہوگا، آپسی محبت والفت قائم ہوگی اور نزاعات وجھگڑے ختم ہوں گے، جس کے نتیجے میں فتنوں کا مقابلہ آسان ہوجائے گا اور جب فتنے ختم ہوں گے، تو دین پر چلنا آسان ہوگا؛ اس طرح دوزخ سے نجات کا سامان تیار ہوگا۔ (اس جملے کی تشریح کے لیے حدیث نمبر ۲۹ کی شرح دیکھیے)

اطاعتِ امیر کا حکم

آخر میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جس شخص نے کسی امام (امیر المومنین) کی بیعت کرلی اوراسے عہد وپیان دے دیا، تو جہاں تک ہوسکے اس کی فرماں برداری کرنا چاہیے اوراگر کوئی دوسرا اس امیر کی مخالفت اوراس سے جھگڑتے ہوئے آئے، تو اس کی گردن اڑادینا چاہیے۔

اس میں مسلمانوں کو دو باتوں کی تعلیم دی گئی ہے، جو موجودہ دَور کے لحاظ سے بھی بڑی اہم ہیں، ایک یہ کہ جس خلیفہ وامیر کے ہاتھ پر بیعت کرلی، اس کے ساتھ عہدو پیان ہوگیا، تو اس کے اس عہدوپیان کو نبھانا چاہیے اور حتی المقدور اطاعت وفرماں برداری کرنا چاہیے۔

افسوس کہ آج مسلمانوں کا کوئی امیر نہیں ہے اور بالخصوص ہندوستان جیسے علاقے اس تصور سے بالکل خالی ہیں؛ حالاں کہ فقہانے کسی کو امیر ووالی مقرر کرکے اس کی اطاعت میں معاملات کو طے کرنے کا حکم فرمایا ہے اور آج نہ امیر ہے اور نہ امیر بنائے جانے کا کوئی تصور، جس کی وجہ سے ہمارے سارے معاملات پراگندہ ومنتشر ہیں، نہ کوئی مشورہ ہوسکتا ہے اور نہ کسی بات کی تجویز؛ کیوں کہ کوئی مرکزیت ہی نہیں ہے اور بغیر مرکزیت کے مشورے وتجویز کے کوئی معنے ہی نہیں۔

اسی لیے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ **من مات وليس في عنقه بيعة ، مات ميتة جاهلية ۔**[1] یعنی جو شخص اس حال میں مَرا کہ اس کی گردن میں کسی امیر کی بیعت نہیں ہے، تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

---

(۱) المسلم: ۴۷۹۳

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کے لیے ایک امیر ہونا چاہیے؛ اسی لیے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوری بعد سب سے پہلے جس کام کو انجام دیا، وہ یہی امیر کا انتخاب تھا، حتیٰ کہ ان حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے بھی اس کام کو مقدم فرمایا علما وفقہا نے اسی سے امکان کے وقت امیر کے انتخاب کو واجب علی الکفایہ قرار دیا ہے۔(۱)

امیر کے خلاف بغاوت کی ممانعت

دوسرے یہ فرمایا کہ ”جس کو امیر بنالیا گیا، اس کے خلاف کوئی اور امیر کھڑا ہو، تو اس کو دفع کرو! اگر بغیر حرب وقتال کے دفع نہ ہو، تو اس کے ساتھ قتال کرو اور اس کو قتل کردو“۔

یہ بھی مرکزیت کے قیام و بقاو استحکام کے لیے حکم دیا گیا ہے، اگر ایسا نہ کیا گیا، تو ہر امیر کے خلاف بغاوتیں ہوسکتی ہیں، جس کے نتیجے میں مرکزیت تحلیل ہوکر امت کا شیرازہ منتشر ہوجائے گا، حتیٰ کہ اگر فاسق وفاجر کو بھی امیر بنادیا جائے، تو اس کی بھی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، یعنی فاسق امیر اگر شرعی حدود میں رہتے ہوئے احکام جاری کرے، تو اس کی بھی اطاعت کرنا چاہیے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ”اگر تم پر کوئی کالا یا کان کٹا غلام بھی امیر بنادیا جائے، جو تم کو کتاب اللہ کے مطابق چلاتا ہو، تو تم اس کی سنو اور مانو اور بعض روایات میں حبشی غلام کا ذکر ہے“۔(۲)

موجودہ حالات کا اگر کوئی علاج ہوسکتا ہے، تو وہ یہی ہے کہ امت کو اللہ کوئی امیر عطا فرمائے؛ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کو بہترین رہبر وقائد عطا فرمائے۔(آمین)

---

(۱) دیکھو غیاث الأمم لإمام الحرمین:۱۵، الاحکام السلطانیۃ:۳

(۲) المسلم:۳۴۶۲، الترمذی:۱۷۰۶، نسائی:۴۱۹۷، ابن ماجہ:۲۸۶۱، احمد:۱۷۱۴۲

الحدیث الشریف - ۷۲

« عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَنْزِلُ بِأُمَّتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ بَلَاءٌ شَدِيْدٌ مِّنْ سُلْطَانِهِمْ، حَتّٰى تَضِيقَ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ؛ فَيَبْعَثُ اللّٰهُ رَجُلًا مِّنْ عِتْرَتِي فَيَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا، يَرْضٰى عَنْهُ سَاكِنُ السَّمَاءِ وَسَاكِنُ الْأَرْضِ لَا تَدَّخِرُ الْأَرْضُ مِن بَذْرِهَا شَيْئًا إِلَّا أَخْرَجَتْهُ، وَلَا السَّمَاءُ شَيْئًا مِّنْ قَطْرِهَا إِلَّا صَبَّتْهُ، يَعِيْشُ فِيْهِمْ سَبْعَ سِنِيْنَ أَوْ ثَمَانَ أَوْ تِسْعَ. »

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانے میں میری امت پر ان کے حاکموں کی جانب سے ایسے مصائب ٹوٹ پڑیں گے کہ ان پر خدا کی زمین تنگ ہوجائے گی، اس وقت اللہ تعالیٰ میری اولاد سے ایک شخص (مہدی علیہ السلام) کو کھڑا کریں گے، جو زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح بھر دیں گے، جس طرح وہ پہلے ظلم وستم سے بھری ہوئی ہوگی، ان سے زمین والے بھی راضی ہوں گے اور آسمان والے بھی، ان کے زمانے میں زمین اپنی تمام پیداوار اُگل دے گی اور آسمان سے خوب بارش ہوگی، وہ ان میں سات یا آٹھ یا نو سال رہیں گے۔ (الترمذی: ۲/۴۶)

تخریج وشرح

اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے حاکمؒ نے المستدرک: (۸۵۰۴) میں بہ طریق معاویة بن قرة عن أبي الصديق الناجي اور امام احمدؒ نے مسند أحمد: (۱۱۲۸۴) میں بہ روایت علاء بن بشیر عن ابی الصدیق اور ابوعمرو الدانیؒ نے السنن الواردة: (۱۰۴۸/۵) میں بہ طریق معمر عن ابی ہارون العبدی روایت کیا ہے اور صاحب مشکات نے بھی حضرت ابوسعید ﷺ کی روایت کو ذکر کیا ہے، مگر حوالہ کچھ نہیں دیا (مشکاۃ ۴۷۱) اور ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اس جگہ

بیاض (خالی جگہ) ہے اور یہ حدیث حاکمؒ نے روایت کی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح:۱۰/ ۹۸)
معلوم ہو جانا چاہیے کہ ان کتب میں حضرت ابوسعید ﷺ کی اس حدیث میں مصنف کے نقل کردہ الفاظ کے لحاظ سے کچھ تغیر ہے۔

اور حاکمؒ نے فرمایا کہ حدیث "صحیح الاسناد" ہے، مگر ذہبیؒ نے اس کی سند کو مظلم کہا ہے (مرقاۃ المفاتیح:۱۰/ ۹۸) میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث متعدد سندوں سے آئی ہے، جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا، اس لیے یہ حدیث کم از کم "حسن" ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابوسعید ﷺ سے مہدی علیہ السلام کے سلسلے میں یہ بات متعدد احادیث میں آئی ہے کہ آپ علیہ السلام کے آنے سے پہلے دنیا میں ظلم و جور کا دور دورہ ہوگا اور آپ آ کر اس کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے اور اس زمانے میں خوب برسات ہوگی اور خوب غلہ اُگے گا؛ چناں چہ ابوسعید ﷺ نے روایت کیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے آخر میں مہدی ظاہر ہوں گے، اللہ ان کے لیے بارش برسائے گا اور زمین کھیتی اُگائے گی اور وہ خوب مال دیں گے اور مویشی زیادہ ہو جائیں گے الخ۔ (المستدرک للحاکم:۸۵۰۴) اسی امام احمد، ابن ماجہ، ابن حبان ابویعلی وغیرہ نے ان سے اس مضمون کی احادیث روایت کی ہیں۔

نوٹ: ہمارے مصنف نے اس حدیث کو ترمذی کے حوالے سے درج کیا ہے، مگر ترمذی میں اور پھر حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث تلاشِ بسیار کے باوجود مجھے نہیں ملی۔ (واللہ أعلم)

خدا کی زمین تنگ ہو جائے گی

اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے میں امت پر پیش آنے والے مصائب و فتن کا ذکر کیا ہے کہ امرا و حکام کی طرف سے امت پر بڑے مصائب و حالات پیش آئیں گے، حتی کہ ان پر زمین تنگ ہو جائے گی؛ یعنی سلاطین و امرا لوگوں کی ناک میں دم کر دیں گے اور ان کے لیے جینا مشکل کر دیں گے۔

جیسا کہ آج کا حال ہے اور بالخصوص نیک و اہلِ دین لوگوں کے خلاف زیادتیاں ہیں اور ان کو دہشت گرد قرار دے کر ان پر مظالم ڈھانے کا سلسلہ ہے، جس کی وجہ سے باوجود کشادگیوں کے، زمین ان پر تنگ ہو گئی ہے، مگر یہ اس ابتلا کا ابتدائی دور ہے، اس میں اور اضافہ ہوگا، سوچو کہ اس وقت کیا ہوگا؟

مہدی علیہ السلام کی بشارت

فرمایا کہ ”میرے خاندان میں سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو کھڑا کرے گا، جو زمین کو عدل وانصاف سے بھردے گا، جس طرح کہ وہ پہلے ظلم وجور سے بھری ہوئی تھی“۔ اس شخص سے مراد حضرت مہدی علیہ السلام ہیں، جو حضور علیہ السلام کے خاندان سے ہوں گے، جن کے بارے میں متعدد احادیث آئی ہیں اور ان کے نام، حلیہ اور کاموں اور کارناموں کی تفصیل بھی بتائی گئی ہے۔ ان میں سے اس حدیث میں یہ فرمایا کہ ”وہ ظلم وجور کی جگہ زمین کو عدل وانصاف سے بھردیں گے، جس کی وجہ سے آسمان وزمین کے رہنے والے ان سے خوش ہوں گے“ آسمان کے رہنے والوں سے مراد بہ قول ملا علی قاری رحمۃ اللہ حضرات انبیا کی ارواح اور حضرات ملائکہ علیہم الصلاۃ والسلام ہیں اور زمین پر رہنے والوں سے مراد مؤمن اور دیگر مخلوقات ہیں، حتی کہ خشکی میں جانور اور دریا میں مچھلیاں ان سے خوش ہوں گی۔ (۱)

آگے ان کے زمانے کی برکات کا ذکر فرمایا ہے کہ زمین اپنی تمام پیداوار نکال دے گی اور آسمان اپنا سارا پانی برسادے گا اور وہ سات برس یا آٹھ یا نو برس تک رہیں گے۔

اس میں مبالغہ مقصود ہے کہ زمین اور آسمان سے خوب خوب برکتیں نازل ہوں گی، بارش بھی خوب ہوگی اور پیداوار بھی خوب ہوگی، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ زندہ لوگ تمنا کریں گے کہ مردے زندہ ہوجائیں تاکہ وہ ان نعمتوں وبرکتوں کا مشاہدہ کریں اور وہ دنیا میں سات یا آٹھ یا نو برس تک رہیں گے۔ یہ راوی کا شک ہے کہ سات فرمایا یا آٹھ یا نو۔

حضرت مہدی علیہ السلام کون اور کیسے ہوں گے؟

اس حدیث میں حضرت مہدی علیہ السلام کا ذکر آیا ہے؛ اس لیے یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے بارے میں یہ بتادیا جائے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کون اور کیسے ہوں گے؟ تاکہ حضرت مہدی علیہ السلام کا نام لے کر گمراہ کرنے والے اور گمراہ ہونے والے لوگوں کے دامِ مکروفریب سے بچا جاسکے۔

حضرت مہدی علیہ السلام کے بارے میں متعدد احادیث آئی ہیں، چند ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۱۰/۹۷

۱- حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مہدی مجھ سے (یعنی میری نسل سے) ہیں، جو چوڑی پیشانی، لمبی و پتلی ناک والے ہوں گے، زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے، جس طرح وہ ظلم وجور سے پُر ہوگی اور سات سال تک حکومت کریں گے''۔(۱)

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے، اور سیوطی رحمہ اللہ نے **جامع الصغیر** میں اس پر صحت کا اشارہ دیا ہے۔(۲)

۲- حضرت علی ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''مہدی ہم میں سے ہوں گے (یعنی اہلِ بیت سے ہوں گے) اللہ ایک رات میں ان کو صلاحیت دے دے گا'' (یعنی ایک رات میں ان کو خلافت کی اہلیت دے دے گا)۔(۳)

امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس پر ''حسن'' ہونے کا اشارہ دیا ہے۔(۴) اور شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے **مسند احمد** کی تعلیقات میں اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔(۵)

۳- حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی، جب تک کہ میرے اہلِ بیت سے ایک آدمی (مہدی) حاکم نہ ہو جائے، جس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا۔(۶)

اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو ''صحیح'' کہا ہے، نیز امام احمد رحمہ اللہ کی سند بھی صحیح ہے، جیسا کہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے **تعلیق المسند**: (۳/۴۹۱) میں فرمایا ہے۔

۴- آپ (ابن مسعود) ﷺ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر دنیا کی عمر میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے، تب بھی اللہ اس دن کو طویل کردے

---

(۱) ابو داؤد: ۴۲۸۵، ومثلہ حاکم: ۸۵۰۴،

(۲) المنار المنیف: ۱۴۴

(۳) ابن ماجہ: ۴۰۸۵، احمد: ۶۴۵، مسند الفردوس: ۴/۲۲۲

(۴) فیض القدیر: ۶/۲۷۸

(۵) مسند أحمد: ۱/۴۴۴

(۶) مسند أحمد: ۱/۳۵۷، ابن حبان: ۱۵/۲۳۶، ترمذی: ۲۲۳۰

گا، حتی کہ اس میں میری نسل سے ایک آدمی کو مبعوث کرے گا، جس کا نام میرے نام کے موافق اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا۔ (۱)

ترمذی رحمۃ اللہ نے اس کو "حسن" صحیح کہا ہے اور ابوداود رحمۃ اللہ نے "سکوت" کیا ہے اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے اس کو "صحیح" کہا ہے۔ (۲)

نمونے کے طور پر چند احادیث کا ذکر کیا گیا ہے، علما نے لکھا ہے کہ مہدی علیہ السلام کے بارے میں صحیح احادیث آئی ہیں اور بعض نے یہاں تک فرمایا کہ" مہدی علیہ السلام کے بارے میں احادیث تواترِ معنوی کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں؛ لہٰذا مہدی علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ قیامت کے قریب یہ ظاہر ہوں گے۔

مذکورہ احادیث سے چند امور معلوم ہوئے:

۱- حضرت مہدی علیہ السلام ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے ہوں گے؛ یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خاندان سے ہوں گے۔

۲- ان کا اصل نام "محمد" ہوگا اور ان کے والد کا نام "عبداللہ" ہوگا۔

۳- آپ آئیں گے، تو دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے؛ نیز اوپر کی زیرِ بحث حدیث نے یہ بھی بتایا کہ ان کے زمانے میں زمین خزانے اگلے گی اور آسمان سے خوب بارش ہوگی۔

۴- آپ دنیا میں حکومت کریں گے اور ان کی حکومت سات یا آٹھ یا نو برس ہوگی۔

۵- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی ہوں گے۔

مہدوی فرقے کی گمراہی

ان تفاصیل کی روشنی میں "مہدیٔ موعود" کو پہچاننا بہت ہی آسان کام ہے، اس لیے امت حضرت مہدی علیہ السلام کی منتظر ہے اور جب وہ آئیں گے، تو ان کی علاماتِ مذکورہ سے ان کو پہچان لے گی۔

مگر افسوس کہ ایک واضح بات کو بعض گمراہ لوگوں نے پیچیدہ بنا کر رکھا ہے، جیسے "مہدوی فرقہ" جو "سید محمد جونپوری" کو مہدیٔ موعود مانتا ہے؛ حالاں کہ نہ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خاندان سے تھے اور نہ ان کے باپ کا نام عبداللہ تھا اور نہ ماں کا نام آمنہ تھا؛ بل کہ ان کے باپ کا "نام سید

---

(۱) ابوداؤد: ۴۲۸۲ واللفظ لہ، الترمذی: ۲۲۳۰

(۲) منہاج السنۃ: ۴/۲۱۱

خان" اور ماں کا نام "بی بی اغا ملک" تھا۔ (ائمہ تلبیس: ۲/۲۵) اور نہ ان کو حکومت ملی اور نہ عدل وانصاف سے زمین کو انھوں نے بھرا اور صرف اتنا ہی نہیں؛ بل کہ اس گمراہ فرقے نے اسلام کے خلاف کئی چیزوں کا عقیدہ بنالیا، مثلاً:

(۱) سید محمد جونپوری کی تصدیق فرض ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

(۲) سید محمد جونپوری کا مرتبہ خلفائے راشدین وصحابہ ﷺ سے افضل ہے۔

(۳) وہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام انبیا سے افضل ہیں۔

(۴) وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہیں۔

(۵) وہ صاحبِ شریعت رسول ہیں اور ان کی شریعت نے شرعِ محمدی کے بعض احکام کو منسوخ کر دیا۔

(۶) نبوت ورسالت کے علاوہ وہ بعض "صفاتِ الوہیت" میں بھی اللہ کے ساتھ شریک ہیں)(۱)

ان عقیدوں کے کفر وگمراہی ہونے میں کسی مسلمان کو کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ اسی لیے علما نے اس فرقے پر "کفر" کا فتویٰ دیا ہے۔

قادیانی کی گمراہی اور ایک حدیث کی تحقیق

اس طرح قادیانی فرقہ بھی گمراہ ہوا؛ بل کہ اس کی گمراہی اور بڑھ گئی کہ مرزا غلام احمد قادیانی لعنۃ اللہ کو مہدی موعود بل کہ مسیح موعود اور نعوذ باللہ نبی مان کر صریح کفر کا ارتکاب کیا؛ حالاں کہ اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کی نشانیاں، صفات وخصوصیات سب کی سب بیان فرمادی ہیں، جن میں سے ایک بھی اس مرزائے قادیان (علیہ اللعنۃ) پر صادق نہیں آتی۔ پھر اس مرزائے قادیان نے اپنے کو "مہدی" بھی کہا اور "مسیح" بھی اور اس پر ایک من گھڑت حدیث سے استدلال کیا، وہ یہ کہ "لا مهدي إلا عيسىٰ" (مہدی ہی عیسیٰ ہوں گے) مگر یہ حدیث محدثین کے نزدیک موضوع وباطل ہے(۲)

نوٹ: اس پر ہم نے حدیث نمبر: ۵۸ کے تحت تفصیلی کلام کر دیا ہے۔

غرض یہ کہ مہدی کے بارے میں واضح علامات ہونے کے باوجود یہ گمراہی اور امت کے عام راستے سے کٹنا، محض نفسانیت وشرارت ہے، ورنہ تو احادیث کی روشنی میں بات بہت واضح ہے۔

---

(۱) دیکھو: هدية مهدويه: ۱/۴-۱۹، وائمۂ تلبیس: ۲/۶۱تا۶۳

(۲) دیکھو: الفوائد المجموعه للشوكاني: ۴۳۹

الحدیث الشریف - ۷۳

«عَنْ حُذَیْفَةَ رضی اللہ عنہ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عُوْدًا، عُوْدًا، فَأَيُّ قَلْبٍ أُشْرِبَهَا، نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ؛ وَأَيُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا، نُكِتَ فِيْهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ؛ حَتّٰى تَصِيْرَ عَلٰى قَلْبَيْنِ عَلٰى أَبْيَضَ مِثْلِ الصَّفَا، فَلَا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ، وَالْآخَرُ أَسْوَدُ مُرْبَادًا كَالْكُوْزِ مُجَخِّيًا لَا يَعْرِفُ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا إِلَّا مَا أُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ.»

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ فتنے دلوں میں اسی طرح یکے بعد دیگرے درآئیں گے، جس طرح چٹائی میں یکے بعد دیگرے ایک ایک تنکا درآتا ہے؛ چناں چہ جس دل نے ان فتنوں کو قبول کرلیا، وہ اس میں پوری طرح رچ بس گئے، اس پر (ہر فتنے کے عوض) ایک سیاہ نقطہ لگتا جائے گا اور جس قلب نے ان کو قبول نہ کیا اس پر (ہر فتنہ کو رد کردینے کے عوض) ایک سفید نقطہ لگتا جائے گا، یہاں تک کہ دلوں کی دو قسمیں ہو جائیں گی اور ایک: سنگِ مرمر جیسا سفید کہ اسے رہتی دنیا تک کوئی فتنہ نقصان نہیں دے گا اور دوسرا: خاکستری رنگ کا سیاہ الٹے کوزے کی طرح (کہ خیر کی کوئی بات اس میں نہیں ٹکے گی) یہ بجز ان خواہشات کے، جو اس میں رچ بس گئی ہیں، نہ کسی نیکی کو نیکی سمجھے گا، نہ کسی برائی کو برائی (اس کے نزدیک نیکی اور بدی کا معیار بس اپنی خواہش ہوگی۔)

تخریج و شرح

اس حدیث کو امام مسلمؒ نے کتاب الإیمان میں بہ رقم: (۳۶۹)، امام احمدؒ نے مسند أحمد میں بہ رقم: (۲۳۲۸۰) روایت کیا ہے اور حدیث کا ''صحیح'' ہونا، تخریج مسلم سے ظاہر ہے۔

دلوں پر فتنوں کی بارش

۱- "تعرض الفتن على القلوب كالحصير عوداً عوداً.

(دلوں پر فتنے اس طرح آئیں گے، جس طرح چٹائی میں تنکے یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں)

اس حدیث میں فتنوں سے بعض حضرات نے "آفات وبلیات اور مصائب و پریشانیاں" مراد لی ہیں، جو دلوں اور ذہنوں کو پریشان کرتے اور انسانوں کو مدہوش کر دیتے ہیں اور بعض نے فرمایا کہ فتنوں سے مراد "عقائدِ باطلہ و نظریاتِ فاسدہ" ہیں، جن سے عام لوگ دینی و ایمانی فتنے میں پڑ جاتے ہیں۔ (۱)

اور **عــود** کا لفظ تین طرح پڑھا گیا ہے: **عُــوْد** (عین پر پیش اور آخر میں دال) جس کے معنے ہیں، "حصیر کے تنکے، جن سے وہ بُنی جاتی ہے" اور بعض نے اس لفظ کو **عَــود** (عین پر زبر اور دال کے ساتھ) پڑھا ہے، جس کے معنے ہیں، "بار بار لوٹ کر آنا" اور بعض نے **عَـــوذ** (عین پر زبر اور ذال کے ساتھ) پڑھا ہے۔ (۲)

اس کو عُود پڑھا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ "جس طرح حصیر بنتے وقت اس کے تنکے یکے بعد دیگرے آتے اور اس سے جڑ جاتے ہیں، اسی طرح فتنے بھی دلوں پر برابر یکے بعد دیگرے آ کر دلوں پر لگ جائیں گے"۔

بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ "جس طرح چٹائی پر سونے والے کے جسم سے چٹائی کے تنکے چمٹ جاتے ہیں، اسی طرح فتنے بھی دلوں پر اثر انداز ہوں گے"۔

اور اگر یہ لفظ **عــوذ** (ذال کے ساتھ) ہو، تو اس کے معنے "پناہ لینے" کے ہیں اور یہ فتنوں کے ذکر کے بعد ان فتنوں سے پناہ طلب کرنے کے لیے آیا ہے؛ یعنی اے اللہ میں ان سے پناہ مانگتا ہوں۔

اور **عَــود** (عین پر زبر اور دال) پڑھنے کی صورت میں، مطلب یہ ہے کہ یہ فتنے دلوں پر بار بار اور لگاتار پیش آئیں گے۔ (۳)

دلوں پر کالے اور سفید نکتے

۲- "فأي قلب أشربها الخ" (یعنی جس دل میں یہ فتنے اُتار دیے گئے، اس میں ایک

---

(۱) مرقاة: ۱۰/۴

(۲) شرح المسلم: ۲/۲۲۶

(۳) دیکھو: مرقاة المفاتیح: ۱۰/۴، مظاہر حق جدید: ۶/۲۳۱، شرح المسلم: ۲/۲۲۶

کالا نکتہ ڈال دیا جائے گا اور جو دل ان فتنوں کا انکار کرے گا، اس میں سفید نکتہ لگا دیا جائے گا)

یہاں لفظ اُشــرب (بصیغۂ مجہول) ہے، جس کے معنے ہیں، ''پلا دیا جانا'' یعنی جس دل میں یہ فتنے اتار دیے گئے اور اس میں رچ بس گئے اس میں کالا نکتہ اور جس نے ان کا انکار کیا، اس میں سفید نکتہ لگا دیا جائے گا۔ کالا نکتہ دل کا زنگ ہے، جس سے حق وباطل کی معرفت و پہچان ختم ہو جاتی ہے اور سفید نکتہ دل کی صفائی وطہارت کی جانب اشارہ ہے، جو حق وباطل میں پہچان کی صفت کا حامل ہوگا، جیسا کہ آگے حدیث میں ذکر ہے۔

دلوں کی دو قسمیں

۳- ''حتیٰ تصیر علیٰ قلبین الخ.'' (یہاں تک کہ اس زمانے میں لوگ دو قسم کے ہو جائیں گے) ایک قسم وہ، جو سنگِ مرمر کے محل کی طرح سفید وصاف شفاف ہوگی، ان لوگوں کو کسی قسم کا فتنہ نقصان نہیں پہنچائے گا، جب تک کہ زمین وآسمان باقی ہیں اور دوسرے قسم کا دل وہ ہے، جو راکھ کے زنگ جیسا سیاہ ہوگا، جو اوندھے برتن کی طرح (حقائق ومعارف سے) خالی ہوگا، یہ لوگ نہ معروف کو پہچانیں گے اور نہ منکر کو منکر سمجھیں گے، یہ لوگ بس اس چیز سے مطلب رکھیں گے، جو خواہشات ونفسانی چیزوں میں سے ان کے دل میں رچ بس گئی ہے۔

عبرت

معلوم ہوا کہ فتنوں کے دَور میں فتنوں میں پڑنے اور ان کو اختیار کرنے کے بہ جائے ان سے دور رہنے اور ان کا دل سے انکار کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ ان فتنوں کو قبول کرنے غلط نظریات وباطل عقائد کو قبول کرنے اور نفسانی خواہشات سے دل لگانے کی وجہ سے دل سیاہ ہو جاتا اور الٹا ہو جاتا ہے، پھر حق وباطل کی تمیز نہیں رہتی اور معروف ومنکر کی پہچان باقی نہیں رہتی اور ان فتنوں کا انکار کرکے، نفسانی خواہشات وہوا وہوس کی باتوں سے بچے رہنے پر اللہ کی طرف سے دل کو مصفّٰی ومجلّٰی بنا دیا جاتا ہے اور ان کے لیے کوئی فتنہ بھی نقصان دہ نہیں ہوتا۔

«عَنْ حُذَيْفَةَ ﷺ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَدِيْثَيْنِ: رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الآخَرَ، حَدَّثَنَا: أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ؛ وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا، قَالَ: يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْوَكْتِ، ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ، فَيَبْقَى أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ، فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِراً وَلَيْسَ فِيْهِ شَيْئٌ وَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ وَلَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ فَيُقَالُ: إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلاً أَمِيْنًا وَيُقَالُ لِلرَّجُلِ: مَا أَعْقَلَهُ وَمَا أَظْرَفَهُ وَمَا أَجْلَدَهُ؛ وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيْمَانٍ.»

ترجمہ: حضرت حذیفہ ﷺ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں بتلائی: ایک تو میں نے آنکھوں سے دیکھ لی اور دوسری کا منتظر ہوں، پہلی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلائی کہ امانت (نورِ ایمان) لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اترا، بعد ازاں انھوں نے قرآن سیکھا، پھر سنت کا علم حاصل کیا (اس کا مشاہدہ، تو میں نے خود کرلیا ہے) دوسری بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت کے اٹھ جانے کے بارے میں فرمائی؛ فرمایا کہ آدمی ایک دفعہ سوئے گا، تو امانت کا کچھ حصہ اس کے دل سے نکال لیا جائے گا؛ چناں چہ تل کے نشان کی طرح اس کا نشان رہ جائے گا، پھر دوبارہ سوئے گا، تو امانت کا بقیہ حصہ بھی قبض کرلیا جائے گا، اس کا نشان آبلے کی طرح رہ جائے گا، جیسے تم اپنے پاؤں پر آگ کا انگارہ کھینچو، تو آبلہ بھرا ہوا نظر آئے گا، مگر اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا اور دن بھر لوگ خرید و فروخت کریں گے؛ لیکن ایک بھی آدمی مشکل سے ایسا نہیں مل سکے گا، جو امانت ادا کرتا ہو؛ چناں چہ (دیانت کا اس قدر قحط ہوگا) کہ یہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلے میں ایک آدمی امانت دار ہے اور (بداخلاقی کا یہ حال ہوگا) کہ ایک

آدمی کے متعلق کہا جائے گا کہ واہ واہ! کتنا عقل مند آدمی ہے، کتنا زندہ دل آدمی ہے، کتنا بہادر آدمی ہے۔ (وہ ایسا، ویسا ہے) حالاں کہ اس بندۂ خدا کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی، ایمان نہیں ہوگا۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو بخاریؒ: (۶۴۹۷)، مسلم (مختصراً): (۳۶۷)، ترمذیؒ: (۲۱۷۹)، ابن ماجہؒ: (۴۰۵۳) احمدؒ: (۲۳۲۵۵) نے روایت کیا ہے۔ حدیث کا ''صحیح'' ہونا تخریجِ بخاری و مسلم سے ظاہر ہے۔

امانت کا دَور اور اس کی برکات

اس میں حضرت حذیفہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں بیان فرمائی تھی: ایک بات کو میں نے اپنی زندگی میں دیکھ لیا اور دوسری کا منتظر ہوں کہ وہ کب پوری ہوگی؟ ان میں سے ایک بات تو یہ تھی کہ '' امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اتاری گئی ، پھر لوگوں نے قرآن کو جانا، پھر حدیث وسنت کو جانا''۔

اس جگہ'' امانت'' سے مراد کیا ہے؟ اس کے بارے میں بعض علما نے فرمایا کہ مراد'' ایمان اور شرعی ذمہ داریاں'' ہیں، جو انسان پر ڈالی گئی ہیں اور بعض نے صرف ''ایمان'' مراد لیا ہے اور بعض نے'' فرائض'' اور بعض نے'' اطاعت'' مراد لی ہے۔(۱)

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں ایمان یا ایمانی ذمہ داری ڈالی گئی، جس کے ذریعے وہ قرآن اور سنت کو جاننے پر آمادہ ہوئے اور اسلامی تعلیمات و دینی احکامات کو حاصل کرنے کی فکر کرنے لگے اور اس میں جو یہ فرمایا کہ ''لوگوں نے قرآن کو جانا اور سیکھا پھر سنت کو سیکھا'' اس میں اشارہ ہے، قرآن وسنت کے درجات میں فرق کی طرف کہ قرآن اول درجے پر اور حدیث دوسرے درجے پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن نیک بختوں کو قرآن و حدیث کا علم حاصل ہوا اور وہ اس کے حصول کی فکر کرتے ہیں، وہ ان خوش بخت لوگوں میں سے ہیں، جن کے دلوں میں نورِ ایمان اتارا گیا ہے۔ (اللّٰھم اجعلنا منھم واحشرنا معھم - آمین)

---

(۱) شرح المسلم للنووی: ۲/۲۲۲

دلوں سے امانت اٹھالی جائے گی

دوسری بات جو اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے بیان کی، وہ یہ تھی کہ ''امانت (جس کی تفسیر اوپر گذری) اٹھالی جائے گی، اس طرح کہ آدمی رات کو سوئے گا، تو اس کے دل سے امانت اٹھالی جائے گی اور امانت کا اثر اتنا رہ جائے گا، جیسے کوئی ہلکا نشان ہو''۔

اس میں سونے سے یا تو حقیقۃً ''سونا'' مراد ہے یا مجازاً ''شریعت سے غفلت اور دین سے لاپرواہی'' مراد ہے۔ حاصل یہ ہے کہ دین وشریعت سے غافل ہونے اور گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے نورِ ایمان کم ہو جائے گا، جو کہ امانت سے معبر ومعنون ہے اور جب وہ ہوش میں آکر اس حالت وصورت پر غور کرے گا، تو معلوم ہوگا کہ اس کے دل میں یہ امانت یعنی ایمان ایک معمولی سے نقطے اور نشان کی طرح باقی رہ گیا ہے، مگر ہے وہ ایمان ہی۔

آگے فرمایا کہ ''وہ پھر دوبارہ سوئے گا اور اس کے دل سے امانت یعنی ایمان نکال لیا جائے گا (یعنی باقی ایمان بھی نکال لیا جائے گا) اور اس کا اثر صرف اس قدر رہ جائے گا، جیسے ''مجل'' یعنی آبلے کا اثر ہوتا ہے کہ جیسے تم آگ کی چنگاری اپنے پیر پر ڈال دو اور اس سے آبلہ پڑ جائے، تو وہ بہ ظاہر پھولا ہوا اور اٹھا ہوا ہوگا، مگر اس کے اندر کچھ نہ ہوگا''۔

اس میں جو فرمایا کہ ''دوبارہ سوئے گا'' اس سے اشارہ دین وشریعت سے مزید غفلت کی طرف ہے کہ جب آدمی اور زیادہ دین سے غافل ہو جائے گا، تو رہا سہا ایمان بھی اس کے دل سے نکال لیا جائے گا اور صرف ''مجل'' یعنی آبلہ یا گٹھے کی طرح معمولی سا اثر رہ جائے گا۔ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مثال سے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''جیسے تمہارے پیر پر آگ کی چنگاری پڑ جانے سے آبلہ ہو جاتا ہے، جو بہ ظاہر پھولا ہوا ہوتا ہے، مگر اس کے اندر سوائے گندے پانی اور پیپ اور لہو کے کچھ نہیں ہوتا''، اسی طرح دل میں اب ایمان کچھ نہ ہوگا اور اس کی جگہ کچھ کفر ومعصیت کے جذبات کا فاسد مادہ بھرا ہوا گا۔

ایک اشکال کا جواب

اس تشریح سے یہ اعتراض خود بہ خود دفع ہو جاتا ہے، جو بعض حضرات نے اٹھایا ہے کہ ''وکت''

(نشان) ہلکا ہوتا ہے بہ نسبت "مجل" (آبلے) کے، تو حدیث میں پہلے یہ فرمایا کہ ایمان نکال لیا جائے گا اور صرف نشان سا باقی رہ جائے گا، پھر فرمایا کہ "دوسری دفعہ سونے پر بقیہ ایمان بھی نکال لیا جائے گا اور صرف آبلہ سا باقی رہ جائے گا" حالاں کہ ترتیب اس کے خلاف ہونی چاہیے تھی کہ پہلے آبلہ سا باقی رہے پھر نشان سا رہ جائے؟

ہماری تشریح سے یہ اعتراض ساقط ہو گیا؛ کیوں کہ نشان اگرچہ ہلکا ہوتا ہے، مگر یہاں مراد یہ ہے کہ پہلے تو ایمان کا نشان رہ جائے گا اور دوسری دفعہ وہ بھی ختم ہو کر اس کی جگہ کفر و معصیت بھرا فاسد مادے کا حامل آبلہ رہ جائے گا، جو پہلے سے زیادہ خطرناک ہے، اس طرح رہا سہا ایمان جا کر، مزید یہ ہوگا کہ فساد مواد دل میں پیدا ہو جائے گا۔ (واللّٰہ أعلم)

ایمان وامانت کی ناقدری کا دور

آگے فرمایا:

"پھر جب لوگ صبح کو اٹھیں گے، تو حسبِ معمول خرید و فروخت کریں گے، مگر ان میں ایک بھی ایسا نہ ہوگا، جو شرعی ذمہ داری کو ادا کرنے والا ہو، حتی کہ (لوگوں کی کثرت کے باوجود) یہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلے وخاندان میں ایک آدمی امانت دار (یعنی کامل الایمان اور شرعی ذمہ داریوں کو پورا کرنے والا) ہے اور ایک آدمی کے متعلق کہا جائے گا کہ کس قدر عقل مند و چالاک ہے! کس قدر ذہین و فطین ہے! حالاں کہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا"۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان عَنقا (ایک نایاب پرندے کا نام) ہو جائے گا حتی کہ کسی جگہ کوئی کامل ایمان والا ہوگا، تو لوگ اس کی طرف اشارہ کریں گے کہ وہ ایمان وامانت والا ہے۔

خرید و فروخت میں کوئی ایمان داری نہ برتے گا، دھوکہ وخیانت عام ہو جائے گی، مسلمان لوگ بھی ایمان سے خالی ہو جانے کی وجہ سے اس بے ایمانی میں سب کی طرح ہو جائیں گے اور یہاں تک صورتِ حال اس قدر ابتر ہو جائے گی کہ لوگ کسی کی تعریف، دنیوی اعتبار سے کریں گے کہ کس قدر عقلمند ہے! کس قدر ذہین ہے! حالاں کہ وہ بے ایمان ہوگا، مگر چوں کہ دنیوی لحاظ سے اچھا ہوگا کہ مال و دولت، عہدہ منصب اس کے پاس ہوگا؛ اس لیے لوگ اس کی عقل کی تعریف

کریں گے، اس کے بالمقابل علم وعمل، تقویٰ وطہارت، ایمان ویقین کے حامل لوگوں کی کوئی حیثیت نہ ہوگی اور نہ ان کی کوئی تعریف کی جائے گی۔

عبرت

غور کریں کہ کیا آج بہت کچھ اس حدیث کے مطابق لوگوں میں نظر نہیں آرہا ہے؟ دین وشریعت سے غفلت، خدا اور رسول سے بغاوت، اسلامی تعلیمات ودینی احکامات کی توہین وتحقیر؛ یہ سب امور پائے جاتے ہیں، عام مسلمانوں میں یہ غفلت روز بہ روز بڑھتی جارہی ہے اور ان کے ایمان میں روز بہ روز کمزوری وضعف آتا جارہا ہے، اہلِ ایمان (یعنی کامل الایمان) عنقا ہوتے جارہے ہیں، عقل وشرافت کا معیار مال داری، منصب داری، عہدے داری ودنیوی ڈگریوں وسندوں کو قرار دیا جارہا ہے، اہلِ علم واہلِ ایمان کی قدر دلوں سے نکلتی جارہی ہے؛ بل کہ ان کی توہین وتذلیل، تحقیر وہتک کا سلسلہ جاری ہے، مدارس کے طلبہ کو نہایت حقیر وذلیل سمجھا جاتا ہے، دنیوی تعلیم حاصل کرنے والوں کو عزیز وشریف، عقیل وعظیم سمجھا جاتا ہے؛ اس طرح اس حدیث میں بیان کردہ حقائق بہت حد تک رونما ہو چکے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے تو فرمایا تھا کہ ’’اس حدیث کو میں نے ابھی پوری ہوتے نہیں دیکھا‘‘ مگر آج وہ بھی پوری ہورہی ہے اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی تصدیق کررہی ہے۔

الحدیث الشریف - ۷۵

«عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ، فَجَاءَ نَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ؛ فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا لْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ! قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ ذَالِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ! وَفِيْهِ دَخَنٌ؛ قُلْتُ: وَمَادَخَنُهُ؟ قَالَ: قَوْمٌ يَسْتَنُّوْنَ بِغَيْرِ سُنَّتِي وَيَهْدُوْنَ بِغَيْرِ هَدْيِيْ تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ، قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ! دُعَاةٌ عَلٰى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوْهُ فِيْهَا، قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! صِفْهُمْ لَنَا، قَالَ: هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَ يَتَكَلَّمُوْنَ بِأَلْسِنَتِنَا، قُلْتُ: فَمَا تَأْمُرُنِيْ إِنْ أَدْرَكَنِيْ ذَالِكَ؟ قَالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ، قُلْتُ: فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلاَ إِمَامٌ؟ قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْأَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ، حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ.»

(وَفي رواية لمسلم) قَالَ: يَكُوْنُ بَعْدِي أَئِمَّةٌ لَا يَهْتَدُوْنَ بِهَدْيِيْ وَلاَ يَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِي وَسَيَقُوْمُ فِيْهِمْ رِجَالٌ، قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الشَّيَاطِيْنِ فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ، قَالَ حُذَيْفَةُ، قُلْتُ: كَيْفَ أَصْنَعُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنْ أَدْرَكْتُ ذَالِكَ؟ قَالَ تَسْمَعُ وَتُطِيْعُ الْأَمِيْرَ وَإِنْ ضَرَبَ ظَهْرَكَ وَأَخَذَ مَالَكَ فَاسْمَعْ وَاَطِعْ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی باتیں پوچھا کرتے تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شر کے بارے میں تحقیق کیا کرتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے لاعلمی کی وجہ سے پہنچ جائے؛ فرماتے ہیں: میں نے (ایک دفعہ) عرض کیا یارسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر میں پھنسے ہوئے تھے، حق تعالیٰ شانہ نے (آپ کی بدولت) ہمارے پاس یہ خیر بھیج دی، (یعنی اسلام) تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہوگا؟ فرمایا:

ہاں! میں نے کہا اور اس شر کے بعد کوئی خیر ہوگا؟ فرمایا: ہاں! مگر اس میں کدورت ہوگی: میں نے کہا کدورت کیا ہوگی؟ فرمایا: کچھ لوگ ہوں گے، جو میری سنت کے بہ جائے دوسری چیزوں کی تلقین کریں گے، ان میں نیک وبد کی آمیزش ہوگی، میں نے کہا یارسول اللہ! ذرا ان کا حال تو بیان فرمائیے، فرمایا: وہ ہماری ہی قوم سے ہوں گے اور ہماری ہی زبان بولیں گے (یعنی اسلام کے مدعی ہوں گے اور اسلامی اصطلاحات کو مطلب براری کے لیے استعمال کریں گے) میں نے عرض کیا: اگر یہ بُرا وقت مجھ پر آجائے، تو آپ مجھے کیا ہدایت فرماتے ہیں؟ فرمایا: مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام سے چمٹے رہنا، میں نے کہا: اگر اس وقت نہ مسلمانوں کی جماعت ہو، نہ امام، تو پھر؟ فرمایا: ان تمام فرقوں سے الگ رہو، خواہ تمہیں کسی درخت کی جڑ میں جگہ بنانا پڑے، حتی کہ اسی حالت میں تمہاری موت آجائے۔

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ میرے بعد کچھ مقتدا اور حکام ہوں گے، جو نہ میری سیرت پر چلیں گے، نہ میری سنت کو اپنائیں گے، ان میں کچھ ایسے لوگ کھڑے ہوں گے، جن کے قلوب، انسانی جسم میں شیاطین کے قلوب ہوں گے۔ حضرت حذیفہ ﷛ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر یہ برا وقت مجھ پر آجائے، تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا: (جائز امور میں) امیر کی سمع وطاعت بجالانا، خواہ وہ تیری کمر پر کوڑے مارے اور تیرا مال لوٹ لے، تب بھی سمع وطاعت بجالانا۔

تخریج وشرح

اس کو بخاریؒ نے کتاب الفتن میں: (۷۰۸۴) مسلمؒ نے کتاب الأمارة میں: ۴۷۸۴ و ۴۷۸۵)، ابوداوُدؒ نے: (۴۲۴۶) ابن ماجہؒ نے مختصراً: (۳۹۷۹) احمدؒ نے مسند أحمد: (۲۳۲۸۲) میں روایت کیا ہے اور حدیث کا ''صحیح'' ہونا واضح ہے۔

خیر وشر کی تفسیر

یہ حدیث موجودہ دَور کے فتنوں اور مختلف قسم کی صورتِ حال کی پوری پوری عکاسی کرتی ہے اور ہمارے لیے راہِ عمل بھی تجویز کرتی ہے۔ اس کے راوی حضرت حذیفہ ﷛ ہیں، جو فرماتے

ہیں کہ ”دیگر صحابہ ﷺ تو حضور ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھتے تھے اور میں شر و فتنے کے بارے میں پوچھتا تھا کہ کہیں وفتنہ وشر مجھ پر قابو نہ پالے“۔

صحابہ ﷺ جو خیر کا اور حضرت حذیفہ ﷺ جو شر کا سوال کرتے تھے، یہ شر و خیر کیا تھے؟ بعض حضراتِ علما نے فرمایا کہ خیر سے مراد ”عبادت واطاعت ودینی احکام ومسائل“ ہیں؛ عام صحابہ ان چیزوں کا سوال کرتے تھے تاکہ عبادت واطاعت کر کے خدا کا قرب حاصل کریں اور مسائل واحکام پر عمل کر کے جنت کے مستحق بنیں اور حضرت حذیفہ ﷺ شر، یعنی گناہ ونافرمانی کے بارے میں پوچھا کرتے تھے، تاکہ ان سے بچیں اور اللہ کی ناراضی سے اور جہنم سے نجات پائیں۔

بعض نے فرمایا کہ خیر سے وسعتِ رزق اور خوش حالی مراد ہے کہ صحابہ ﷺ حضور ﷺ سے استدعا کرتے کہ ان کو رزق میں وسعت مل جائے اور کچھ خوش حالی نصیب ہو جائے تاکہ انہیں فراغت واطمینان حاصل ہو اور اس کے ذریعے وہ صحیح طور پر عبادت واطاعت کر کے دنیا کو حصولِ آخرت کا ذریعہ بنالیں اور حضرت حذیفہ ﷺ اس کے بالمقابل حضور ﷺ سے شر، یعنی دنیوی خوش حالی و وسعتِ رزق وغیرہ پر مرتب ہونے والے خطرناک اثرات کے بارے میں پوچھتے تھے کہ کہیں وہ فتنہ وشر ان کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے اور وہ ان فتنوں کا شکار نہ ہو جائیں۔

فتنے سے ڈرنا چاہیے

حضرت حذیفہ ﷺ فتنوں کے بارے میں کثرت سے سوال اس لیے کرتے تھے کہ وہ ان فتنوں سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ ان کا شکار نہ ہو جائیں، اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو فتنوں سے حفاظت کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ۔

> اکثر اطبا وعقلا کا یہ طریقہ واصول ہے کہ وہ علاج ودوا کے ذریعے بیماریوں کو دفع کرنے کے بہ جائے پرہیز اور حفاظت کو اہم قرار دیتے ہیں؛ اسی طرح فتنے سے بچنا اہم ومقدم ہے۔ (۱)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۹/۱۰

خیر کے بعد شر کا تسلط

حضرت حذیفہ ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن اپنی عادت کے مطابق اللہ کے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! ہم اسلام سے پہلے جاہلیت اور شر میں تھے، پھر اللہ نے ہمیں (آپ کے ذریعے) یہ ہدایت دی اور اس بھلائی سے روشناس کرایا، (یعنی اسلام عطا فرمایا) تو کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہے''؟

یعنی اسلام کے غلبے وتسلط کے اس دور کے بعد، جس میں چہار طرف دین وشریعت کا غلغلہ مچا ہوا ہے اور حق وصداقت کا پرچم لہرا رہا ہے، آوازۂ حق گونج رہا ہے اور لوگ جوق در جوق اس خیر کے راستے کی طرف مائل ہو رہے ہیں، نیکیوں اور طاعتوں کا غلبہ ہے، کیا اس کے بعد پھر شر کا غلبہ وتسلط ہوگا؟

اس سوال پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ''ہاں! اس کے بعد ایسا دور آئے گا، جس میں شر کا غلبہ وتسلط ہوگا''۔ اس سے معلوم ہوا کہ دورِ اول کے بعد ایک دور شرور وفتن کے غلبے وتسلط کا ہوگا، جس میں حق کا آوازہ دب کر رہ جائے گا، نیکی کی فضا میں سستی وتکاسل کا عنصر شامل ہو جائے گا، لوگوں کا رجحان دین کے بہ جائے دنیا کی طرف ہوگا، کفر وشر پھیل جائے گا اور اس کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ بعض علما نے اس فتنے سے حضرت عثمان غنی ﷛ کی شہادت کے بعد پیش آنے والے حالات مراد لیے ہیں۔ (۱)

شر کے بعد خیر کا زمانہ

حضرت حذیفہ ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس شر کے بعد کیا پھر خیر کا زمانہ آئے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہاں! آئے گا، مگر اس میں '' دَخَنٌ '' ہوگا''۔

'' دَخَنٌ '' کے معنے ''دھواں اور کدورت'' کے ہیں اور اس وقت '' دخنت النار '' کہا جاتا ہے جب آگ پر کچی لکڑیاں رکھ کر جلائیں اور اس سے خوب دھواں نکلے۔ مطلب یہ ہے کہ شر کے بعد جو خیر کا دور آئے گا، اس میں خیر خالص نہ ہوگا؛ بل کہ کدورت ملی ہوئی ہوگی۔ حضرت حذیفہ ﷛ کہتے ہیں کہ نے پوچھا کہ یہ دخن اور کدورت کیا ہوگی، یعنی اس کدورت کے مل جانے سے کیا اثرات رونما ہوں گے؟

---

(۱) فتح الباری: ۱۳/۳۵، ارشاد الساری: ۱۵/۳۲

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ (اس کا اثر یہ ہوگا کہ) ایک جماعت ایسی پیدا ہوجائے گی، جو میرے طریقے اور روش کے خلاف، دوسرے طریقے وروش کو اختیار کرلے گی اور لوگوں کو میرے طریقے کے خلاف، دوسرے راستے پر چلائے گی اور تو ان کے اندر اچھی باتیں بھی دیکھے گا اور بری باتیں بھی۔

اس مقام کی تشریح میں علامہ نواب قطب الدین خان دہلویؒ نے "مظاہرِ حق" میں لکھا ہے کہ

"مطلب یہ ہے کہ جس طرح فضا میں پھیلا ہوا دھواں، صاف وشفاف چیزوں کو مکدر اور دھندلا بنادیتا ہے، اسی طرح اس وقت جو بھلائی سامنے آئے گی، وہ بدی وبرائی کے گرد وغبار سے آلودہ ہوگی، بایں طور کہ لوگوں کے دلوں میں صفائی اور خلوص نہیں ہوگا، جو اسلام کے ابتدائی زمانے میں تھا اور عقیدے صحیح اور اعمال صالح نہیں ہوں گے، امرا وسلاطین کا نظمِ مملکت اس عدل وانصاف پر مبنی نہ ہوگا، جو پہلے زمانے میں پایا جاتا تھا، مسلمانوں کے قائد ورہنما مخلص (بے غرض اور دین وملت کے سچے خادم) نہیں ہوں گے، برائیوں کا ظہور ہوگا، بدعتیں پیدا ہوں گی، بدکار لوگ نیکوکاروں کے ساتھ اور اہلِ بدعت، اہلِ سنت کے ساتھ خلط ملط رہیں گے۔

"تم ان میں دین دار بھی دیکھو گے اور بے دین بھی" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ بھلائی وبرائی دونوں کے ساتھ خلط ملط رکھنے کی وجہ سے متضاد اور مختلف اعمال وکردار کے حامل ہوں گے، ان کی زندگی میں منکر بھی ہوگا اور معروف کا بھی عمل دخل ہوگا۔(۱)

جہنم کے داعیوں کا دور

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے پھر عرض کیا کہ کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا دور ہوگا؟ فرمایا کہ "ہاں! ایسے لوگ ہوں گے، جو جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوکر، اپنی (گمراہیوں کی طرف) بلانے والے ہوں گے، جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا، وہ اس کو جہنم میں دھکیل دیں گے"۔

---

(۱) مظاہرِ حق جدید: ۶/۲۳۶

یعنی مفاد پرست اور گمراہ لوگوں کی ایک جماعت ہوگی، جو لوگوں کو طرح طرح کے فریب اور مکاریوں کے ذریعے اور مختلف قسم کے لالچ اور بہلاووں کے راستے سے گمراہی کی دعوت دیں گے اور ہدایت و نیکی کے راستے سے روکیں گے اور خیر سے شر کی طرف، سنت سے بدعت کی طرف، زہد سے دنیا میں رغبت کی طرف راہ بتائیں گے اور چوں کہ یہ گمراہی کا راستہ جہنم کا راستہ ہے، اس لیے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہیں؛ لٰہذا جو ان کی مانے گا، وہ اس کو اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں گے۔

آج مختلف بدعات وخرافات کو مزین کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرنے والے پیش کر رہے ہیں، کوئی اسلاف پر تنقید کی بدعت میں مبتلا ہے اور اس کا نام ''توحیدِ خالص اور سنتِ خالصہ کی دعوت'' رکھا ہوا ہے، جب کہ اس کے پیچھے صرف اور صرف اسلاف سے امت کو کٹانے کی سازش کارفرما ہے، کوئی اولیا اور اسلاف کی محبت کا دم بھر کر، ان کے عشق ومحبت کا نعرہ لگا کر، شرک وکفر کی دعوت دے رہا ہے اور مزاراتِ اولیا کو شرک کا اڈہ بنایا ہوا ہے اور اس کا نام مسلکِ اہلِ سنت رکھا ہوا ہے اور اپنے کو سنی مسلمان اور سب کو غیر سنی بتا کر گمراہی پھیلا رہا ہے، ایک طرف تجدد پسند طبقہ اپنی بے بصیرتی اور لاعلمی وجہالت کے باوجود، مجتہد بنا ہوا ہے اور اپنی عقلِ نارسا اور کج فکری سے، دین میں رائے دینے کی جرأت کر رہا ہے اور دین کو اہلِ دین کے بہ جائے اپنے جیسے دنیادار اور جاہل لوگوں سے سیکھنے کی دعوت دے رہا ہے۔

اور علمائے دین کا مذاق اڑانا، اسلاف کے کارناموں کی تحقیر وتنقید کرنا، ان کی تشریحات وتفہیمات سے امت کا اعتماد اٹھانا، اس طبقے کا محبوب مشغلہ ہے اور اس طرح من مانی چیزوں کو دین اور اصلی دین کو بے دینی کہہ کر لوگوں کو گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے۔ ایک طرف قادیانیت سر اٹھا رہی ہے اور اپنے من گھڑت مذہب کو دینِ اسلام کہہ کر لوگوں کو گمراہ کر رہی ہے اور ختمِ نبوت کی غلط تشریح وتفہیم کر کے لوگوں کو بے دین بنا رہی ہے اور یہی نہیں؛ بل کہ اس طرح نہ معلوم کتنے فتنے ہیں، جو جہنم کے دروازوں پر اپنے داعیوں کو کھڑا کر کے، لوگوں کے لیے دین کی اصلی راہ کو بند کر رہے ہیں اور گمراہیوں اور بے دینیوں کا راستہ ہموار کر رہے ہیں۔

داعیانِ جہنم کون ہوں گے؟

حضرت حذیفہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ”میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان جہنم کے داعیوں کے بارے میں یہ بتائیے کہ وہ کون اور کیسے ہوں گے“؟ (آیا وہ مسلمانوں میں سے ہوں گے یا کفار میں سے ہوں گے) اس پر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ وہ لوگ ہم میں سے ہوں گے اور ہماری زبان میں بات چیت کریں گے۔

غالباً حضرت حذیفہ ﷺ کے سوال کا منشا یہ ہے کہ جہنم کے داعیوں کے بارے میں یہ معلوم کریں کہ وہ کون لوگ ہوں گے، یعنی مسلمانوں میں سے شمار کیے جانے والے ہوں گے یا غیر مسلم؟ اس لیے کہ جہنم کا راستہ بتانے والے بہ ظاہر تو مسلمان نہیں ہو سکتے؟

اس کا اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جواب دیا کہ وہ لوگ ہمارے میں سے ہوں گے اور ہماری زبان میں بات چیت کریں گے۔

”ہمارے میں سے ہوں گے“ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ ہمارے خاندان سے ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ ہم مسلمانوں میں سے ہوں گے، یعنی لوگ ان کو مسلمان سمجھیں گے یا وہ اسی ملت میں ظاہر ہوں گے، جیسا کہ عموماً ہوا ہے کہ اہلِ اسلام میں سے ہی گمراہ ہو کر بعض لوک داعیٔ جہنمی ہو جاتے ہیں۔

”ہماری زبان میں بات چیت کریں گے“ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ ”وہ عربی زبان میں بات چیت کریں گے“، اس میں اشارہ ہے کہ یہ اہلِ عرب سے ہوں گے؛ چناں چہ بعض گمراہ لوگ اہلِ عرب سے ہوئے اور انھوں نے لوگوں کو جہنم کی دعوت دی اور یہ بھی ممکن ہے کہ ”غیرِ عرب سے ہو کر بھی بات چیت عربی میں کریں اور اس فضیلت مآب زبان کو گمراہی پھیلانے کا ذریعہ بنالیں!!“۔

دوسرا معنی اس جملے کا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ ہماری زبان، یعنی اسلامی و دینی انداز کی بات چیت کریں گے؛ مثلاً: قرآن وحدیث کے حوالے دیں گے اور اسلامی اصطلاحات میں کلام کریں گے، تاکہ لوگ قرآن وحدیث کے حوالے سن کر اور ان اسلامی اصطلاحات کو دیکھ کر، ان کی دعوت پر لبیک کہیں اور یہی معنی اس جگہ مناسب ہے اور یہ بات مشاہد بھی ہے؛ چناں چہ جس قدر

ضال (گمراہ) ومضل (گمراہ کرنے والے) لوگ پیدا ہوئے، وہ سب اپنی گمراہ کن باتوں پر قرآن وحدیث کو اپنے سیاق وسباق سے ہٹا کر من مانی تشریحات کر کے پیش کرتے ہیں یا اسلامی اصطلاحات کے ذریعے ان کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

اور میرے خیال میں یہ جملے اس طرف اشارہ کرنے کے لیے ہیں کہ یہ جہنم کے داعی، جس فتنے کو لے کر آئیں گے، وہ دین کے نام پر اٹھنے والا فتنہ ہوگا، یہ بدعات کا فتنہ ہوگا، جس کو ثابت کرنے کے لیے یہ جہنم کے داعی ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے اور اس کے لیے قرآن وحدیث کے حوالے ودلائل بھی دیں گے اور ان میں من مانی تشریحات اور معنوی تحریفات سے کام لیں گے۔

آج اس قسم کے بے شمار فتنے لوگوں کے درمیان گشت کر رہے ہیں؛ جیسے: شیعیت، خارجیت، اعتزال، نیچریت قادیانیت، انکارِ حدیث، تجدد پسندی وغیرہ؛ جو سب کے سب دین کے نام پر اٹھیں ہیں، ان میں سے بعض فتنے اب جماعت کی شکل میں موجود نہیں ہیں، تاہم اس میں شک نہیں کہ ان کے اثرات وبقایاجات اب بھی مختلف گمراہ جماعتوں میں پائے جاتے ہیں۔

فتنوں کے دور میں راہِ عمل

حضرت حذیفہ ﷜ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں، اگر مجھے وہ زمانہ مل جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑ لو"۔

حضرت حذیفہ ﷜ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت ہی نہ ہو اور نہ ان کا کوئی امام، تو کیا کروں؟ فرمایا کہ "پھر ان تمام فرقوں سے الگ رہو، اگرچہ اس کے لیے تم کو کسی درخت کی جڑ میں پناہ لینی پڑے، یہاں تک کہ تم کو موت آجائے اور تم اسی یکسوئی کی حالت پر رہو"۔

اس میں حضرت حذیفہ ﷜ نے بڑا اہم سوال فرمایا، اور وہ اگرچہ ان فتنوں کے دور سے نہیں گذرے، مگر انھوں نے فتنوں کے بارے میں سوال کر کے امت پر اور خصوصاً فتنوں کے ان

ادوار سے گذرنے والوں پر بڑا احسان فرمایا،سوال کیا ہے؟ ہر دل کی آواز ہے کہ" ان فتنوں میں ہم کو کیا کرنا چاہیے"؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ" مسلمانوں کی جماعت وامام کو لازم پکڑلو" یعنی مختلف طور طریقوں اور گمراہ فرقوں کو چھوڑ کر تم قرآن وحدیث اور اسلاف کے طریقے پر چلنے والے مسلمانوں کے ساتھ مل جاؤ، جن کو" اہل السنۃ والجماعۃ" کہا جاتا ہے اور انہی کے طریقے پر چلو اور ان کے قائد وامام وامیر کی اطاعت کرتے رہو۔

تنبیہ: یہاں ہم نے جو" اہل السنۃ والجماعۃ" کا ذکر کیا ہے، اس سے وہ گمراہ فرقہ مراد نہیں، جو ہزاروں خرافات وبدعات؛ بل کہ اولیا اللہ کے مزارات پر شرکیات کر کے بھی" برعکس نام نہند زنگی کافور" کے بہ مصداق، عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے اہلِ سنت کا لیبل (Labale) لگائے ہوئے ہے؛ بل کہ ہماری مراد اس سے اصلی اہلِ سنت ہیں، جن کی تعریف حدیثِ رسول اللہ ﷺ میں اس طرح فرمائی گئی ہے کہ " ما أنا علیہ و أصحابي " (یعنی اہلِ سنت وہ ہیں، جو اس طریقے پر قائم ہوں، جس پر میں اور میرے صحابہ ﷺ قائم ہیں)(۱)

اس لیے اہلِ سنت کی پہچان کے لیے عمل وعقیدے کو دیکھو کہ سنت اور صحابہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور صرف اہلِ سنت کا نام کسی نے رکھ لیا ہو، تو وہ اہلِ سنت ہونے کے لیے کافی نہیں، اس لیے اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

اس حدیث نے بتا دیا کہ مختلف جماعتیں اور گروہ، باطل نظریات وگمراہ عقائد کی دعوت میں لگے ہوں، تو راہِ عمل یہ ہے کہ حقیقی" اہل السنۃ والجماعۃ" میں داخل ہو کر، ان کے مطابق چلنا چاہیے اور ان کے امام وامیر کی اطاعت کرنا چاہیے اور موجودہ دور میں اہلِ سنت،" مذاہبِ اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کے ماننے والوں میں منحصر ہیں۔

آج بھی ہزاروں بدعات وخرافات اور گمراہ کن نظریات وخیالات کی دعوت کے دور میں اہلِ سنت کا وجود ہے اور صحیح دین پر چلنے کی راہ موجود ہے، لہٰذا اس جماعت میں شامل ہو کر اپنا دین بچانا چاہیے اور آج کے دور میں یہ صرف ان چار مذاہب کے ماننے والوں میں منحصر ہے، جیسا کہ

---

(۱) الترمذی : ۲۶۴۱

تتبع (غور وفکر) سے ظاہر ہے اور جوان سے ہٹ گیا، وہ اہلِ زیغ وضلال میں سے ہوگا، یا کم از کم اہلِ زیغ وضلال کا آلۂ کار ہوگا۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

اگر مسلمانوں کی جماعت وامیر نہ ہوتو؟

حضرت حذیفہ ﷛ نے اسی سلسلے میں دوسرا سوال یہ بھی کرلیا کہ اگر مسلمانوں کی کوئی جماعتِ حقہ ہی نہ ہواور نہ ان کا کوئی امیر ہو، تو پھر کیا حکم ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''پھر کسی جگہ یکسوئی حاصل کرواور سب گمراہ جماعتوں سے الگ رہواور اس کے لیے کسی درخت کی جڑ میں جا کر پناہ لینا پڑے، تو وہ بھی کرو، یہاں تک کہ موت آجائے''۔

اور ''مسلم شریف'' کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''میرے بعد ایسے قائد پیدا ہوں گے، جو میری روش کے خلاف چلیں گے اور چلائیں گے اور ایسے آدمی ہوں گے، جو جسم کے لحاظ سے انسان ہوں گے، مگر ان کے دل شیطان جیسے ہوں گے''۔

یعنی مکر وحیلہ سازی، دھوکہ وفریب دہی اور چال بازی وچالاکی وغیرہ ان میں شیاطین جیسی ہوگی، حضرت حذیفہ ﷛ نے اس پر سوال کیا کہ میں اگر اس وقت کو پاؤں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''امیر کی اطاعت کرو اور اس کی مانو، اگر چہ تمہارے پیٹ پر مارا جائے اور تمہارا مال لے لیا جائے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ملک میں مسلمانوں کا نظامِ سلطنت قائم ہے اور مسلمانوں کا کوئی امیر ہے، تو وہاں اس کی سمع وطاعت ضروری ہے، اس کی اطاعت سے نکلنا جائز نہیں، اس وقت دین کی حفاظت اسی میں ہے، اگر چہ وہ ظالم ہواور مار پیٹ کرتا ہو، مال ہڑپ کرلیتا ہو، تاہم بغاوت نہ کرنا چاہیے، ورنہ غیر قومیں مسلمانوں کو اچک لیں گی؛ ہاں! غیر شرعی امور میں امام کی طاعت نہ کرے، جیسا کہ معلوم ہے اور اس پر کلام گذر چکا ہے۔

❁❁❁

الحدیث الشریف - ۷۶

« عَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيدٍ ﷺ قَالَ: ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَالَ: ذَاكَ عِنْدَ أَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ، قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَنُقْرِءُهُ أَبْنَاءَنَا وَيُقْرِءُهُ أَبْنَاءُنَا أَبْنَاءَهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ؟ فَقَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ زِيَادُ! إِنْ كُنْتُ لَأَرَاكَ مِنْ أَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِينَةِ، أَوَ لَيْسَ هٰذِهِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ وَ الإِنْجِيلَ ؟ لَايَعْمَلُوْنَ بِشَيْءٍ مِمَّا فِيهِمَا. »

ترجمہ: حضرت زیاد بن لبید ﷺ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ہولناک چیز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ اس وقت ہوگا جب علم جاتا رہا ہے گا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اور علم کیسے جاتا رہے گا، جب کہ ہم خود قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں، ہماری اولاد، اپنی اولاد کو پڑھائے گی اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا؟ فرمایا: زیاد! تیری ماں تجھے گم پائے (یعنی تو مر جائے) میں تو تجھے مدینے کے فقیہ تر لوگوں میں سے سمجھتا تھا (مگر تعجب ہے کہ تم تو اتنی سی بات کو بھی نہیں سمجھ پائے، آخر تمہیں علم کے اٹھ جانے پر تعجب کیوں ہونے لگا؟) کیا یہ یہود و نصاریٰ تورات و انجیل نہیں پڑھتے؟ لیکن ان کی کسی بات پر بھی تو عمل نہیں کرتے۔
(اسی بدعملی کے نتیجے میں یہ امت بھی وحی کی برکات کھو بیٹھے گی، پس بے معنی قیل و قال رہ جائے گا)

تخریج و شرح

اس حدیث کو حضرت زیاد ﷺ سے ابن ماجہؒ نے کتاب الفتن میں بہ رقم: (۴۰۴۸)، واحمدؒ نے بہ رقم: (۱۷۴۷۳)، ابن ابی شیبہ نے: (۳۰۸۲۵) نے روایت کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے کتاب العلم میں بہ رقم: (۲۶۵۳) اس کے قریب قریب روایت کیا اور دارمیؒ نے مقدمۃ السنن میں بہ رقم: (۲۹۶) یہی حدیث حضرت ابوامامہ ﷺ کی روایت سے ذکر کی ہے، امام

ترمذیؒ نے اس حدیث کو ''حسن'' قرار دیا ہے، اس کے ایک راوی ''معاویہ بن صالح'' مختلف فیہ ہیں، ان کے بارے میں حدیث نمبر: ۵۸ کے تحت بحث گذر چکی ہے اور ابن ماجہ کی سند کے بارے میں مصباح الزجاجة : (۱۹۴/۴) میں ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، مگر یہ روایت منقطع ہے؛ کیوں کہ ''سالم ابن ابی الجعد'' کو ''زیاد'' سے سماع حاصل نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ابن ابی شیبہ اور احمد کی سند میں بھی یہی ''ابن ابی الجعد'' ہیں اور ان کی روایت بھی منقطع ہے، مگر یہ حدیث متعدد سندوں سے آنے اور پھر دارمی کی حضرت ابوامامہ ﷺ والی حدیث کے شاہد ہونے کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہے۔

جہالت ایک خطرہ ہے

اس میں حضرت زیاد بن لبید ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کسی ہولناک وخطرناک بات کا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ ہولناک بات اس وقت ہوگی جب کہ علم چلا جائے گا۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ علمِ دین وعلما کا اٹھ جانا، ہولناکی وخطرناکی کے در آنے کا راستہ کھولتا ہے؛ لہٰذا علمِ دین کے پھیلانے اور لوگوں میں عام کرنے کی سبیلیں بنانا، امت پر اس لیے بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ اس سے امت خطرات سے محفوظ رہتی ہے، مگر علم سے مراد، وہ علم ہے، جس کے ساتھ عمل بھی ہو، ورنہ محض علم کافی نہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

علم بغیر عمل کے کافی نہیں

حضرت زیاد ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! علم کیسے چلا جائے گا؟ جب کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور ہم اپنے بچوں کو بھی پڑھاتے ہیں اور ہمارے بچے بھی اپنے بچوں کو پڑھائیں گے اور اس طرح یہ سلسلہ تعلیمِ قرآن کا قیامت تک جاری وساری رہے گا؟ مطلب یہ کہ جب امت قرآن کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رکھے ہوئے ہے، تو علم کے چلے جانے اور ختم ہو جانے کی صورت کیا ہے؟

اس پر اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ''اے زیاد! تیری ماں تجھ پر روئے، میں تو تجھے مدینے کا بڑا سمجھ دار آدمی خیال کرتا تھا، کیا یہ یہود ونصاریٰ توریت وانجیل نہیں پڑھتے؟ مگر

ان میں سے کسی بات پر بھی عمل نہیں کرتے؟

مطلب یہ کہ جس طرح یہود ونصاریٰ توریت وانجیل تو پڑھتے ہیں، مگر اس پر عمل نہیں کرتے، اسی طرح قرآن کے الفاظ وحروف کو پڑھنے والے تو رہیں گے اور یہ سلسلۂ تعلیم بھی جاری رہے گا، مگر عمل کرنے والے نہ رہیں گے، خوفِ خدا ومحبت الٰہی، اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ وطہارت جیسے اوصاف واعمال مفقود ہوجائیں گے اور صرف ظاہری ونمائشی انداز کی تعلیم رہ جائے گی اور ظاہر ہے کہ شریعت میں علم وہی ہے، جو عمل کے ساتھ پایا جائے اور جو علم عمل سے خالی ہو، وہ جہالت ہے، یہود کے بارے میں قرآن پاک نے فرمایا:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ﴾

ترجمہ: یعنی جن لوگوں پر توریت کا بوجھ رکھا گیا تھا، مگر انھوں نے (عمل کرکے) اس کو اٹھایا نہیں، ان کی مثال گدھے کی سی ہے، جو کتابیں اٹھا کر چلتا ہے۔ (سورۂ جمعہ:۵)

اسی طرح جو آدمی کتابوں کو پڑھ لے اور بہت کچھ یاد کرلے، مگر اس پر عمل نہ کرے، تو اس کی مثال گدھے کی سی ہے، جس پر کتابوں کا بوجھ رکھا گیا ہو، کیا کتابوں کے بوجھ کو اٹھا لینے سے وہ گدھا، عالم کہلائے گا؟ نہیں! ہرگز نہیں؛ بل کہ وہ اس شعر کا مصداق ہوگا:

نہ محقق بود نہ دانش مند ☆ چار پائے بر و کتابے چند

اسی طرح بے عمل وبدکردار وبداخلاق، کج بحث، مناظرہ باز، لفاظی کرنے والا، چکنی چپڑی باتیں کرنے والا، فی الواقع عالم نہیں ہے، عالم تو وہ ہے، جس کو قرآن نے فرمایا:

﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ (فاطر:۲۸)

ترجمہ: اللہ کے بندوں میں سے صرف علما ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

نیز حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم علمِ غیر نافع سے پناہ مانگتے تھے اور غیر نافع وہی علم ہے، جس میں عمل کا جذبہ کارفرمانہ ہو۔

علما وطلبائے دین کے لیے لمحۂ فکریہ

یہ حدیث سبھی اہلِ اسلام کو عموماً اور اہلِ مدارس وعلما وحفاظ وقرا کو خصوصاً، دعوتِ فکر دے رہی ہے کہ صرف قرآن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے کو کافی نہ سمجھ لیا جائے؛ بل کہ ان کی اصل روح

اوران کے اصل منشا پر بھی توجہ دینے کا اہتمام کیا جائے ،صرف الفاظ وحروف اور نقوش وخطوط کی اصلاح اور زبان وبیان، تقریر وخطابت میں ترقی ومہارت پر اکتفا نہ کیا جائے؛ بل کہ ان علوم کی روشنی میں ایمانِ کامل وعملِ خالص کو وجود میں لانے کی کوشش کی جائے، اخلاق میں بلندی، تہذیب میں نکھار اور معاملات میں سدھار کی طرف پیش رفت کی جائے، پڑھنے پڑھانے والوں میں اخلاص وللہیت ،خوف وخشیتِ الٰہیہ ،محبت وتعلق مع اللہ، اتباعِ سنت اور تقویٰ وطہارت کا اہتمام ہونا چاہیے اور ان چیزوں سے وابستگی پیدا کرنا چاہیے، ورنہ صرف یہود ونصاریٰ کی طرح الفاظ وحروف کے پڑھ لینے اور نقوش وخطوط کو درست کر لینے اور زبان وبیان کی اصلاح کر لینے سے علم کی حقیقت نہیں مل جاتی۔

مدارس میں آج بہ نسبت دورِ ماضی کے اس میں بہت حد تک کمی وکجی پیدا ہوگئی ہے اور اہلِ مدارس بھی غیروں کی طرح اور اسکولوں کے نظام کی طرح صرف کچھ ظاہری ونمائشی صلاحیت کے پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں؛ حالاں کہ صلاحیت کے ساتھ اہلِ مدارس کو بالخصوص ''صالحیت'' کے پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیے تھی، اگر دنیوی وعصری تعلیم گاہیں اپنے طلبہ میں ''صلاحیت'' کے پیدا کرنے کی ذمہ دار ہیں، تو اہلِ مدارس اپنے طلبا میں ''صلاحیت اور صالحیت'' دونوں کے پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

آج دنیوی تعلیم گاہوں سے نکلنے والا فساد اس وجہ سے نکل رہا ہے کہ وہاں صرف ''صلاحیت'' پیدا کر دی جاتی ہے، جس کو وہ لوگ دنیا میں فساد مچانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، ہاں! اگر صلاحیت کے کھیت کو ''صالحیت'' کا پانی دیا جائے، تو پھر اس سے صلاح وفلاح، نیکی وتقویٰ وغیرہ بہترین وعمدہ نتائج سامنے آئیں گے، جو ملک وملت کے حق میں مفید ثابت ہوں گے۔ لہٰذا اہلِ مدارس کو اس حدیث کی روشنی میں اپنا سفر طے کرنا اور اس کے مطابق اپنے نصاب ونظام کا نقشہ بنانا چاہیے اور انھی خطوط پر اپنا تعلیمی وتربیتی سفر پورا کرنا چاہیے۔

نوٹ: اس سلسلے میں ذمہ دارانِ مدارس کے لیے میری کتاب ''اسلامی مدارس کا نظام ونصاب'' کا مطالعہ، ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

«أَخْرَجَ الْبَيْهَقِيُّ عَنِ ابْنِ إِسْحٰقَ رَحِمَهُ اللهُ فِيْ خُطْبَةِ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رضی اللہ عنہ يَوْمَئِذٍ (أَيْ يَوْمَ سَقِيْفَةِ بَنِيْ سَاعِدَةَ) قَالَ: وَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ أَنْ يَّكُوْنَ لِلْمُسْلِمِيْنَ أَمِيْرَانِ فَإِنَّهُ مَهْمَا يَكُنْ ذَالِكَ يَخْتَلِفُ أَمْرُهُمْ وَأَحْكَامُهُمْ وَتَتَفَرَّقُ جَمَاعَتُهُمْ وَيَتَنَازَعُوْا فِيْمَا بَيْنَهُمْ، هُنَالِكَ تُتْرَكُ السُّنَّةُ وَتَظْهَرُ الْبِدْعَةُ وَتَعْظُمُ الْفِتْنَةُ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ عَلٰى ذٰلِكَ صَلَاحٌ.»

ترجمہ: امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ روایت ابن اسحٰق رحمہ اللہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (سقیفہ بنی ساعدہ کے دن) خطبے میں یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ بات تو کسی طرح درست نہیں کہ مسلمانوں کے دو امیر ہوں؛ کیوں کہ جب کبھی ایسا ہوگا، ان کے احکام ومعاملات میں اختلاف رونما ہو جائے گا، ان کی جماعت تفرقے کا شکار ہو جائے گی اور ان کے درمیان جھگڑے پیدا ہو جائیں گے، اس وقت سنت ترک کر دی جائے گی، بدعت ظاہر ہوگی اور عظیم فتنہ برپا ہوگا اور اس حالت میں کسی کے لیے خیر وصلاح نہیں ہوگی۔

تخریج وشرح

اس اثر کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے محمد بن اسحاق کے حوالے سے السنن الکبریٰ: (١٦٥٥٠) میں روایت کیا ہے۔

اختلاف کے عناصر اور نتائج

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس خطبۂ مبارک کا حصہ ہے، جو آپ رضی اللہ عنہ نے آقائے دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اسی دن "سقیفۂ بنی ساعدہ" میں امارت وخلافت کے متعلق مشورے ومباحثے کے دوران دیا تھا، اس میں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

”مسلمانوں کے بیک وقت دو امیر نہیں ہو سکتے؛ کیوں کہ اس سے ان کے معاملات میں اختلافات ہوں گے، ان کی جماعت میں افتراق ہوگا اور وہ آپس میں لڑیں گے اور ایسا ہوگا، تو سنت ترک کر دی جائے گی، بدعت کا ظہور ہوگا اور فتنے بڑھ جائیں گے اور اس صورتِ حال میں کسی کے لیے بھی خیر و بھلائی نہیں ہوگی“۔

حضرت صدیق اکبر ﷺ نے اس میں ملت کی وحدت کی ضرورت کو بیان کیا ہے اور وحدتِ ملت کو منتشر کرنے والے عناصر کی نشان دہی کی ہے کہ وہ مسلمانوں میں دو امیروں کا ہونا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے نتائج پر روشنی ڈالی ہے کہ جب دو امیر ہوں گے اور ہر ایک اپنی چلائے گا، تو اس کے نتیجے میں امت میں فرقہ بندی ہوگی اور وہ آپس میں لڑیں گے اور یہ بات بالکل واضح ہے۔

”پھر فرمایا کہ سنت متروک اور بدعت ظاہر ہوگی“؛ کیوں کہ سب سے بڑی سنت تو امت میں اتحاد قائم کرنا اور اسی کے لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ ”تم پر ایک غلام کو بھی حاکم و امیر بنا دیا جائے، تو تم اس کی بھی اطاعت کرنا، اگرچہ اس کا سر انگور کی طرح ہو“۔ (۱)

نیز فرمایا کہ ”امیر کی طرف سے کوئی بری بات دیکھو، تو اس پر صبر کرو، کیوں کہ جو کوئی جماعت سے ایک بالشت بھر بھی جدا ہوا اور مرا، تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (۲)

غرض! اسلام نے سب سے پہلے اتحادِ ملت کا درس دیا ہے اور دو امارتوں کا ہونا، اس اتحاد کو پارہ پارہ کر دیتا ہے؛ اس لیے دو امیروں کا وجود، سنت کے خلاف ہے اور بدعتِ محدثہ ہے۔

پھر فرمایا کہ ”فتنے بڑھ جائیں گے اور کسی کے لیے بھی اس میں خیر نہیں ہوگی“۔

یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جب دو، دو امارتیں ایک دوسرے کی مخالف موجود ہوں گی، تو فتنے ضرور بڑھیں گے اور یہ بات کسی ایک کے لیے بھی فائدہ مند نہ ہوگی۔ اس لیے بعض احادیث میں ہے کہ ایک امیر کے ہوتے ہوئے دوسرا دعوے دارِ امارت آئے، تو اس کو قتل کر دو، جیسا کہ اوپر حدیث گذر چکی ہے۔

افسوس کہ آج ہر آدمی امیر بنا ہوا ہے، کوئی کسی کے تابع نہیں، امت کا شیرازہ پوری طرح منتشر ہے اور دُور دُور تک اس میں اتحاد و اتفاق کے پیدا ہونے کی صورت نظر نہیں آتی۔ (فإلی اللہ المشتکی)

---

(۱) مشکاۃ المصابیح: ۳۱۹

(۲) مشکاۃ المصابیح: ۳۱۹

« عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَان ﷛ أَنَّهُ صَعِدَ الْمِنْبَرَ يَوْمَ الْقَمَامَةِ ، فَقَالَ عِنْدَ خُطْبَتِهِ: إِنَّمَا الْمَالُ مَالُنَا وَالْفَيْئُ فَيْئُنَا ، فَمَنْ شِئْنَا أَعْطَيْنَاهُ وَمَنْ شِئْنَا مَنَعْنَاهُ ، فَلَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ (فَلَمَّا كَانَ فِي الجُمُعَةِ الثَّانِيَةِ قَالَ مِثْلَ ذَالِكَ ، فَلَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ) فَلَمَّا كَانَ فِي الْجُمُعَةِ الثَّالِثَةِ قَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ ؛ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِمَّنْ حَضَرَ الْمَسْجِدَ ، فَقَالَ: كَلَّا إِنَّمَا الْمَالُ مَالُنَا والْفَيْئُ فَيْئُنَا ، فَمَنْ حَالَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ حَاكَمْنَاهُ إِلَى اللّٰهِ بِأَسْيَافِنَا ؛ فَنَزَلَ مُعَاوِيَةُ ﷛ فَأَرْسَلَ إِلَى الرَّجُلِ فَأَدْخَلَهُ ، فَقَالَ الْقَوْمُ: هَلَكَ الرَّجُلُ، ثُمَّ دَخَلَ النَّاسُ فَوَجَدُوا الرَّجُلَ مَعَهُ عَلَى السَّرِيْرِ فَقَالَ: مُعَاوِيَةُ ﷛ لِلنَّاسِ: إِنَّ هٰذَا أَحْيَانِي أَحْيَاهُ اللّٰهُ ؛ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: سَيَكُوْنُ بَعْدِي أُمَرَاءُ يَقُوْلُوْنَ وَلَا يُرَدُّ عَلَيْهِمْ ، يَتَقَاحَمُوْنَ فِي النَّارِ كَمَا تَتَقَاحَمُ الْقِرَدَةُ وَإِنِّي تَكَلَّمْتُ أَوَّلَ جُمُعَةٍ ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ أَحَدٌ ، فَخَشِيْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنْهُمْ ؛ ثُمَّ تَكَلَّمْتُ فِي الْجُمُعَةِ الثَّانِيَهِ ، فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ أَحَدٌ ، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي: " إِنِّي مِنَ الْقَوْمِ " ، ثُمَّ تَكَلَّمْتُ فِي الْجُمُعَةِ الثَّالِثَةِ ؛ فَقَامَ هٰذَا الرَّجُلُ ، فَرَدَّ عَلَيَّ فَأَحْيَانِي ، أَحْيَاهُ اللّٰهُ. »(حياة الصحابة: ۲/ ۶۸)

ترجمہ: حضرت معاویہ ﷛ سے روایت ہے کہ وہ " قمامة " کے دن منبر پر تشریف لے گئے اور دورانِ خطبہ فرمایا: " مال ہمارا مال ہے اور فیئ ہماری فیئ ہے، ہم جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں " ، ان کو کسی نے جواب نہیں دیا۔ (پھر دوسرے جمعہ میں بھی ایسا ہی فرمایا اور ان کو کسی نے جواب نہیں دیا) پھر تیسرے جمعہ کو بھی یہی فرمایا، یہ سن کر حاضرینِ مسجد میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: " ہرگز نہیں، مال ہمارا مال ہے اور فیئ ہماری فیئ ہے، پس جو شخص ہمارے اور اس کے

درمیان حائل ہوگا، ہم اپنی تلوار کے ذریعے اس کا محاکمہ بارگاہِ خداوندی میں پیش کریں گے"۔
حضرت معاویہ ﷛ منبر سے اترے اور نمازِ جمعہ کے بعد اس شخص کو اپنی قیام گاہ پر بلایا، لوگوں نے آپس میں کہا کہ یہ آدمی تو مارا گیا، پھر دوسرے لوگ حضرت معاویہ ﷛ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو دیکھا کہ وہ شخص چارپائی پر حضرت معاویہ ﷛ کے ساتھ بیٹھا ہے۔ حضرت معاویہ ﷛ نے لوگوں سے فرمایا: "اس شخص نے مجھے موت سے بچالیا، اللہ تعالیٰ اسے جیتا رکھے؛ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میرے بعد کے زمانے میں کچھ حاکم ہوں گے، جو الٹی سیدھی کہیں گے، مگر کسی کو ان کے ٹوکنے کی ہمت نہیں ہوگی، یہ سب لوگ جہنم میں گھسیں گے، جس طرح بندر گھستے ہیں۔ حضرت معاویہ ﷛ نے فرمایا: میں نے (بہ طور امتحان) پہلے جمعہ کو وہ بات کہی، مگر کسی نے مجھے ٹوکا نہیں، مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں میں بھی انہیں حاکموں میں سے نہ ہوں، پھر دوسرے جمعہ کو یہی بات کہی اور کسی نے مجھے نہیں ٹوکا، تو مجھے یقین ہوچلا کہ میرا شمار بھی انہی حاکموں میں ہے۔ پھر میں نے تیسرے جمعہ کو یہی بات کہی، تو اس شخص نے کھڑے ہوکر مجھے ٹوک دیا، پس اس نے مجھے زندہ کردیا، اللہ تعالیٰ اسے جیتا رکھے۔

تخریج وشرح

اس حدیث کو ابویعلیٰؒ نے مسند أبي یعلیٰ: (۱۳/۳۷۴) میں اور طبرانیؒ نے المعجم الکبیر: (۱۹/۳۹۳) میں روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی "ضمام بن اسماعیل" کو بعض محدثین نے ضعیف و متروک قرار دیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ ثقہ ہیں، بہت سے محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (دیکھو: المیزان: ۳/۴۵۲، تہذیب التہذیب: ۲/ ۲۲۸) اور علامہ ہیثمیؒ نے فرمایا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۵/ ۴۲۵) اس لیے یہ حدیث "حسن" ہوگی۔

دوزخی حکام کی پہچان

اس میں حضرت معاویہ ﷛ کا ایک قصہ بیان کیا گیا ہے، جو اوپر دیے گئے ترجمے سے واضح ہے؛ اس کے ضمن میں حضرت معاویہ ﷛ نے حدیث ارشاد فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''میرے بعد کچھ حاکم ایسے ہوں گے جو (غلط سلط اور الٹی سیدھی باتیں) کہیں گے، مگر ان پر رد نہ کیا جاسکے گا، یہ لوگ جہنم میں ایسے گھسیں گے جیسے بندر گھستے ہیں''۔

یعنی جس طرح بندر ایک دوسرے کو دھکا دے کر یا بلا سوچے سمجھے گھستے ہیں، اسی طرح یہ اُمرا و حکام بھی جہنم میں ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہوئے، گھس جائیں گے، جو الٹی سیدھی ہانکیں گے، مگر ان کے ظلم وزیادتی کے خوف سے کوئی ان کی بات کا رد نہ کر سکے گا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے متعلق آزمانا چاہتے تھے کہ کہیں وہ انہی امرا و حکام میں سے نہ ہوں اور اس وجہ سے وہ پریشان بھی تھے؛ لیکن جب ان کی ایک غلط بات پر ایک شخص نے ٹوک دیا، تو آپ کو سکون ہوا اور آپ نے اس کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ اس کو جیتا رکھے کہ اس نے مجھ کو زندہ کر دیا، یعنی تباہی سے بچالیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اُمرا و حکام کی اغلاط و برائیوں پر روک ٹوک بہت ضروری ہے اور جو حکام لوگوں کو اس کا حق نہیں دیتے، وہ ظالم و خدا کے باغی ہیں اور جہنم میں گرنے والے ہیں۔

اسلامی ملکوں کے حکام کی حالت

آج متعدد اسلامی ملکوں کے سربراہ اسی طرح کے ظلم و بربریت کے علم بردار ہیں، جن کے سامنے صرف ''ہاں ہاں'' کرنے والے علما و چاپلوسی وغلامی کرنے والے طبقے کو بولنے اور کہنے سننے کی اجازت ہے اور ان پر تنقید اور ان کی اغلاط و برائیوں کی تردید اور ان کے مظالم اور زیادتیوں پر روک ٹوک کرنے والے علمائے حق کے لیے سوائے قید و بند کے اور کچھ نہیں ہے۔ علمائے حق ان پر تنقید کرتے ہیں، تو خوش ہونے کے بہ جائے ان کی معزولی کے فرامین جاری ہوتے اور قید و بند کی صعوبتوں کی دھمکیاں دی جاتی ہیں یا قید و بند کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، اس قسم کے امرا و حکام یقیناً اس حدیث کے مصداق ہیں۔

❁❁❁

الحدیث الشریف - ۷۹

« عَنْ رَافِعِ الطَّائِي ﷺ قَالَ: صَحِبْتُ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيْقَ ﷺ فِي غَزْوَةٍ، فَلَمَّا قَفَلْنَا قُلْتُ: يَا اَبَابَكْرٍ، أَوْصِنِي! قَالَ: أَقِمِ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ لِوَقْتِهَا وَأَدِّ زَكَاةَ مَالِكَ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُكَ وَصُمْ رَمَضَانَ وَاحْجُجِ الْبَيْتَ وَاعْلَمْ! أَنَّ الْهِجْرَةَ فِي الْإِسْلَامِ حَسَنٌ وَإِنَّ الْجِهَادَ فِي الْهِجْرَةِ حَسَنٌ وَلَاتَكُنْ أَمِيْرًا؛ ثُمَّ قَالَ: هٰذِهِ الْإِمَارَةُ الَّتِي تَرىٰ الْيَوْمَ سِيْرَةً قَدْ أَوْ شَكَتْ أَنْ تَفْشُوَ وَتَكْثُرَ؛ حَتّٰى يَنَالَهَا مَنْ لَيْسَ لَهَا بِأَهْلٍ وَإِنَّهُ مَنْ يَّكُنْ أَمِيْرًا، فَإِنَّهُ مِنْ أَطْوَلِ النَّاسِ حِسَابًا وَأَغْلَظِهِ عَذَابًا وَمَنْ لَايَكُوْنُ أَمِيْرًا، فَإِنَّهُ مِنْ أَيْسَرِ النَّاسِ حِسَابًا وَأَهْوَنِهِ عَذَاباً؛ لِأَنَّ الْأُمَرَاءَ أَقْرَبُ النَّاسِ مِنْ ظُلْمِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّظْلِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ، فَإِنَّمَا يَخْفِرُ اللّٰهَ، هُمْ جِيْرَانُ اللّٰهِ وَهُمْ عِبَادُ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ إِنْ أَحَدُكُمْ لَتُصَابُ شَاةُ جَارِهِ أَوْ بَعِيْرُ جَارِهِ فَيَبِيْتُ وَارِمَ الْعَضَلِ يَقُوْلُ: شَاةَ جَارِيَ أَوْ بَعِيْرُ جَارِي، فَإِنَّ اللّٰهَ أَحَقُّ أَنْ يَّغْضَبَ لِجِيْرَانِهِ. »

ترجمہ: رافع طائی ﷺ کہتے ہیں کہ میں ایک جہاد میں حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا رفیق تھا، واپسی پر میں نے کہا، اے ابوبکر! مجھے کوئی نصیحت کیجیے! فرمایا: فرض نمازیں ٹھیک وقت پر پڑھا کرو، اپنے مال کی زکات خوش دلی سے دیا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کیا کرو، دیکھو! اسلام میں ہجرت بڑی اچھی بات ہے اور ہجرت میں جہاد بہت خوب ہے اور حاکم نہ بننا؛ پھر فرمایا: یہ امارت جو آج تمہیں ٹھنڈی نظر آتی ہے، بہت جلد یہ پھیل جائے گی اور زیادہ ہو جائے گی، یہاں تک کہ ان لوگوں کے ہاتھ لگے گی، جو اس کے اہل نہیں ہوں گے؛ حالاں کہ جو شخص حاکم بن جاتا ہے، اس کا حساب طویل تر اور عذاب سخت تر ہوگا اور جو شخص امیر نہ بنے، اس کا حساب نسبتاً آسان اور عذاب ہلکا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکام کو مسلمانوں پر ظلم کا موقعہ نسبتاً زیادہ ملتا ہے اور جو شخص مسلمانوں پر ظلم کرتا ہے، وہ عہدِ خداوندی کو توڑتا ہے۔ اہلِ ایمان اللہ کے

ہمسایہ اور اس کے بندے ہیں، تم میں سے کسی کے ہمسایے کی بکری یا اونٹ کو آفت پہنچے، تو ساری رات پریشانی میں گزارتا ہے اور کہتا ہے کہ "میرے ہمسایے کی بکری، میرے ہمسایے کا اونٹ!!" پس یقیناً اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ وہ اپنے ہمسایے کی تکلیف پر غضب ناک ہو۔

تخریج و شرح

اس اثر کو بیہقیؒ نے شعب الإیمان: (۵۲/۶) میں، ابن المبارکؒ نے مختصراً کتاب الزھد میں بہ رقم: (۶۷۴) میں اور معمر بن راشدؒ نے اپنی الجامع: (۳۲۲/۱۱) میں روایت کیا ہے اور ابوجعفر طبریؒ نے اس کو معلقاً الریاض النضرۃ: (۲/ ۲۱۷) میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس کی سند میں "بعض الطائیین" آیا ہے، یعنی قبیلۂ طی کے ایک شخص نے روایت کیا ہے اور وہ مجہول ہے؛ لہٰذا روایت "ضعیف" ہے۔ مگر اس کو ایک دوسرے طریق سے طبرانیؒ نے اپنی المعجم الکبیر: (۲۱/۵) میں روایت کیا ہے اور علامہ ہیثمیؒ نے اس کے تمام رواۃ کو "ثقہ" فرمایا ہے (مجمع الزوائد: ۳۶۶/۵) اس لیے یہ ضعف ختم ہوگیا اور حدیث "حسن" ہوگی۔

ہجرت و جہاد کی فضیلت

اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کچھ نصیحتیں ہیں، جو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع طائی رضی اللہ عنہ کی درخواست پر ارشاد فرمائی تھیں، یہ حضرت رافع الطائی صحابی ہیں؛ رضی اللہ عنہ جیسا کہ ابن حجر رحمۃ اللہ نے الاصابۃ: ۱/ ۴۹۷ میں ذکر کیا ہے۔

ان نصائح میں سے بہت سی باتیں تو عام نصائح کی قبیل سے ہیں، جیسے: نماز، زکات، روزہ اور حج کے بارے میں نصیحت؛ لہٰذا ہم ان کو چھوڑ کر ان میں سے اہم نصائح پر کلام کرتے ہیں:

۱- " اعلم! أن الهجرة في الإسلام حسن " (اسلام میں ہجرت بڑی اچھی چیز ہے)

اس میں ہجرت الی اللہ والی الرسول کی فضیلت بیان فرمائی کہ اگر آدمی کسی ایسی جگہ رہتا ہے، جہاں اسلام پر چلنا اس کے لیے مشکل ہو جائے، تو وہ محض اللہ و رسول کی اطاعت کے جذبے سے اس ملک کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے، یہ بہت پسندیدہ بات ہے۔

شروع اسلام میں ہجرت فرض تھی اور ہجرت نہ کرنے والوں پر قرآن پاک میں عتاب نازل

ہوا، مگر بعد میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ " لاهجرة بعد الفتح "(یعنی فتحِ مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے، یا ضروری نہیں)[1]

۲-" إن الجهاد في الهجرة حسنٌ "(ہجرت کے دوران جہاد بھی بہتر بات ہے)

یعنی اپنے ملک ووطن کو دین کے لیے چھوڑنے کے بعد اس دوران میں جہاد کا موقعہ آئے، تو جہاد کرنا بھی اسلام میں عمدہ بات ہے اور فضلیت کا کام ہے۔

نااہلوں کی حکومت

۳- "ولاتكن أميراً الخ ." (یعنی تم امیر نہ بنو، یہ امارت جو آج تمہیں آہستہ آہستہ چلتی دکھائی دیتی ہے، یہ عنقریب پھیل جائے گی اور زیادہ ہو جائے گی، یہاں تک کہ یہ ان لوگوں کے ہاتھ لگے گی، جو اس کے اہل نہیں ہیں)

اس میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نصیحت فرمائی کہ امیر نہ بنو اور یہ بات حدیث میں بھی آئی ہے کہ دو آدمیوں کے بھی امیر نہ بنو۔[2]

پھر جو فرمایا کہ " امارت پھیل جائے گی اور زیادہ ہو جائے گی" یہ حرف بہ حرف صادق آ رہا ہے کہ ہر ایرے غیرے اور بدتر سے بدتر کے ہاتھ یہ حکومت وریاست کے عہدے آ گئے اور زیادہ تر بدکار، فساق وفجار لوگ اس پر قابض ہیں؛ حتی کہ اسلامی مملکتوں کے بیشتر سربراہ بھی اسی قماش کے لوگ ہیں، جو قطعاً اس منصب کے اہل وحق دار نہیں۔

حاکموں پر سخت عذاب کی وجہ

۴- اس کے بعد فرمایا کہ " جو حاکم بن جاتا ہے، اس کا حساب طویل تر اور عذاب سخت تر ہوگا اور جو حاکم نہ بنے، اس کا حساب نسبتاً آسان اور عذاب ہلکا ہوگا"۔

یعنی اگر کوئی آدمی برا ہو اور عذاب کا مستحق ہو، مگر وہ حاکم نہ بنے، تو اس کا عذاب حاکم بننے والے گنہگار سے کم ہوگا۔

---

(۱) رياض الصالحين: ۷، مشكاة شريف: ۳۳۱

(۲) مسلم، مشكاة: ۳۲۰

۵- پھر حاکموں کو زیادہ اور سخت عذاب ہونے کی وجہ بتائی کہ ''چوں کہ ان کو لوگوں پر اور خصوصاً اہلِ اسلام پر ظلم کرنے کا موقعہ زیادہ ملتا ہے؛ اس لیے عذاب زیادہ سخت ہوگا'' ظالم حکمران پر اسلام میں بڑی سخت سزاؤں کا ذکر ہے، ایک حدیث میں فرمایا کہ اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے مبغوض اور سب سے سخت عذاب والا ظالم بادشاہ ہوگا۔ (۱)

غرض حاکموں کو اپنی حکومت و طاقت کے بل پر ظلم کرنے کا موقعہ ملتا ہے اور وہ ظلم کرتے ہیں، اس لیے دیگر گنہ گاروں کے بالمقابل ان پر زیادہ اور سخت عذاب ہوگا۔

۶- پھر ان امراو حکام کی خدا کی طرف سے پکڑ پر مثال دی کہ جس طرح کسی کے ہمسایے و پڑوسی میں بکری یا اونٹ پر کوئی مصیبت آئے تو یہ آدمی رات بھر پریشان رہتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر کوئی ظلم کرے، تو غضب ناک ہوتے اور پکڑ کرتے ہیں، کیوں کہ اہلِ اسلام اللہ کے پڑوسی اور اللہ کے مخصوص بندے ہیں اور ابن المبارک رحمۃ اللہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مسلمان '' عواذ اللّٰہ '' یعنی اللہ کی پناہ میں ہیں۔

---

(۱) مشكاة المصابيح: ۳۲۲

« عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَوْقَةَ قَالَ: أَتَيْتُ نُعَيْمَ بْنَ أَبِي هِنْدٍ، فَأَخْرَجَ إِلَيَّ صَحِيْفَةً، فَإِذَا فِيهَا:

مِنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ

سَلَامٌ عَلَيْكَ! أَمَّا بَعْدُ:

فَإِنَّا عَهِدْنَاكَ وَأَمْرُ نَفْسِكَ لَكَ مُهِمٌّ، فَأَصْبَحْتَ قَدْ وُلِّيْتَ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَحْمَرِهَا وَأَسْوَدِهَا، يَجْلِسُ بَيْنَ يَدَيْكَ الشَّرِيْفُ وَالْوَضِيْعُ، وَالْعَدُوُّ وَالصَّدِيْقُ وَلِكُلٍّ حِصَّتُهُ مِنَ الْعَدْلِ؛ فَانْظُرْ كَيْفَ أَنْتَ عِنْدَ ذٰلِكَ يَا عُمَرُ! فَإِنَّا نُحَذِّرُكَ يَوْماً تَعْنَى فِيْهِ الْوُجُوْهُ، وَتَجِفُّ فِيْهِ الْقُلُوْبُ، وَتَنْقَطِعُ فِيْهِ الْحُجَجُ لِحُجَّةِ مَلِكٍ قَهَرَهُمْ بِجَبَرُوْتِهِ، فَالْخَلْقُ دَاخِرُوْنَ لَهُ، يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهُ، وَيَخَافُوْنَ عِقَابَهُ وَإِنَّا كُنَّا نُحَدَّثُ: أَنَّ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ سَيَرْجِعُ فِي آخِرِ زَمَانِهَا إِلَى أَنْ يَكُوْنُوْا إِخْوَانَ الْعَلَانِيَةِ، أَعْدَاءَ السَّرِيْرَةِ وَإِنَّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ يُنْزَلَ كِتَابُنَا إِلَيْكَ سِوَى الْمُنْزَلِ الَّذِي نَزَلَ مِنْ قُلُوْبِنَا، فَإِنَّمَا كَتَبْنَا بِهِ نَصِيْحَةً لَكَ.

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ!

فَكَتَبَ إِلَيْهِمَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ﷺ:

مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِلَى أَبِي عُبَيْدَةَ وَمُعَاذٍ:

سَلَامٌ عَلَيْكُمَا، أَمَّا بَعْدُ:

أَتَانِي كِتَابُكُمَا تَذْكُرَانِ أَنَّكُمَا عَهِدْتُمَانِي وَأَمْرُ نَفْسِي مُهِمٌّ، فَأَصْبَحْتُ قَدْ وُلِّيْتُ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَحْمَرِهَا وَأَسْوَدِهَا يَجْلِسُ بَيْنَ

يَدَيَّ الشَّرِيْفُ وَالْوَضِيْعُ وَالْعَدُوُّ وَالصَّدِيْقُ ؛ وَلِكُلٍّ حِصَّتُهٗ مِنَ الْعَدْلِ ، كَتَبْتُمَا : فَانْظُرْ كَيْفَ أَنْتَ عِنْدَ ذٰلِكَ يَا عُمَرُ! وَإِنَّهٗ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ لِعُمَرَ عِنْدَ ذٰلِكَ إِلَّا بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ .

وَكَتَبْتُمَانِي تُحَذِّرَانِي مَا حُذِّرَتْ مِنْهُ الْأُمَمُ قَبْلَنَا وَقَدِيْمًا كَانَ إِخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ بِآجَالِ النَّاسِ يُقَرِّبَانِ كُلَّ بَعِيْدٍ وَيُبْلِيَانِ كُلَّ جَدِيْدٍ وَيَأْتِيَانِ بِكُلِّ مَوْعُوْدٍ ؛ حَتّٰى يَصِيْرَ النَّاسُ إِلٰى مَنَازِلِهِمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ .

كَتَبْتُمَانِيْ تُحَذِّرَانِي أَنَّ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ سَيَرْجِعُ فِي آخِرِ زَمَانِهَا إِلٰى أَنْ يَّكُوْنُوْا إِخْوَانَ الْعَلَانِيَةِ ، أَعْدَاءَ السَّرِيْرَةِ وَلَسْتُمْ بِأُوْلٰئِكَ ، وَلَيْسَ هٰذَا بِزَمَانِ ذَاكَ ، وَذٰلِكَ زَمَانٌ تَظْهَرُ فِيْهِ الرَّغْبَةُ وَالرَّهْبَةُ ، تَكُوْنُ رَغْبَةُ النَّاسِ بَعْضِهِمْ إِلٰى بَعْضٍ لِإِصْلَاحِ دُنْيَاهُمْ .

كَتَبْتُمَا تَعُوْذَانِي بِاللّٰهِ أَنْ أُنْزِلَ كِتَابَكُمَا سِوَى الْمُنَزَّلِ الَّذِي نَزَلَ مِنْ قُلُوْبِكُمَا وَإِنَّكُمَا كَتَبْتُمَا بِهٖ نَصِيْحَةً وَقَدْ صَدَقْتُمَا ، فَلَا تَدَعَا الْكِتَابَ إِلَيَّ فَإِنَّهٗ لَا غِنٰى لِيْ عَنْكُمَا .

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمَا !»

ترجمہ: محمد بن سوقہ کہتے ہیں: میں نعیم بن ابی ہند کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے مجھے ایک خط دکھایا، جس میں لکھا تھا:

از طرف ابوعبیدہ بن جراح و معاذ بن جبل بہ خدمت عمر بن خطاب ﷺ :

السلام علیکم !

ہم آپ کو آپ کے منصب کی نزاکت کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ اس امت کے سیاہ و سفید کا معاملہ آپ کے سپرد ہے، آپ کے سامنے شریف بھی پیش ہوگا اور رذیل بھی، دوست بھی اور دشمن بھی اور ہر ایک کو اس کے انصاف کا حق ملنا چاہیے، اب آپ کو دیکھنا یہ ہے کہ اس موقعے پر آپ کا طرزِ عمل کیا ہوگا؟ ہم آپ کو اس دن سے ڈراتے ہیں، جس میں چہرے سرنگوں اور دل خشک

ہوں گے، خدائے قہار کی حجت کے سامنے سب کی حجتیں دھری رہ جائیں گی، ساری مخلوق اس کے سامنے ناک رگڑتی ہوگی، لوگ اس کی رحمت کے امیدوار ہوں گے اوراس کے عذاب سے ترساں ولرزاں ہوں گے اور ہم سے یہ حدیث بیان کی جاتی تھی کہ ''آخری زمانے میں اس امت کی حالت ایسی ہوجائے گی کہ لوگ بہ ظاہر بھائی بھائی ہوں گے، مگر دلوں میں ایک دوسرے کی عداوت ہوگی''۔ ہم نے یہ خط آپ کو محض از راہِ خیر خواہی لکھا ہے، خدارا اس خط کو اس دلی خیر خواہی کے علاوہ کسی اور بات پر محمول نہ کیا جائے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا:

از طرف عمر بن خطاب بہ خدمت ابوعبیدہ و معاذ:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ! أما بَعدُ:

آپ کا خط ملا، جس میں آپ نے یہ ذکر کیا کہ آپ حضرات میرے منصب کی نزاکت کی طرف مجھے متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس امت کے سیاہ وسفید کا معاملہ میرے سپرد ہوچکا ہے اور میرے سامنے شریف بھی پیش ہوگا اور رذیل بھی، دوست بھی اور دشمن بھی اور ہر ایک کو اس کے انصاف کا حصہ ملنا چاہیے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اب مجھے دیکھنا یہ ہے کہ میرا طرزِ عمل کیا ہوگا؟ (جواباً گذارش ہے کہ) اس موقعے پر عمر کو بدی سے بچنے اور راستی پر جمنے کے لیے خدائی توفیق کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

آپ نے مجھے اس چیز سے بھی ڈرایا ہے، جس سے پہلی امتوں کو ڈرایا گیا تھا، قدیم زمانے ہی سے لیل ونہار کی گردش، انسانوں کی مدتِ مہلت کو گھٹاتی چلی آتی ہے، دن اور رات دور کو نزدیک اور نئے کو کہنہ کررہے ہیں اور ہر وعدے کی چیز کو اپنے وقت پر لے آتے ہیں، یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا، یہاں تک کہ لوگ اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے، یعنی جنت یا دوزخ میں۔

آپ نے مجھے آگاہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ آخر زمانے میں اس امت کی حالت ایسی ہو جائے گی کہ بہ ظاہر وہ بھائی بھائی ہوں گے؛ لیکن دلوں میں ایک دوسرے کی عداوت ہوگی۔ اطمینان رکھیے کہ نہ ان لوگوں سے مراد آپ حضرات ہیں، نہ یہ وہ زمانہ ہے، یہ زمانہ وہ ہوگا جس میں خوف اور لالچ نمایاں ہوں گے اور لوگوں کا ایک دوسرے سے تعلق دنیاوی اغراض کے لیے ہوگا۔

آپ نے لکھا ہے کہ یہ خط آپ نے محض از راہِ خیر خواہی لکھا ہے، خدارا اسے دلی خیر خواہی کے سوا کسی اور بات پر محمول نہ کیا جائے۔ یہ آپ نے بالکل صحیح لکھا ہے؛ اس لیے مجھے برابر لکھتے رہیے، میں آپ حضرات کے مفید مشوروں سے بے نیاز نہیں ہوں۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمَا!

تخریج و شرح

اس اثر کو ابن ابی شیبہؒ نے مصنف ابن أبي شيبة: (۳۵۵۹۲) طبرانیؒ نے المعجم الکبیر: (۲۰/۳۲) ہنادؒ نے الزهد: (۱/۳۰۳) ابونعیمؒ نے حلية الأولياء: (۱/۲۳۷) میں روایت کیا ہے۔ علامہ ہیثمیؒ نے فرمایا کہ اس میں مذکورہ خط تک تمام راوی ''ثقہ'' ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۵/۳۸۵)

حضرت ابوعبیدہ و حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کا خط اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جواب

اس میں حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کا خط بہ نام حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جوابی خط کا مضمون ذکر کیا گیا ہے۔ مضمون واضح ہے اور کسی شرح کا محتاج نہیں، اس خط میں حضرت ابوعبیدہ و حضرت معاذ رضی اللہ عنہما نے جس حدیث کا ذکر فرمایا ہے کہ آخری زمانے میں اس امت کی حالت ایسی ہوگی کہ لوگ بہ ظاہر بھائی بھائی

ہوں، مگر دلوں میں عداوت ہوگی، یہ حدیث اوپر نمبر ۴۱ پر شرح کے ساتھ گذر چکی ہے، وہاں دیکھی جائے۔

اس خط سے سب سے اہم بات جو ظاہر ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ کے درمیان آپس میں کس قدر محبت و تعلق تھا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر امیر و خلیفے کو تنبیہ و نصیحت کا خط لکھا گیا، تو انھوں نے کس قدر کشادہ دلی و خندہ روئی کے ساتھ اس کو قبول فرمایا اور کسی قسم کی بدگمانی کے بہ جائے حسنِ ظن سے کام لے کر مزید نصائح کی گذارش کی، یہ ہم سب کے لیے عبرت و موعظمت کا بے نظیر خزانہ اور عمدہ نمونہ ہے۔

(اللّٰهم اجْعَلنا مِمَّن اقتدیٰ بِهَدْيِهِم واحشُرنا فِي زُمْرَتِهِم)

الحدیث الشریف - ۸۱

«عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ ﷺ عَنِ النَّبِي صلی اللہ علیہ وسلم : سَيَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمًا يَقُولُونَ: " لَاقَدَرَ " ، فَإِنْ مَرِضُوا ، فَلَا تَعُودُوْهُمْ وَإِنْ مَاتُوا ، فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ ، فَإِنَّهُمْ شِيْعَةُ الدَّجَّالِ وَحَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يُلْحِقَهُمْ بِهِ .»

ترجمہ : حضرت حذیفہ ﷺ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے، جو کہا کریں گے کہ" تقدیر کوئی چیز نہیں"، یہ لوگ اگر بیمار پڑیں، تو ان کی عیادت نہ کرو، مرجائیں، تو ان کے جنازے میں شرکت نہ کرو؛ کیوں کہ یہ دجال کا ٹولہ ہے، اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ ان کو دجال سے ملا دیں۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو ابوداودالطیالسیؒ نے اپنے مسند:(۱/ ۳۴۷)، بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ: (۲۰۸۷۰)، ابوداودؒ نے اپنی سنن أبي داؤد میں بہ رقم:(۴۶۹۲)، احمد نے مسند أحمد میں بہ رقم:(۲۳۴۵۶)، لالکائیؒ نے اعتقاد أھل السنة :(۴/ ۷۰۹) میں اور ابن ابي عاصمؒ نے السنة:(۱/ ۱۴۵) میں روایت کیا ہے؛ ابوداودطیالسیؒ کے الفاظ وہی ہیں، جو اوپر نقل کیے گئے ہیں اور دیگر حضرات نے شروع میں یہ الفاظ ذکر کیے ہیں:" إنَّ لکل أمة مجوساً ، وإن مجوسَ ھٰذہِ الأمة الذین یقولون:" لا قدر " الخ "اور یہ حدیث" ضعیف" ہے؛ کیوں کہ اس میں حضرت حذیفہ ﷺ سے روایت کرنے والا ایک آدمی ہے، جو نامعلوم ہے، نیز عمر نامی راوی جو غفرہ کا آزاد کردہ غلام ہے، وہ بھی ضعیف ہے۔(عون المعبود :۱۲/ ۴۵۴) بزار کی روایت میں اس مجہول شخص کا نام" عطا بن یسار" آیا ہے، مگر خود امام بزارؒ نے فرمایا کہ" ہم

نہیں جانتے کہ سوائے ابو معشر کے کوئی اور اس کو موصولاً روایت کرتا ہو اور عمر بن عبداللہ اور حذیفہ کے مابین آدمی کا نام ذکر کرتا ہو" (مسند بزار: ۷/ ۳۳۸) اور ابن الجوزیؒ نے " العلل المتناهية " میں فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں، عمر سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا اور ابو معشر کو یحیٰ بن معین نے " لاشیء " قرار دیا ہے۔ (۱/ ۱۵۷)

مگر یاد رہے کہ ابو معشر سب کے نزدیک ضعیف نہیں ہیں، بخاری، یحیٰ بن معین، نسائی ابوداؤد وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے، تو ابوزرعہ، احمد، ابوحاتم وغیرہ نے ان کو "ثقہ" فرمایا ہے، جیسا کہ تہذیب (۴/ ۲۱۴) میں دیکھا جا سکتا ہے اور ابو یعلیٰ نے فرمایا کہ بڑے بڑے حضرات نے ان سے روایت کی ہے (الارشاد: ۱/ ۳۰۰) پھر اس کی تائید ابوداؤد، حاکم اور احمد کی ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابن عمر سے اس مضمون کی آئی ہے۔ (دیکھو: ابوداؤد: ۴۶۹۱، احمد: ۵۵۸۴، حاکم: ۲۸۶)

حضرت ابن عمر کی اس حدیث کو علامہ سراج الدین القزوینیؒ نے "موضوع" قرار دیا ہے، مگر یہ صحیح نہیں، علامہ ابن حجرؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس کو "حسن" اور حاکم نے "صحیح" قرار دیا ہے، نیز ابن القطان نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے؛ اس لیے اس کو موضوع کہنا حد سے تجاوز ہے۔ (بذل المجهود: ۱۸/ ۲۱۳، عون المعبود: ۱۲/ ۴۵۳) لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کی شاہد بن سکتی ہے اور اس شاہد کے ہوتے ہوئے مذکورہ حدیث "قوی" ہو جاتی ہے۔ (کما لا یخفی)

تقدیر کے منکر

اس حدیث میں آخر زمانے کی ایک قوم کا ذکر کیا گیا ہے، جو تقدیر کو نہیں مانتی اور کہتی ہے کہ اللہ کی تقدیر سے ہر کام نہیں ہوتا؛ بل کہ بندے کے افعال و اعمال خود بندے کی ایجاد سے ہوتے ہیں اور خیر تو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، مگر شر شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اس فرقے کو اسلامی تاریخ میں "قدریہ" کہتے ہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرقے کو اس امت کے مجوسی قرار دیا ہے؛ کیوں کہ مجوسی لوگ یہ کہتے ہیں کہ

''اس عالم کے دو خالق ہیں: ایک خالقِ خیر دوسرا خالقِ شر؛ خالقِ خیر یزدان (اللہ) اور خالقِ شر شیطان ہے اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ عالم کی دو اصلیں ہیں، ایک نور اور دوسری ظلمت، نور سے خیر کا وجود اور ظلمت سے شر کا وجود ہوتا ہے؛ اسی طرح یہ تقدیر کے منکر لوگ بھی دو خدا و خالق مانتے ہیں؛ خیر کا خالق اللہ؛ کو اور شر کا خالق شیطان کو، یا کچھ افعال و اشیا کا خالق خدا کو اور کچھ افعال کا خالق انسان کو مانتے ہیں۔

ان لوگوں کے بارے میں اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ یہ بیمار ہو جائیں، تو عیادت نہ کرو اور یہ مر جائیں، تو ان کے جنازے میں شریک نہ ہو، یہ دجال کے ماننے والے یا فرماں بردار ہیں یا اس کی تائید و مدد و نصرت کرنے والے ہیں اور اللہ کے ذمے ہے کہ ان کو دجال سے ملا دے، یعنی قیامت میں ان کو اس کے ساتھ اٹھائے اور ان کو دجال کے مددگار کہنا غالباً اس وجہ سے ہے کہ دجال بھی خدائی کا دعوے دار ہوگا اور بعض کرتبوں سے مختلف قسم کی چیزیں بتائے گا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا، اس لیے یہ ''قدریہ'' جو دو خالق مانتے ہیں، اس کے مددگار رہوں گے۔

تقدیر پر ایمان ضروری ہے!

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقدیرِ خداوندی کا انکار درست نہیں، اس سلسلے میں بے شمار احادیث آئی ہیں اور تمام کے تمام اہلِ سنت کا اجماع بھی ہے کہ ہر اچھی اور بری بات اللہ کی تقدیر سے ہوتی ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ کچھ باتوں کو پسند کرتے ہیں اور کچھ باتوں کو ناپسند کرتے ہیں، مگر جو بھی ہوتا ہے، وہ اللہ کی تقدیر سے ہوتا ہے۔

آج جدید تعلیم یافتہ طبقے میں بھی اس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں، جو تقدیر کے مسئلے میں متذبذب و متشکک نظر آتے ہیں، حالاں کہ مسئلہ صاف ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر دراصل اس کے ازلی علم پر مبنی ہے، جو وہ ہر شے کے متعلق ازل سے رکھتا ہے کہ کیا ہوگا اور کب ہوگا اور کہاں ہوگا اور کیسا ہوگا؟ اللہ نے اس علم کے مطابق لوحِ محفوظ میں تقدیریں لکھ دیں اور جو بھی

ہوتا ہے اور ہوگا، وہ اسی کے مطابق ہوتا ہے اور ہوگا اور اسی فیصلے کے موافق ہوگا، نمازی کا نماز پڑھنا، شرابی کا شراب پینا، مؤمن کا ایمان لانا اور کافر کا انکار کرنا سب اسی علمِ ازلی پر مبنی ہے اور یہ جو بھی ہوگا، اس میں کوئی انسان مجبور نہ ہوگا؛ بل کہ اس کو اختیار حاصل ہوگا اور اس اختیار پر مؤمن کو ثواب ونجات، تو کافر کو عقاب وعذاب ہوگا، نمازی کو انعام، تو شرابی پر سزا جاری ہوگی۔

غرض یہ کہ تقدیر کی وجہ سے انسان کا اختیار سلب نہیں ہوجاتا؛ بل کہ باقی رہتا ہے، جیسے خود خدائے تعالیٰ اپنے بارے میں بھی جانتا ہے کہ وہ یہ کام اس وقت کرے گا، مگر اس کے جاننے سے خدا کا نعوذ باللہ مجبور ہونا لازم نہیں آتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ دوسری مخلوقات کے بارے میں جانتا ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب مخلوقات مجبور ہیں؛ بل کہ جن کو اختیار دیا گیا ہے جیسے انسان، وہ اس تقدیرِ خداوندی کے باوجود بھی با اختیار رہتی ہیں۔

الحدیث الشریف - ۸۲

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ: قَالَ عُمَرُ ﷺ: إِنَّهُ سَيَكُوْنُ نَاسٌ يُكَذِّبُوْنَ بِالدَّجَّالِ وَيُكَذِّبُوْنَ بِطُلُوْعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَيُكَذِّبُوْنَ بِعَذَابِ الْقَبْرِ وَيُكَذِّبُوْنَ بِالشَّفَاعَةِ، وَيُكَذِّبُوْنَ بِالْحَوْضِ وَيُكَذِّبُوْنَ بِقَوْمٍ يَخْرُجُوْنَ مِنَ النَّارِ بَعْدَ مَا امْتَحَشُوا.» (عب، ش، والحارث، ق، في البعث كنز: ۱/۳۸۸)

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ بعد کے زمانے میں کچھ لوگ آئیں گے، جو کانے دجال کو افسانہ بتلائیں گے، قربِ قیامت میں سورج کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کا انکار کریں گے، عذابِ قبر کی تکذیب کریں گے، شفاعت کا انکار کریں گے، حوضِ کوثر کا انکار کریں گے اور دوزخ میں جل بھن کر اس سے نجات پانے والوں کا انکار کریں گے۔

تخریج و شرح

یہ اثر ایک لمبی حدیث میں آیا ہے، جو مسند أحمد: (۱۵۶)، بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث: (۲/۷۵۵)، مسند أبویعلیٰ: (۱/۱۳۶)، امالي المحاملي: (۱/۲۳۰)، تمهيد ابن عبدالبر: (۹/۸۳) میں روایت کی گئی ہے اور یہ حدیث ''ضعیف'' ہے؛ کیوں کہ اس کا ایک راوی ''علی بن زید'' سوئے حافظے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے اور باقی راوی سب ''ثقہ'' ہیں۔ (مجمع الزوائد: ۷/۳۲۲)

دجال کا انکار

حضرت عمر ﷺ نے اپنے ایک خطبے کے دوران یہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ ''آخر دور میں کچھ لوگ ضروریاتِ دین میں سے کچھ چیزوں کا انکار کریں گے'' اور آج جدید تعلیم کے اثر سے ان

جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں کچھ ایسے عقل کے پجاری پیدا ہو گئے ہیں، جو عقل کو ہر چیز کے رَدّ و قبول کا معیار قرار دیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر بہت سی چیزوں کا انکار کرتے ہیں، جو مُسلَّمہ اصول کے تحت ہر دور میں مانی جاتی رہی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جگہ چھ چیزوں کا ذکر کیا ہے، جن کا اس قسم کے لوگ انکار و تکذیب کریں گے۔

۱- "یکذبون بالدجال" (دجال کو جھٹلائیں گے)

دجال کے فتنے سے متعدد احادیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو آگاہ کیا ہے اور صحاح کی غیر مشتبہ و مستند احادیث نے بہ صراحت و وضاحت اس کے احوال پر روشنی ڈالی ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر نبی نے اس کے آنے کی خبر دی اور اپنی امتوں کو اس کے فتنہ سے آگاہ کیا ہے اور تمام کے تمام اہلِ سنت ہر دور میں اس عقیدے کے قائل رہے ہیں کہ قیامت سے قبل دجال ظاہر ہوگا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا اور حضرت عیسیٰ اور مہدی علیہما السلام کے ہاتھوں قتل کیا جائے گا۔

مگر جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے، جو دجال کے فتنے کا انکار کریں گے، اسی طرح آج بعض لوگ اس نظریے کے پیدا ہو چکے ہیں اور اس کا انکار کر رہے ہیں۔ بعض نے تو سرے سے دجال کے فتنے والی بات کو افسانہ و کہانی کہہ دیا اور بعض نے اتنی جرأت نہ کی، تو اس کی عجیب و مضحکہ خیز تاویلیں شروع کر دیں؛ مثلاً: بعض نے کہا کہ دجال سے مراد کوئی خاص شخص نہیں ہے؛ بل کہ مراد یہود و نصاریٰ کی قومیں ہیں، جو دجل و فریب اور مکاری و چال بازی سے کام لے کر دنیا والوں پر حاوی و مسلط ہو رہی ہیں۔ مگر یہ نظریہ صحیح و مستند احادیث کے خلاف ہے اور حق و صحیح یہی ہے کہ دجال ایک شخص ہے، جو ایک جزیرے میں محبوس ہے اور وقت آئے گا، تو ظاہر ہوگا اور مکاری و چال بازی سے گم راہی پھیلائے گا اور اہلِ توفیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ رکھا جائے گا۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے "شرح مسلم" میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کے حوالے سے اہلِ سنت کا یہی مذہب بتایا ہے اور بعض معتزلہ، خوارج و جہمیہ کا رد کیا ہے، جو دجال کے فتنے کا انکار کرتے اور اس کو غلط قرار دیتے ہیں۔ (۱)

---

(۱) دیکھو: شرح المسلم: ۷۹/۱۸

غرض یہ کہ دجال کا فتنہ ایک حقیقت ہے، کوئی افسانہ نہیں اور یہ کسی مجازی معنے پر محمول نہیں؛ بل کہ حقیقی معنے پر محمول ہے، مگر اس کا انکار کرنے والے اور اس کو تاویلات سے رد کرنے والے پیدا ہو گئے ہیں، جس کی پیش گوئی حضرت عمر ﷺ نے اپنے زمانے میں دی تھی۔

سورج کے مغرب سے نکلنے کا انکار

۲- " یکذبون بطلوع الشمس من مغربها " (سورج کے مغرب کی طرف سے طلوع ہونے کا انکار کریں گے)

سورج روزانہ مشرق (East) کی طرف سے طلوع ہوتا ہے، مگر حدیث صحیح میں ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی، جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر ایک نشانی ''سورج کا مغرب سے طلوع ہونا'' بھی ذکر کیا گیا۔(۱)

معلوم ہوا کہ قیامت سے قبل سورج مشرق کے بہ جائے، مغرب سے طلوع ہوگا؛ مگر بعض لوگ اپنی عقل پرستی سے اس کا بھی انکار کریں گے اور کہیں گے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، ہماری عقل اس کو نہیں مانتی، یہ عقل کے خلاف ہے وغیرہ؛ حالاں کہ ان باتوں کا مدار محض عقل پر نہیں ہے؛ بل کہ شرع پر ہے، جو اللہ کی طرف سے معتبر ذرائع سے ہم تک پہنچائی گئی ہے؛ اس لیے جو شخص ان چیزوں کا انکار کرتا ہے، وہ دراصل شرع کا انکار کرتا ہے۔

عذابِ قبر کا انکار

۳- " یکذبون بعذاب القبر " (عذابِ قبر کا انکار کریں گے)

عذابِ قبر کی حقیقت وصداقت قرآن کی متعدد آیات کے اشاروں اور احادیثِ نبویہ کی صراحتوں سے ثابت ہے اور اس سلسلے میں اتنی حدیثیں آئی ہیں کہ بعض محدثین نے ان کو متواتر قرار دیا ہے اور اہلِ اسلام کا شروع دور سے یہ متفقہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ قبر میں نیکوں کو ثواب اور بروں کو عذاب ہوتا ہے اور یہ کہ مختلف قسم کے عذابات کا سلسلہ وہاں ہوتا ہے۔

مگر افسوس کہ ایک بہت بڑا طبقہ آج ایسا ہے، جو واضح و کھلے الفاظ میں اس عقیدے کو غلط

---

(۱) بخاری:۱۲۱/۷، المسلم:۲۸۵/۷

قرار دیتا ہے، حتی کہ گلبرگہ کے ایک صاحب ''محمد علی'' نامی نے ''شمعِ حقیقت'' کے نام سے کچھ فضول موضوعات پر کتاب شائع کی ہے، اس میں ایک عنوان ہے ''عذابِ قبر کا عقیدہ، ہندوانہ عقیدہ ہے'' میں نے اس مضمون کا جواب لکھنؤ سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''الفرقان'' میں کئی قسطوں میں دیا تھا۔ سب سے پہلے اس جاہل مصنف کو یہی خبر نہیں کہ ہندو قوم سرے سے آخرت کے تصور ہی سے خالی ہے اور قبر کی زندگی کی منکر ہے، بھلا وہ عذابِ قبر کا کیا تصور رکھے گی؟

اور عذابِ قبر کو نہ ماننے والوں کا اشکال یہ ہے کہ ہم کو قبروں میں کوئی عذاب ہوتا دکھائی نہیں دیتا، جب کہ کئی جگہ کافروں اور فاجروں کی قبریں کھودیں گئیں، مگر کچھ نظر نہیں آیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قبر کا تعلق اس دنیا سے نہیں ہے؛ بل کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے؛ لہٰذا دنیا میں کھڑے ہوکر آخرت کی منزل میں جھانکنے کا دعویٰ ایک فضول دعویٰ ہے، لہٰذا سمجھنا چاہیے کہ قبر کا عذاب عالمِ برزخ میں ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ آخرت کی منزل اور برزخ میں ہونے والی چیز یہاں ہم کو دکھائی دے؛ بل کہ ہوسکتا ہے کہ وہاں عذاب ہونے کے باوجود ہم کو اس دنیا میں نظر نہ آئے، جیسے سونے والا خواب میں بسا اوقات حیران کن وخوف ناک واذیت ناک چیزیں دیکھتا ہے، کبھی جاتا اور آتا، گھومتا اور پھرتا ہے، کسی کو مارتا یا خود کسی سے پٹتا ہے، مگر اس کے بالکل بازو بیٹھے ہوئے شخص کو اس کا پتہ نہیں چلتا، کیوں کہ وہ سونے والا سونے کی حالت میں جو دیکھتا ہے، وہ ایک درجے میں عالمِ ارواح سے متعلق چیزیں ہوتی ہیں، نہ کہ عالمِ اجسام سے متعلق، لہٰذا دوسروں کو پتہ بھی نہیں چلتا، لہٰذا قبر میں عذاب کے ہوتے ہوئے بھی یہاں کے لوگوں کو اس کا احساس وعلم نہ ہونا کوئی قابلِ اشکال بات نہیں۔

غرض یہ کہ بعض لوگ اس حقیقت کا بھی محض عقل کی بنیاد پر انکار کریں گے، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔

شفاعت کا انکار

۴- ''یکذبون بالشفاعة'' (شفاعت کا انکار کریں گے)

قیامت کے دن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے مقرب بندوں کی طرف سے گنہ گاروں کے حق میں سفارش وشفاعت اور اس کا قبول ہونا بھی اسلامی عقائد میں سے ایک ضروری عقیدہ ہے،

جس کا متعدد آیات واحادیث میں ذکر آیا ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ نے "شرح مسلم" میں فرمایا کہ

"قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اہلِ سنت کا مسلک یہ ہے کہ شفاعت شرع کی روشنی میں عقلاً ممکن ہے، اللہ کے اس صریح ارشاد کی وجہ سے "يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا" اور اس قولِ باری کی وجہ سے "وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى لَهُمْ" وغیرہ اور نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی وجہ سے واجب ہے اور آخرت میں شفاعت کے ہونے پر اتنی احادیث آئی ہیں، جن کا مجموعہ تواتر کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور اس پر سلفِ صالح اور بعد کے اہلِ سنت کا اجماع ہے۔(۱)

اس میں دورِ گذشتہ میں خوارج و بعض معتزلہ نے اہلِ سنت سے ہٹ کر اپنی روش قائم کی اور اس فتنے کا آغاز انہی سے ہوا کہ وہ شفاعت کا انکار کرنے لگے اور آیات میں غلط تاویلات سے کام لے کر احادیثِ صحیحہ وصریحہ کا انکار کرنے لگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں اسی قسم کے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔

حوضِ کوثر کا انکار

۵- "یکذبون بالحوض" (حوضِ کوثر کا انکار کریں گے)

حوضِ کوثر جنت کا ایک حوض ہے، جو ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمایا گیا، جس کا ذکر ایک تفسیر کے مطابق "إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ" میں ہے اور متعدد اور مستند احادیث میں بھی اس کا ذکر اور کیفیت بیان کی گئی ہے، مثلاً فرمایا کہ "میرا حوض ایک ماہ کی مسافت تک (پھیلا ہوا) ہے اور اس کے کنارے برابر ہیں (یعنی وہ چوکور ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ عمدہ ہے اور اس حوض پر کٹورے اس قدر ہیں جتنے کہ آسمان کے ستارے اور جو آدمی اس سے پانی پی لے گا، وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا"۔(۲)

(۱) شرح المسلم: ۳/۴۳

(۲) البخاری: ۶۵۷۹، المسلم: ۵۹۷۹، مشکاۃ المصابیح: ۴۸۷

اورایک روایت میں ہے کہ وہ برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔(۱)

اس کا انکار بھی احادیثِ صحیحہ کا انکار ہے، مگر بعض لوگ ان باتوں کو محض ان کی عقلِ نارَسا وفہمِ ناقص میں نہ آنے سے انکار کریں گے، کیوں کہ یہ لوگ فی الواقع عقل کی وجہ سے نہیں؛ بل کہ محسوسات کے خوگر ہونے کی وجہ سے، جب یہ دیکھتے ہیں کہ یہ باتیں محسوس نہیں ہیں، تو اس کا انکار کردیتے ہیں، حالاں کہ یہ امور قطعاً عقل کے خلاف نہیں ہیں۔

دوزخ سے نکل کر نجات پانے کا انکار

۶ – ’’ ویکذبونِ بقوم یخرجون من النار بعد ما امتحشوا ‘‘

(یعنی دوزخ میں جل بھن کر آخر میں دوزخ سے نجات پانے والے لوگوں کا انکار کریں گے)

یعنی جو مسلمان اپنے گناہوں کے نتیجے میں دوزخ میں ڈالے جائیں گے، وہ آخر کار اپنے گناہوں کی سزا پا کر اور جل بھن کر؛ بل کہ کوئلہ ہو کر بھی اپنے ایمان کی برکت سے دوزخ سے نکالے جائیں گے؛ کیوں کہ اسلام کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ ’’مؤمن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا‘‘ احادیث میں اس کا صاف صاف ذکر آیا ہے۔(۲)

مگر بعض لوگ یہ کہیں گے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، جب جہنم میں گر کر، جل کر، خاک ہوگیا، پھر وہ کیسے نکل آئے گا؟ وغیرہ، معتزلہ وخوارج جو گمراہ فرقے ہیں، وہ بھی یہی کہتے تھے کہ مسلمان بھی اگر گناہ کر کے دوزخ میں گیا، تو وہ کافروں کی طرح اس میں ہمیشہ رہے گا، مگر یہ بات احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے۔

عقل پرستوں سے.........

عموماً اس قسم کی چیزوں کا انکار عقل پرست؛ بل کہ عقلیت زدہ لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے، جو ہر چیز کے لیے عقل کو ہی معیار سمجھتے ہیں؛ حالاں کہ عقل کو ہر چیز میں معیار ماننا ہی خود عقل کے خلاف ہے؛ کیوں کہ عقل ہی کی روشنی میں یہ بات مسلم ہے کہ جس طرح آنکھ کا دائرہ ادراک، مبصرات تک محدود ہے اور کان کا مسموعات تک، ناک کا دائرہ مشمومات تک، زبان کا مذوقات

---

(۱) مسلم: ۵۹۷۹، مشکاۃ المصابیح: ۴۸۷

(۲) دیکھو: البخاری: ۸۰۶، المسلم: ۴۵۴، أحمد: ۱۱۵۳۳

تک اور ہاتھ پیر کا دائرہ محسوسات تک اور یہ کہ ہر عضو اپنے دائرے میں تو کام کرسکتا ہے، مگر اپنے دائرے کو چھوڑ کر دوسرے کے دائرے میں وہ ناکام ہے، مثلاً آنکھ دیکھنے کا کام تو کرسکتی ہے مگر سماعت کا کام کرکے مسموعات کا ادراک نہیں کرسکتی اور ناک مشمومات کو چھوڑ کر، چکھنے کا کام کرکے مذوقات کا ادراک نہیں کرسکتی (وعلیٰ ھٰذا القیاس) اسی طرح عقل بھی ایک قوتِ مُدرکہ ہے، جس کا دائرۂ ادراک بھی ایک حد سے محدود ہے اور اس کا دائرہ ''مشہودات'' ہیں، یعنی وہ چیزیں جو ہمارے مشاہدے میں آتی ہیں، اس کو چھوڑ کر وہ مغیبات کے دائرے میں کام نہیں کرسکتی، اگر اس کو مغیبات میں بھی کام میں لایا جائے گا، تو وہ اسی طرح ناکام ہوگی، جس طرح آنکھ، ناک، کان، وغیرہ اپنے دائرے کے باہر ناکام ہوتے ہیں۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ عقل کا اپنا ایک دائرہ ہے، جس کے اندر اندر وہ کام کرے گی اور اس کے باہر وہ کام نہیں کرسکتی، تو اب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ عقل کا اصل کام کیا ہے؟

عقل کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اس کے سامنے پیش آنے والی چیزوں میں سے، جو اس کے اپنے دائرے میں آتے ہیں، غور وفکر کرے اور اشیا کے حقائق کو جانے اور حق وباطل میں تمیز کرے، اچھے اور برے کو جانے؛ عقل کا یہ کام نہیں کہ وہ ہر دائرے میں رائے دے؛ مثلاً: خدا کا خدا ہونا اور رسول کا رسول ہونا، ان کا سچا ہونا، معلوم کرنے کے لیے عقل کو استعمال کرسکتے ہیں اور جب ثابت ہوجائے کہ یہ سچے ہیں، تو اب عقل کا کام یہ ہے کہ ان کی ہر بات کو جو معتبر ذرائع سے معلوم ہو، مان لے اور اس پر چلے۔ بادشاہ کا بادشاہ ہونا ایک ایسا امر ہے کہ اس کے جانچنے کے لیے عقل کو کام میں لاسکتے ہیں، مگر جب ثابت ہوگیا کہ یہ بادشاہ ہے، تو اب اس کے ہر حکم وقانون کو بھی عقل کی کسوٹی پر جانچنا بادشاہ کے انکار کے مترادف ہے، پھر بادشاہ کو بادشاہ ماننے کا حاصل کیا ہوا، جب کہ اس کے حکم کو بھی عقل پر پرکھنا ضروری ہو؟

اس تفصیل سے میں سمجھتا ہوں کہ عقل پرست وعقلیت زدہ لوگ عقل کے دائرۂ کار کے بارے میں جس غلط فہمی کا شکار ہیں، وہ یہاں سے واضح ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ ان غیب کے حقائق پر ایمان لانے کے لیے ضروری یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ یہ بات ہم کو معتبر ذریعے سے معلوم ہو اور جب معتبر ذریعے سے اس کا علم ہوجائے، تو اب یہی ہمارے لیے متعین ہے کہ ہم اس پر ایمان لائیں۔

« أخرج ابنُ جَرِيرٍ فِي تَهْذِيبِ الآثَارِ: حَدَّثَنِي أَبُو حُمَيْدٍ الْحِمْصِيُّ أَحْمَدُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُهَاجِرٍ و حَدَّثَنِي الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ: يَا وَيْحَ لَبِيدٍ! حَيْثُ يَقُولُ:

ذَهَبَ الَّذِيْنَ يُعَاشُ فِي أَكْنَافِهِمْ

وَبَقِيْتُ فِي خَلْفٍ كَجِلْدِ الْأَجْرَبِ

قَالَتْ عَائِشَةُ ﷺ: فَكَيْفَ لَوْ أَدْرَكَ زَمَانَنَا هٰذَا، قَالَ عُرْوَةُ رحمه الله: رَحِمَ اللّٰهُ عَائِشَةَ ﷺ، فَكَيْفَ لَوْ أَدْرَكَتْ زَمَانَنَا هٰذَا، ثُمَّ قَالَ الزُّهْرِيُّ رحمه الله: رَحِمَ اللّٰهُ عُرْوَةَ، فَكَيْفَ لَوْ أَدْرَكَ زَمَانَنَا هٰذَا، ثُمَّ قَالَ الزُّبَيْدِي رحمه الله: رَحِمَ اللّٰهُ الزُّهْرِيَّ فَكَيْفَ لَوْ أَدْرَكَ زَمَانَنَا هٰذَا، قَالَ مُحَمَّدٌ رحمه الله وَأَنَا أَقُوْلُ: رَحِمَ اللّٰهُ الزُّبَيْدِيَّ، فَكَيْفَ لَوْ أَدْرَكَ زَمَانَنَا هٰذَا، قَالَ أَبُو حُمَيْدٍ، قَالَ عُثْمَانُ رحمهما الله وَنَحْنُ نَقُوْلُ: رَحِمَ اللّٰهُ مُحَمَّداً، فَكَيْفَ لَوْ أَدْرَكَ زَمَانَنَا هٰذَا، قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ رحمه الله: قَالَ لَنَا أَبُو حَمِيْدٍ رحمه الله: رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ، فَكَيْفَ لَوْ أَدْرَكَ زَمَانَنَا هٰذَا، قَالَ ابْنُ جَرِيْرٍ رحمه الله: رَحِمَ اللّٰهُ أَحْمَدَ بْنَ الْمُغِيْرَةِ، فَكَيْفَ لَوْ أَدْرَكَ زَمَانَنَا هٰذَا. »

(قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ الْجَامِعُ: رَحِمَهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا، فَكَيْفَ لَوْ أَدْرَكُوا زَمَانَنَا هٰذَا)

(ويَقُوْلُ الفَقِيرُ الشَّارِحُ محمدُ شعيبُ اللّٰهِ المِفْتاحِي: رَحِمَ اللّٰهُ مُصَنِّفنا وعلىٰ أسلافنا جميعاً، فكيف لو أدركوا زمانَنا هٰذا؟)

ترجمہ: امام زہری رحمہ اللہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ لبید کا یہ شعر پڑھا۔

ذَهَبَ الَّذِيْنَ يُعَاشُ فِي أَكْنَافِهِم
وَبَقِيْتُ فِي خَلْفٍ كَجِلْدِ الْأَجْرَبِ

ترجمہ: وہ لوگ رخصت ہو گئے، جن کے زیرِ سایہ زندگی بسر ہوتی تھی اور میں نکمے قسم کے نااہلوں میں پڑا رہ گیا ہوں۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عجیب بات ہے کہ لبید اپنے زمانے والوں کے بارے میں یہ کہتا ہے، اگر وہ ہمارا زمانہ دیکھ لیتا، تو کیا رائے قائم کرتا!

حضرت عروہ رحمۃ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر رحم فرمائے، اگر وہ ہمارے زمانے کو پاتیں، تو کیا کہتیں؟

امام زہری رحمۃ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عروہ پر رحم کرے، اگر وہ ہمارے زمانے کو پاتے تو کیا کہتے؟

امام زہری رحمۃ اللہ کے شاگرد زبیدی رحمۃ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ امام زہری پر رحم فرمائے، اگر وہ ہمارا زمانہ دیکھتے، تو کیا کہتے؟

زبیدی رحمۃ اللہ کے شاگرد محمد بن مہاجر رحمۃ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ زبیدی پر رحم فرمائے، اگر وہ ہمارا زمانہ دیکھتے تو کیا کہتے؟

محمد بن مہاجر رحمۃ اللہ کے شاگرد عثمان بن سعید رحمۃ اللہ کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ محمد بن مہاجر پر رحم فرمائے، اگر وہ ہمارا زمانہ دیکھتے، تو کیا کہتے؟

عثمان رحمۃ اللہ کے شاگرد ابو حمید رحمۃ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ عثمان پر رحم فرمائے، اگر وہ ہمارا زمانہ دیکھتے، تو کیا کہتے؟

امام ابن جریر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہمارے استاذ ابو حمید پر رحم فرمائے، اگر وہ ہمارا زمانہ دیکھتے، تو کیا کہتے؟

ناکارہ مؤلف عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ ان سب پر رحم فرمائے، اگر یہ حضرات ہمارا زمانہ دیکھ لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟

(یہ حقیر وفقیر محمد شعیب اللہ المفتاحی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے مصنف پر اور ہمارے تمام اسلاف پر رحم فرمائے، یہ حضرات ہمارے زمانے کو دیکھتے، تو کیا کہتے؟)

تخریج و شرح

علامہ علی متقیؒ صاحب کنز العمال نے اس کو بہ رقم:۳۹۶۴۸ (۱۴/ ۵۷۸) اس کو ابن جریر طبریؒ کی کتاب الآثار کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور معمر بن راشدؒ نے الجامع:(۱۱/ ۲۴۷) ابن المبارکؒ نے الزھد:(۱۸۳)، حارثؒ نے مسند الحارث :(۲/ ۸۴۵) میں اس کو مختصراً روایت کیا ہے؛ نیز بیہقیؒ نے الزھد الکبیر :(۲/ ۱۲۱) اور بخاریؒ نے التاریخ الصغیر : (۱/ ۸۱) میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ ابن حجرؒ نے الإصابة:(۹/ ۳۸۲) میں اور ذہبیؒ نے سیر أعلام النبلاء :(۲/ ۱۹۸) میں اس کا ذکر کیا ہے، ابن حجرؒ نے فرمایا کہ یہ سلسلہ وار ابن مندہ تک اور سعدان تک پہنچا ہے اور ذہبیؒ نے فرمایا کہ اسناد کے ساتھ ہم نے اس کو مسلسلاً سنا ہے۔

انقلابِ زمانہ

حضرت عائشہ ﷺ نے عرب کے مشور شاعر "لبید" کا ایک شعر پڑھا، جس میں اس نے کہا کہ وہ لوگ چلے گئے، جن کے زیرِ سایہ زندگی بسر ہوتی تھی اور میں نکمے لوگوں میں جو کہ نا اہل ہیں، پڑا رہ گیا ہوں۔

اس شعر میں "جلد" بہ معنی "قوم یا خاندان" ہے اور مراد لوگ ہیں اور "اجرب" کے معنی "خارش زدہ" کے ہیں اور مراد یہ ہے کہ جس طرح خارشی اُونٹ کسی کام کے نہیں؛ بل کہ ان میں جو اونٹ بھی جاتا ہے، وہ بھی خارش زدہ ہو جاتا ہے، اسی طرح میں ایسے لوگوں میں پڑا رہ گیا ہوں، جو کسی کام کے نہیں؛ بل کہ نکمے اور نالائق ہیں اور ان کی صحبت سے کوئی فائدہ نہیں بل کہ نقصان ہے۔

حضرت عائشہ ﷺ نے یہ شعر پڑھ کر فرمایا کہ لبید نے اپنے زمانے کے لوگوں کے بارے میں یہ کہا ہے، اگر وہ ہمارے زمانے کو دیکھتا، تو کیا کہتا؟ اس کے بعد ہر راوی نے اپنے سے پہلے راوی کے بارے میں یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے، وہ ہمارے زمانے کو دیکھتے، تو کیا کہتے، جس

میں بگاڑ اور فساد روز بہ روز ترقی پر ہے؟ اور آخر میں ہمارے مصنف نے فرمایا کہ اللہ ان سب رحم کرے، یہ ہمارے زمانے کو دیکھتے، تو کیا کہتے؟

میں حقیر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے ساتھ ہمارے مصنف پر بھی رحم کرے، وہ ہمارے زمانے کو دیکھتے، تو کیا کہتے؟ کیوں کہ زمانہ لحہ بہ لحہ تنزل کی طرف جارہا ہے، شر میں اضافہ اور خیر میں کمی ہوتی جارہی ہے، سنتیں مٹتی اور بدعتیں زندہ ہورہی ہیں، اتحاد واتفاق رخصت اور اختلافات وتنازعات جنم لے رہے ہیں، پیار ومحبت کا نام ونشان بھی نہیں ہے اور بغض وعداوت کا بازار گرم ہے، ایمان ویقین کی باتیں عنقا (ایک نایاب پرندہ) ہوگئی ہیں اور بے ایمانی ونفاق کا عام چلن ہوگیا ہے۔

یہ سب ان حضرات کے ملاحظے میں آئے، تو وہ کیا فرمائیں گے اور کیا سمجھیں گے؟

الحدیث الشریف - ٨٤
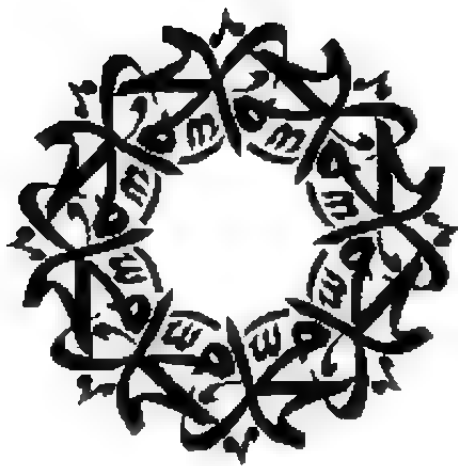
« عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ قَالَ: سَيَأْتِي نَاسٌ يُجَادِلُونَكُمْ بِشُبُهَاتِ الْقُرْآنِ، فَخُذُوهُمْ بِالسُّنَنِ؛ فَإِنَّ أَصْحَابَ السُّنَنِ أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ. »

ترجمہ: حضرت امیر المؤمنین عمر ﷺ فرماتے ہیں: عنقریب کچھ لوگ پیدا ہوں گے، جو قرآن (کی غلط تعبیر) سے (دین میں) شبہات پیدا کرکے تم سے جھگڑا کریں گے، انہیں سنن (سنتوں) سے پکڑو؛ کیوں کہ سنت سے واقف حضرات کتاب اللہ (کے صحیح مفہوم) کو خوب جانتے ہیں۔

تخریج وشرح

اس کو دارمیؒ نے اپنی سنن الدارمي: (۱۲۱) اور لالکائیؒ نے اعتقاد أهل السنة: (۱/۱۳۹) میں روایت کیا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے مفتاح الجنة: (۱/۴۱) میں ان کے حوالے سے درج کیا ہے اور یہ حدیث ''منقطع'' ہے؛ کیوں کہ عمر بن الاشج راوی، جو حضرت عمر ﷺ سے روایت کرنے والے ہیں، ان کو حضرت عمر ﷺ سے سماع حاصل نہیں؛ چناں چہ ابن ابی حاتمؒ نے فرمایا کہ یہ روایت ''مرسل'' (منقطع) ہے۔ (الجرح والتعدیل: ۶/۱۱۸) لیکن اس کی تائید دوسری روایت سے ہوتی ہے، جو حضرت علی ﷺ سے روایت کی گئی ہے، اس کو لالکائیؒ نے اعتقاد السنة (۱/۱۳۹) میں روایت کیا ہے؛ لہٰذا یہ پہلی حدیث کی شاہد ہوگی۔

انکارِ حدیث کا فتنہ

حضرت امیر المؤمنین عمر ﷺ نے فرمایا کہ ''عنقریب کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے، جو قرآن کے ذریعے شبہات پیدا کرکے تم سے دینی معاملات میں جھگڑیں گے اور مباحثہ ومناظرہ

کریں گے، تم ان کو سنتوں، یعنی حدیث کے ذریعے پکڑو؛ کیوں کہ سنت وحدیث کو جاننے والے ہی دراصل کتاب اللہ کو بہتر طور پر جاننے والے ہیں''۔

اس میں انکارِ حدیث کے فتنے کی طرف اشارہ ہے، جس کے موجد و بانی اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتے ہیں اور صرف قرآن کے کافی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کے لیے قرآن کی آیات سے لوگوں کو شبہے میں ڈال کر گمراہ کرتے ہیں، حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ ان کی پکڑ سنت وحدیث سے کرو، یعنی علمائے حدیث، جو قرآن کے ساتھ حدیث کا گہرا علم رکھتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ ان بے لگام اور خود ساختہ مفسرین کو سنت وحدیث کے ذریعے لگام دیں اور غلط روش سے ان کو بچائیں۔

یا اس میں مطلق ان لوگوں کا ذکر ہے، جو بلا علمِ دین کے قرآن کی تشریح کرتے ہیں اور اس میں شبہات نکال کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ ان کی پکڑ حدیث سے کرو۔

وجہ یہ ہے کہ حدیث، قرآن پاک کی تفسیر بھی کرتی ہے؛ لہٰذا کسی آیت کی تفسیر حدیث میں آئی ہو، تو اس کو سامنے رکھ کر آیت کو سمجھنا چاہیے، ورنہ محض عقل کی بنیاد پر یا لغت کی بنیاد پر تفسیرِ قرآن نہیں کی جاسکتی، جیسے حدیث میں ایک جگہ ''ظلم'' کی تفسیر شرک سے کی گئی ہے، جو ایک آیت میں واقع ہوا ہے۔ اگر یہاں یہ تفسیر نہ لی گئی، تو آیت نا قابلِ عمل ٹھہرتی ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن سمجھنے کے لیے حدیث ضروری ہے، اس فتنے کے بارے میں ہم آگے حدیث نمبر:۹۱ کے تحت بحث کریں گے۔

« عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: عَلَيْكُمْ بِالْعِلْمِ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ! وَقَبْضُهُ أَنْ يُذْهَبَ بِأَصْحَابِهِ ؛ عَلَيْكُمْ بِالْعِلْمِ ! فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَايَدْرِي مَتٰى يَفْتَقِرُ إِلَيْهِ أَوْ يُفْتَقَرُ إِلٰى مَاعِنْدَهُ . إِنَّكُمْ سَتَجِدُوْنَ أَقْوَامًا يَزْعُمُوْنَ أَنَّهُمْ يَدْعُوْنَكُمْ إِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ ، وَقَدْ نَبَذُوْهُ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ فَعَلَيْكُمْ بِالْعِلْمِ ! وَإِيَّاكُمْ وَالتَّبَدُّعَ ! وَإِيَّاكُمْ وَالتَّعَمُّقَ! وَعَلَيْكُمْ بِالْعَتِيْقِ!. »

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں: علم کے اٹھ جانے سے پہلے پہلے علم حاصل کرلو! اور علم کا اٹھ جانا یہ ہے کہ اہلِ علم رخصت ہوجائیں؛ خوب مضبوطی سے علم حاصل کرو، تمھیں کیا خبر کہ کب اس کو ضرورت پیش آ جائے، یا دوسروں کو اس کے علم کی ضرورت پیش آئے۔ (اور علم سے فائدہ اٹھانا پڑے) عنقریب تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے، جن کا دعویٰ یہ ہوگا کہ وہ تمھیں قرآنی دعوت دیتے ہیں؛ حالاں کہ کتاب اللہ کو انھوں نے پسِ پشت ڈال دیا ہوگا؛ اس لیے علم پر مضبوطی سے قائم رہو، نئی اُپج، بے سود کی موشگافی اور لایعنی غور وخوض سے بچو! (سلفِ صالحین کے) پرانے راستے پر قائم رہو!۔

تخریج وشرح

اس کو حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے دارمی نے سنن الدارمي :(۱۴۵) معمرؒ نے الجامع :(۱۱/۲۵۲) طبرانیؒ نے المعجم الکبیر:(۹/۱۸۹) لالکائیؒ نے اعتقاد السنة : (۱/۸۷) اور مروزیؒ نے السنة:(۸۶) میں روایت کیا ہے اور دارمیؒ کے سوا دوسروں کی حدیث میں ''وإیاکم والتفطع'' کا اضافہ ہے۔

علامہ ہیثمیؒ نے فرمایا کہ اس کے راویوں میں ''ابوقلابہ'' کو حضرت ابن مسعود ﷺ سے سماع

حاصل نہیں۔(مجمع الزوائد:۱/۳۳۶)

مطلب یہ ہوا کہ روایت ''منقطع'' ہے، مگر اس کی تائید دوسری روایت سے ہوتی ہے، جس کو امام بیہقیؒ نے المدخل إلی السنن میں موصولاً روایت کیا ہے، پہلے منقطع روایت ذکر کی اور فرمایا کہ یہ مرسل ہے اور اس کو شامیین کے طریق سے موصولاً (متصلاً) بھی روایت کیا گیا ہے، پھر وہ دوسرا طریق ذکر کیا ہے۔(المدخل إلی السنن:۳۸۷)

علمِ دین حاصل کرو!

اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے چند باتوں کی نصیحت اور ایک فتنے سے آگاہ کیا ہے:

۱- فرمایا کہ ''تم پر لازم ہے کہ علم کے اٹھ جانے سے پہلے پہلے علم حاصل کرلو اور علم اٹھ جانا یہ ہے کہ اہلِ علم اٹھ جائیں''۔

علمِ دین کی اہمیت وضرورت ایک مسلمہ چیز ہے اور علم سے دوری وبُعد ہزاروں فتنوں کی جڑ ہے۔ آج جو لوگ فتنوں کا شکار ہوکر گمراہی کی طرف جا رہے ہیں، ان کی اصل خرابی یہی علمِ دین سے ناواقفیت ہے، جس کی وجہ سے کسی بھی فتنے کا اثر قبول کر لیتے ہیں، بعض لوگ قادیانیت کے فتنے کا شکار ہوجاتے ہیں، وجہ کیا؟ جہالت، بعض لوگ انکارِ حدیث کے فتنے سے متاثر ہوجاتے ہیں، کیا سبب؟ وہی ناواقفیت! اسی طرح بسا اوقات جہالت کی وجہ سے آدمی عیسائیت وغیرہ قبول کر لیتا ہے۔

غرض یہ کہ جہالت اور علمِ دین سے ناواقفیت، ہزاروں فتنوں کا سامان ہے، اس لیے مسلمان کو جاہل ہونا یا جاہل رہنا جائز نہیں؛ بل کہ اس پر علمِ دین کی تحصیل فرض ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آگے فرمایا کہ ''تم میں سے کسے خبر کہ اس کو علم کی ضرورت پڑ جائے یا دوسروں کو اس کے علم کی ضرورت پڑ جائے''۔

یعنی اگر علم حاصل رہے گا، تو اس سے خود بھی متمتع ہوگا اور دوسرے بھی وقتِ ضرورت اس سے استفادہ کریں گے؛ اس لیے علم کی تحصیل میں بے خبری وغفلت نہیں کرنا چاہیے اور اگر فی الفور بھی کوئی ضرورت نہ محسوس ہو رہی ہو، تب بھی حاصل کر لینا چاہیے کہ نہ معلوم کب خود کو یا دوسروں کو ضرورت پڑ جائے۔

دین کے نام سے گمراہ کرنے والے

۲- پھر فرمایا کہ ’’تم عنقریب ایسے لوگوں کو پاؤ گے، جن کا گمان وخیال ہوگا کہ وہ اللہ کی کتاب کی طرف تم کو دعوت دے رہے ہیں؛ حالاں کہ ان لوگوں نے اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال رکھا ہوگا؛ اس لیے تم مضبوطی سے علم حاصل کرو‘‘۔

آج یہ فتنہ رونما ہو چکا ہے، جاہل اور علمِ دین سے کورے اور عمل سے عاری و خالی لوگ، محض نفسانیت وانانیت کی وجہ سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ وہ لوگوں کو اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دے رہے ہیں، حالاں کہ انھوں نے اس کی تعلیمات واحکامات کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے، اس پر عمل سے بدکتے ہیں اور تاویلات فاسدہ وکاسدہ سے ان کا انکار کرتے ہیں۔

جیسے بہت سے جھوٹے مدعیانِ تصوف اور پیری مریدی کے نام سے لوگوں کو گمراہ کرنے والے پیر ومشائخ ملیں گے، جن کے پاس دین وشریعت کی کوئی اہمیت نہیں، نمازوں سے ان کو کوئی سرو کار نہیں، مردوں اور عورتوں کا اختلاط ان کے آستانوں کی پہچان ہے، خلافِ شریعت رسومات و رواجات اور شرکیہ وکفریہ اعمال وافعال ان کا امتیاز ہے؛ مگر ان کو دعویٰ ہے کہ اصل دین کو ہم نے ہی سمجھا ہے اور علما کو دین سمجھ میں نہیں آیا اور علما ظاہرِ شریعت کو جانتے ہیں اور ہم باطنِ شریعت کو جانتے ہیں۔ اس طرح کے جھوٹے دعوے کر کے لوگوں کی راہ مارنا، اس طبقے کا شیوہ ہے۔

لہٰذا ان کی مکاریوں کو جاننے اور جانچنے کے لیے علمِ دین کا حصول ضروری ہے، ورنہ عام آدمی ان کی مکاریوں کے جال میں پھنس کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی لیے اس فتنے سے آگاہ کیا اور اس کے تدارک کے لیے علمِ دین کی ضرورت بیان فرمائی۔

بدعت سے بچو!!!

۳- فرمایا کہ ’’دین میں بدعت اور نئی بات سے بچو!‘‘۔

اس میں بدعت کے فتنے سے اپنے کو بچانے کا حکم دیا ہے؛ اسلام کی نظر میں بدعت انتہائی معیوب ومکروہ اور بدترین کام ہے اور اس کے بارے میں بڑی شدت برتی گئی ہے؛ کیوں کہ بدعت شریعت سے بغاوت کا نام ہے، مگر وہ شریعت کا لیبل لگا کر لوگوں کے سامنے آتی ہے، اللہ

کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ

" من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه ، فهو رد "(جس نے دین میں وہ چیز جاری کی، جو دین میں سے نہیں ہے؛ وہ مردود ہے۔(۱)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خطبے میں فرمایا کہ

أما بعد: فإن خيرَ الحديثِ كتابُ اللّٰهِ وخيرَ الهَدي هَديُ محمَّدٍ(ﷺ)وشرَّ الأُمور مُحدَثاتُها وَكلُّ بدعةٍ ضَلالَة .

ترجمہ : اما بعد: بلا شبہ بہترین کلام، اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور بدترین چیز من گھڑت باتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے اور بعض روایات میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ ہر گمراہی جہنم میں لے جاتی ہے "۔(۲)

اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

من ابتدع في الإسلام بدعةً يراها حسنةً ، فقد زعم أنَّ محمداً ﷺ خان الرسالةَ ؛ لأن اللّٰه تعالىٰ يقول: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ فما لم يكن يومَئذٍ ديناً، فلايكون اليومُ ديناً .

ترجمہ : جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا کی اور اس کو کوئی اچھا کام سمجھا، تو اس نے یہ زعم کیا کہ نعوذ باللہ محمد ﷺ نے رسالت کی ذمہ داری ادا کرنے میں خیانت کی ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں:(آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا) پس جو بات اس وقت دین نہیں تھی، وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتی۔(۳)

غرض یہ کہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ نئی بات پیدا کی جائے اور اس کو کارِ ثواب سمجھا جائے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔

---

(۱) البخاري: ۲۶۹۷،المسلم ۴۴۹۲،أبو داؤد ۴۶۰۶،ابن ماجه:۱۴،احمد:۲۵۴۷۲

(۲) المسلم:۲۰۰۵،النسائي:۱۵۷۹،ابن ماجه :۴۵،أحمد:۱۴۳۳۴

(۳) الاعتصام للشاطبیؒ :۶۲/۱

بال کی کھال نہ نکالو

۴- فرمایا کہ" وَاِیَّاکُمْ وَالتَّعَمُّقَ!" (یعنی دین میں لایعنی موشگافیوں سے بچو!)
اسلام دینِ فطرت ہے، جس میں سادگی و بے تکلفی ہے؛ اس لیے اسلامی احکام کے لیے منطقی طرزِ استدلال و فلسفیانہ موشگافیوں کے بہ جائے، نہایت ہی عام فہم طرزِ استدلال اور دل لگتے دلائل وسادہ و بے تکلف اندازِ بیان اختیار کیا گیا اور اسلامی احکام کو ایسی چیزوں پر موقوف نہیں رکھا گیا، جو دقیق فلسفیانہ مباحث اور عمیق سائنسی تجربات کے محتاج ہوں؛ بل کہ ان کے لیے وہ امور شروع کیے گئے، جس کو عام سے عام آدمی بھی معلوم کر کے عمل میں لا سکتا ہے۔ اس لیے علما آج بھی چاند کے مسئلے کو" جدید فلکیاتی علوم" کے بہ جائے" رویت وشہادت" کے عام اصول و سادہ طریق پر حل کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اسلام کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی ہے۔ غرض! اسلام میں تعمق اور بے جا دقت پسندی، پسندیدہ نہیں ہے۔

تکلفات سے بچو!

۵- دارمیؒ کے علاوہ دوسرے محدثین نے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کی اس حدیث میں" إیاکم والتنطع" کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے، یعنی" بول چال میں تکلف وبناوٹ سے بچو!" اس کی وجہ ظاہر ہے؛ کیوں کہ" تکلف" اسلامی مزاج کے بالکل خلاف ہے، اس میں سادگی و بے تکلفی کی تعلیم ہے اور تکلفات سے بچنے کا حکم ہے اور یہ سادگی ہر ہر چیز میں کھانے، پینے، لباس و پوشاک، رہن سہن، بات چیت، چلنے پھرنے، میل ملاقات؛ غرض یہ کہ تمام امور میں اسلام اس کو پسند کرتا ہے کہ سادگی و بے تکلفی ہو اور تصنع و بناوٹ نہ کی جائے۔

آج اکثر لوگ اس سے محروم ہیں اور ہر چیز میں تکلفات اور بناوٹ کے عادی ہو چکے ہیں اور اس میں یقیناً یا غالباً دکھاوا مقصود ہوتا ہے، حتی کہ بعض علما و طلبا اور اہلِ مدارس بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی اس میں شریک ہو گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ اسلام میں دکھاوا معیوب و مذموم چیز ہے؛ اس لیے تکلفات بھی معیوب و مذموم ہیں، اسی لیے حضرت ابن مسعود ﷺ نے ان سے بچنے کی تعلیم دی اور سادگی کا سبق دیا ہے۔

سلف کا طریقہ اختیار کرو!

٦- فرمایا کہ ''تم پر پرانا طریقہ لازم ہے''۔

ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''اس سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے'' (جامع العلوم: ٢/٨٩١)؛ لہٰذا اس پرانے طریقے کو مضبوط پکڑنا چاہیے۔ یہاں ایک بات سمجھ لینا ضروری ہے، وہ یہ کہ بعض چیزیں دین کے مقاصد میں داخل ہیں اور بعض ان مقاصد کے لیے وسائل اور ذرائع کا درجہ رکھتے ہیں؛ مقاصدِ دین میں کوئی ترمیم وتبدیلی کی گنجائش نہیں ہوتی، اس میں قدیم روش و طریقہ اپنانا لازم وضروری ہے، کسی نئی چیز کا ایجاد کرنا قطعاً روا نہیں؛ لیکن ذرائع ووسائل میں حالات وزمانے کے فرق سے تبدیلیاں آتی رہتی ہیں، ان تبدیلیوں کو قبول کرنا اور جدید سے جدید چیز کو وسیلے کے طور پر لے کر مقاصدِ شرع کو پورا کرنا جائز ہے، مثلاً: حج کے ارکان اور اس کی ادائیگی کے طریقے میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی کہ وہ مقاصد میں داخل ہے؛ لیکن حج کے لیے جانے اور آنے میں ذرائع ووسائل مختلف ہو سکتے ہیں؛ مثلاً: کسی زمانے میں پیدل، کسی زمانے میں اونٹ وغیرہ سواریوں پر، پھر کبھی بحری جہازوں سے حج کے لیے جایا جاتا تھا اور آج ہوائی جہاز سے پہنچتے ہیں؛ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح ہر زمانے اور حالات کے لحاظ سے ذرائع ووسائل مختلف ہو سکتے ہیں، ان کو اختیار کرنے میں کوئی برائی وتنگی نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فرمان میں کہ ''تم پر پرانا طریقہ لازم ہے'' مقاصد کا طریقہ مراد ہے، نہ کہ وسائل کا، خوب سمجھ لیں!!۔

« عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَبِسَتْكُمْ فِتْنَةٌ يَهْرَمُ فِيهَا الْكَبِيْرُ وَيَرْبُوْا فِيهَا الصَّغِيْرُ، إِذَا تُرِكَ مِنْهَا شَيْئٌ قِيْلَ: تُرِكَتِ السُّنَّةُ (وَفِيْ رِوَايَةٍ: وَيَتَّخِذُهَا النَّاسُ سُنَّةً فَإِذَا غُيِّرَتْ، قَالُوْا: غُيِّرَتِ السُّنَّةُ) قَالُوْا: وَمَتیٰ ذٰلِکَ؟ قَالَ: إِذَا ذَهَبَتْ عُلَمَاءُ كُمْ وَكَثُرَتْ جُهَلَاءُ كُمْ، وَكَثُرَتْ قُرَّاءُ كُمْ وَقَلَّتْ فُقَهَاءُ كُمْ وَكَثُرَتْ أُمَرَاءُ كُمْ وَقَلَّتْ أُمَنَاءُ كُمْ وَالْتُمِسَتِ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ وَتُفُقِّهَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ.»

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرمایا کرتے تھے: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا، جب کہ فتنہ تم میں سرایت کر جائے گا، ادھیڑ عمر کے لوگ اسی میں بوڑھے ہو جائیں گے اور بچے جوان ہو جائیں گے، لوگ اسی فتنے کو سنت قرار دے لیں گے کہ اگر اسے چھوڑ دیا جائے، تو کہا جائے گا کہ سنت چھوڑ دی گئی، عرض کیا گیا: ایسا کب ہوگا؟ فرمایا: جب تمہارے علما جاتے رہیں گے اور (پڑھے لکھے) جاہلوں کی کثرت ہوگی، تم میں حرف خواں زیادہ اور فقیہ کم ہوں گے، امیر زیادہ اور دیانت دار کم ہوں گے، آخرت والے اعمال سے دنیا سمیٹی جائے گی اور بے دینی کے لیے اسلامی قانون پڑھا جائے گا۔

تخریج و شرح

اس کو دارمی رحمۃ اللہ نے دو سندوں کے ساتھ بہ رقم: (۱۹۱/۱۹۲)، حاکمؒ نے المستدرک: (۸۶۳۵) نعیم بن حمادؒ نے الفتن: (۴۲/۱ و ۴۸/۱) بیہقیؒ نے المدخل: (۸۵۸) ابن ابی شیبہؒ نے مصنف ابن ابي شيبة: (۳۸۳۱۱) معمر بن راشد رحمۃ اللہ نے الجامع: (۳۵۹/۱۱) میں روایت کیا ہے۔

حاکمؒ نے روایت کر کے سکوت فرمایا ہے اور دارمی کے پہلے طریق میں سارے راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت اعمش ثقہ ہونے کے باوجود مدلس ہیں اور انھوں نے یہاں عنعنہ کیا ہے، جس کی وجہ سے روایت ضعیف ہوگئی۔ اور دارمیؒ کے دوسرے طریق میں ایک روای ''یزید بن ابی زیاد'' ہے، جو مختلف فیہ ہے، احمد بن صالحؒ نے ان کو ثقہ اور ابو حاتمؒ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ (التھذیب: ۱۱/ ۳۲۹) غرض یہ دو روایات ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں؛ نیز معمرؒ نے اس کو ایک اور طریق سے عن معمر عن قتادة روایت کیا ہے، اس طرح اس حدیث کو تعددِ طرق سے قوت مل جاتی ہے اور ''حسن'' ہو جاتی ہے۔

بدعت کو سنت سمجھنے کا فتنہ

اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک خوف ناک فتنے کا ذکر کیا ہے، جو طویل زمانے تک لوگوں میں رہے گا اور لوگوں پر حاوی ہو جائے گا، جس میں ادھیڑ عمر کے لوگ بوڑھے اور بچے جوان ہو جائیں گے؛ یہ کیا فتنہ ہوگا؟

یہ فتنہ جہالت اور دین سے دوری و بعد کا فتنہ ہوگا، لوگ اس وقت جہالت و بے دینی میں پڑے ہوں گے، حتی کہ ان کو اسلام کا حقیقی چہرہ کیا ہے، معلوم نہ ہوگا جہالت کی باتوں کو دین سمجھ کر عمل کرتے رہیں گے، حتی کہ ان جہالت کے کاموں میں سے کوئی کام چھوٹ جائے، تو لوگ کہیں گے کہ سنت چھوٹ گئی یا چھوڑ دی گئی؛ یعنی بدعات و رسومات ہی کو دین و شریعت اور سنت سمجھ کر عمل کرتے ہوں گے اور کوئی بات کسی نے ترک کر دی، تو سمجھیں گے کہ دین کی بات ترک کر دی گئی؛ حالاں کہ وہ دین نہیں، دین کے خلاف بات ہوگی۔

آج بھی بہت سے علاقوں میں یہ صورت حال دیکھی جاسکتی ہے، جہاں من گھڑت باتوں اور جاہلانہ رسموں کا نام دین ہے، اگر کوئی امام ان کی اصلاح کے لیے یہ کہہ دے کہ یہ رسم ترک کرو کہ اس کا دین سے تعلق نہیں، تو وہ لوگ مارنے مرنے کو تیار ہو جائیں اور من گھڑت رسموں کو سنت و شریعت سے بڑھ کر دل سے لگائیں گے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک انہی بدعات و رسومات کا نام دین ہے۔

ایسا کب ہوگا؟

لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ سے پوچھا کہ ایسا کب ہوگا؟ تو فرمایا کہ

> ''جب تم میں علما نہ رہیں گے، جاہلوں کی کثرت ہوجائے گی، قرآن پڑھنے والے بہت ہوں گے، مگر سمجھنے والے کم ہوں گے اور حاکم تو بہت لوگ ہوں گے، مگر دیانت دار کم لوگ ہوں گے اور آخرت کے کاموں سے دنیا تلاش کی جائے گی اور دنیا کے لیے فقہ وعلمِ دین حاصل کیا جائے گا''۔

آج یہ ساری باتیں منظرِ عام پر آچکی ہیں، حقیقی علما کم اور جاہل (پڑھے لکھے جاہل) بہت ہیں، قرآن پڑھنے والے بہت ہیں، مگر قرآن کا فہم و درک رکھنے والے کم ہیں، حتیٰ کہ علما میں بھی نام کے علما اور عہدے ومنصب کے پجاری، سیاست دانوں کے غلام اور چیلے بہت ہیں، مگر حقیقی علماء کم ہیں، اسی طرح سیاست داں اور منصب دار تو بہت ہیں، مگر امانت دار کتنے ہیں؟ قوم وملت کی خیانت نہ کر کے ان کو صحیح طور پر حقوق دینے والے کتنے ہیں؟ اسی طرح علمِ دین میں دنیا طلبی کا عنصر شامل ہوگیا ہے، جس کے نتیجے میں جہالت عام ہوتی جارہی ہے اور شریعت کے نام پر جہالت کے کام جاری ہورہے ہیں؛ حتیٰ کہ بعض مدارس تک میں خرافات ومحرمات کا شو، فخر کے طور پر کیا جارہا ہے۔ (فإلی اللّٰہ المشتکی)

الحدیث الشریف - ۸۷

« وَأَخْرَجَ الإِمَامُ مَالِکٌ فِي جَامِعِ الصَّلاةِ (ص:١٦٠) أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ ﷺ قَالَ لِإِنْسَانٍ: إِنَّکَ فِي زَمَانٍ کَثِیْرٌ فُقَهَاءُهُ، قَلِیْلٌ قُرَّاءُهُ، تُحْفَظُ فِیْهِ حُدُوْدُ الْقُرْآنِ وَتُضَیَّعُ حُرُوْفُهُ، قَلِیْلٌ مَنْ یَّسْئَلُ، کَثِیْرٌ مَنْ یُعْطِي، یُطِیْلُوْنَ فِیْهِ الصَّلاةَ وَیُقَصِّرُوْنَ الْخُطْبَةَ، یَبْدَءُوْنَ فِیْهِ أَعْمَالَهُمْ قَبْلَ أَهْوَائِهِمْ وَسَیَأْتِي عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ قَلِیْلٌ فُقَهَاءُهُ، کَثِیْرٌ قُرَّاءُهُ، تُحْفَظُ حُرُوْفُ الْقُرْآنِ وَتُضَیَّعُ حُدُوْدُهُ کَثِیْرٌ مَّنْ یَسْئَلُ، قَلِیْلٌ مَنْ یُّعْطٰی، یُطِیْلُوْنَ فِیْهِ الْخُطْبَةَ وَیُقَصِّرُوْنَ الصَّلٰوةَ، یَبْدَؤُنَ فِیْهِ أَهْوَائَهُمْ قَبْلَ أَعْمَالِهِمْ. »

ترجمہ: مؤطا امام مالک کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: دیکھو! تم ایسے زمانے میں ہو، جس میں فقیہ (دین سمجھنے والے) زیادہ ہیں اور قاری کم، اس زمانے میں قرآن کے حروف سے زیادہ اس کی حدود (احکامات) کی نگہداشت کی جاتی ہے، مانگنے والے کم اور دینے والے زیادہ ہیں، خطبہ مختصر اور نماز لمبی ہوتی ہے، اس زمانے میں لوگ اعمال کو خواہشات پر مقدم رکھتے ہیں۔ (اور) ایک زمانہ ایسا آئے گا، جس میں فقیہ کم ہوں گے اور قاری زیادہ، قرآن کے حروف کی خوب حفاظت کی جائے گی، مگر اس کے حدود (احکامات) کو پامال کیا جائے گا، مانگنے والوں کی بھیڑ ہوگی؛ لیکن دینے والے کم ہوں گے، تقریریں بڑی لمبی چوڑی کریں گے؛ لیکن نماز مختصر سی پڑھیں گے اور لوگ اعمال سے پہلے اپنی خواہشات کو آگے رکھیں گے۔

تخریج وشرح

اس کو امام مالک نے مؤطا: (۵۹۷) میں اور انہی کے طریق سے بیہقیؒ نے شعب الإیمان:

(۴/ ۲۵۸) میں اور ابوعمرو الدانیؒ نے السنن الواردۃ: (۲/ ۶۷۵) میں روایت کیا ہے۔ امام مالکؒ تک اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، مگر روایت میں انقطاع ہے؛ کیوں کہ امام مالکؒ کے شیخ یحیٰ بن سعید انصاری مدنی نے اس کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حالاں کہ ان کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل نہیں، امام ابن المدینیؒ نے فرمایا کہ سوائے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے یحیٰ بن سعید نے کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔ (کما في التهذیب ۴/ ۳۶۰)

قرا کی کثرت اور فقہا کی قلت کا دَور

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی نصیحت میں اپنے زمانے کا اور بعد میں آنے والے زمانے کا تقابل فرمایا ہے اور دونوں کے درمیان جو زمین و آسمان کا فرق ہے، اس کی نشان دہی کی ہے۔

۱- ایک تو یہ فرمایا کہ ''وہ (صحابہ رضی اللہ عنہم کا) زمانہ ایسا ہے، جس میں فقہا زیادہ اور قرا کم ہیں اور ایک زمانہ بعد میں آئے گا، جس میں قرا زیادہ اور فقہا کم ہوں گے اور اس زمانے میں حروف سے زیادہ قرآن کے حدود و احکام کی نگہ داشت و پاس داری کی جاتی ہے اور ایک زمانہ ایسا آئے گا، جس میں حروف کی پوری نگہ داشت کی جائے گی، مگر حدودِ شریعت کو پامال کیا جائے گا''۔

''فقہا'' وہ حضرات ہیں، جو قرآن کو صحیح طور پر پڑھتے بھی ہیں اور صحیح طور پر سمجھتے بھی ہیں اور علومِ شریعت پر ان کی گہری نظر بھی ہوتی ہے اور وہ قرآن و حدیث کے منشأ و مقصد کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان سے احکام کے استنباط کا ملکہ رکھتے ہیں۔

اور قرا سے مراد وہ لوگ ہیں، جو قرآن کو اچھی آواز و لہجے میں اور حروف و الفاظ کو بنا سنوار کر پڑھتے ہیں اگر چہ اس کے مطالب و مضامین اور مقاصد و قوانین کی طرف دھیان نہیں دیتے، قال الشیخ الحدیث: الذین یقرؤن بدون معرفة المعنیٰ.(۱)

یہاں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ ''اس (صحابہ رضی اللہ عنہم کے) زمانے میں حدودِ قرآن کی حفاظت کی جاتی تھی اور حروف کو ضائع کیا جاتا تھا'' یہ اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے؛ کیوں کہ حروف کی تضییع کے ساتھ قرآن سمجھا کیسے جاسکتا ہے؟ اس لیے اس کو بعض حضرات نے اس زمانے کے منافقین پر محمول کیا ہے۔(۲)

---

(۱) اوجز المسالک: ۳/ ۵۵۷

(۲) زرقاني: ۱/ ۵۰۰، اوجز المسالک: ۳/ ۵۵۸

اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے، جو اس سلسلے میں فرمایا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

اس سے مراد قرأت کی مختلف انواع میں توسع کی وجہ سے وہ حضرات اس کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے تھے اور اس کے مقابلے میں احکام کی زیادہ رعایت کرتے تھے۔(۱)

اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ نے اس بارے میں جو فرمایا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ حکم اکثر کے لحاظ سے ہے(یعنی اس زمانے میں عام صحابہ ضروری تجوید پر اکتفا کرتے تھے اور اس کی باریکیوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے) بل کہ وہ حضرات حروف، اظہار، واخفا وغیرہ کے مقابل زیادہ محافظت اور اہتمام، قرآن کے فہم وفقہ کا فرماتے تھے۔(۲)

غرض یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تقابل فرمایا، اپنے دور اور بعد کے ادوار کا اور دونوں میں فرق کو واضح کیا۔

آج ہم اس زمانے میں یہ نقشہ دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے مدارس ومکاتب میں بہ نسبت ماضی کے، قرآن کی تجوید وترتیل پر بہت زور دیا جارہا ہے، مگر اس کے علم وفہم اور اس پر عمل کی طرف وہ دھیان نہیں ہے، جو ہونا چاہیے تھا؛ اوپر بھی حدیث پاک میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔

ایک ضروری تنبیہ

یہاں معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کو صحیح پڑھنے پر زور دینے کی برائی مقصود نہیں ہے؛ بل کہ عمل وفہم پر زور نہ دینے کی برائی مقصود ہے، یہاں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے! چناں چہ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے زمانے میں قرأتِ قرآن میں کمی تھی؛ بل کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے کی تعریف ومدح کثرتِ فقہا سے کی ہے کہ اس زمانے میں فقہا بہت تھے اور ان حضرات صحابہ کی فقہ زیادہ تر قرآن

(۱) تنویر الحوالک: ۱/۱۸۷

(۲) اوجز المسالک: ۳/۵۵۸

سے مستنبط تھی؛ کیوں کہ وہاں بلا سمجھے پڑھنے والے کم تھے اور یہ بات محال ہے کہ جس نے قرآن کو محفوظ نہ کیا ہو، وہ قرآن سے احکام کا استنباط کرلے اور جو قرآن پڑھا ہوا نہ ہو، اس کو فقہ سے متصف کیا جائے اور یہ بھی (محال) ہے کہ ابن مسعود ﷛ اپنے فضل ومرتبے کے باوجود، تلاوتِ قرآن میں بڑا مقام رکھنے کے باوجود، صحابہ کرام کی تعریف، قراءت میں کمی کی بنا پر کریں (آگے فرمایا کہ) معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت اور اس کا حفظ اونچے مناقب وفضائل میں سے ہے اور یہ ناممکن ہے کہ تلاوت کرنے کی وجہ سے عیب لگایا جائے؛ لہٰذا حضرت ابن مسعود ﷛ کے قول کی تاویل واجب ہے۔(۱)

حاصل یہ کہ آپ کی مراد، بعد کے دور والوں کی قلتِ فقاہت کی برائی کرنا ہے، نہ کہ تلاوت کرنے کی برائی، جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں۔

بھکاریوں کی بھیڑ

۲- دوسرا تقابل یہ فرمایا کہ ”اس زمانے میں مانگنے والے کم اور دینے والے زیادہ ہیں اور بعد کے دور میں مانگنے والے زیادہ اور دینے والے کم ہوں گے“۔

آج بھیک مانگنے والوں کی بھیڑ دکھائی دیتی ہے، خصوصاً شہروں میں بھیک مانگنے والوں کا انتہائی مکروہ منظر دکھائی دیتا ہے اور دینے والے خال خال ہوتے ہیں؛ ایک دور ایسا گذرا کہ لوگ فقر و فاقے کے باوجود مانگتے نہیں تھے، دینے والوں کو تلاش کر کے دینا پڑتا تھا اور آج بھیک مانگنے والے بے ضرورت؛ بل کہ محض مال و دولت بڑھانے کی غرض سے مانگتے ہیں، کسی فقر واحتیاج کی بنا پر نہیں مانگتے، ان کو فقر وفاقے نے مانگنے پر مجبور نہیں کیا ہے؛ بل کہ یہ بھیک ایک دھندہ اور تجارت ہوگئی ہے اور اس کا ایک طبقہ ہے، جو اپنے بچوں کو اس کی ٹریننگ (Training) بھیدیتا ہے۔

ایک طرف تو بھیک کا یہ منظر آج دیکھنے کو ملتا ہے، دوسری طرف ان سے بھی اعلیٰ درجے کے ”مہذب بھکاریوں“ کا بھی ایک منظر آج دکھائی دیتا ہے، جو جوان ہٹے کٹے ہونے اور مال دار

(۱) شرح الموطاللزرقانی: ۱/۵۰۰

ہونے کے باوجود شادی کے بہانے لڑکی والوں سے بھیک مانگتے ہیں اور جوڑے جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں؛ حالاں کہ یہ صریح حرام اور ناجائز ہے۔حدیث میں بلاضرورتِ شدیدہ، مانگنے والوں کی سخت مذمت اور ان پر سخت وعید ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ

"جو آدمی لوگوں سے مانگتا ہے، وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ٹکڑا نہ ہوگا۔ (۱)

مگر افسوس کہ آج غیر مہذب بھکاریوں کے ساتھ ان مہذب بھکاریوں کی بھی ایک بھیڑ کی بھیڑ موجود ہے، اگلے زمانوں میں اس کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اور دینے والوں کا حال یہ ہے کہ ضرورت مندوں اور یتیموں و بیواؤں کی حاجت وضرورت کو جاننے کے باوجود مال دار طبقہ از خود دینا نہیں چاہتا؛ بل کہ مانگنے پر بھی حقارت وتوہین کے ساتھ اور اپنی بڑائی کے ساتھ اور احسان جتا کر دیتا ہے اور اس کے خلاف حضرات صحابہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ خود حاجت مندوں کو تلاش کر کے دیتے اور لینے والے کا احسان سمجھتے تھے۔

خطبہ طویل، مگر نماز مختصر!

۳- تیسرا تقابل دونوں زمانوں میں یہ فرمایا کہ "اس زمانے میں لوگ (خطیب لوگ) نماز کو طویل اور خطبے کو چھوٹا کرتے ہیں اور بعد کے زمانے میں یہ ہوگا کہ نماز تو مختصر پڑھیں گے اور خطبہ اور وعظ کو طویل کریں گے"۔

ظاہر ہے کہ نماز اصل اور اہم عبادت اور مقصود بالذات عبادت ہے اور خطبہ و وعظ تو اسی نماز اور دیگر عبادات اور احکامِ شرعیہ کی طرف متوجہ کرنے اور راغب کرنے کا ایک ذریعے وطریق ہے، اگر ذریعے اور وسیلے میں ہی سارا وقت کھپا دیا جائے گا، تو اصل مقصد کب پورا ہوگا؟ عقل مندی یہ ہے کہ ذریعے ووسیلے پر قوت کم لگے اور مقصد پر زیادہ؛ چناں چہ حدیث میں اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا ارشاد آیا ہے کہ

"إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ".

---

(۱) بخاری: ۱۴۷۴، المسلم: ۲۳۹۸، النسائی: ۲۵۸۶، احمد: ۴۶۳۸

ترجمہ: یعنی آدمی کا نماز کو طویل اور خطبے کو مختصر کرنا، اس کی سمجھ داری کی علامت ہے۔ (۱)

پہلے تو ایسا ہی ہوتا تھا اور اب اس کے خلاف یہ ہوتا ہے کہ سارا وقت تو وعظ و بیان اور تقریر میں گذر جاتا ہے اور لوگ بھی لمبے لمبے وعظ سننے کو تیار ہو جاتے ہیں، مگر نماز میں ذرا طول ہو جائے، تو شکوہ شکایت کرنے لگتے ہیں، وعظ و نصیحت کو ضرورت کے بہ جائے ایک مقصد سمجھ لیا گیا ہے؛ حالاں کہ وہ مقصد تک پہنچنے یا پہنچانے کا وسیلہ ہے۔

عمل پر خواہش کو مقدم کیا جائے گا

۴- چوتھا تقابل یہ فرمایا کہ ''اس زمانے میں لوگ خواہشات کو پورا کرنے سے پہلے اعمال کا اہتمام کرتے ہیں اور بعد میں ایسا ہوگا کہ لوگ اعمال سے پہلے اپنی خواہشات کو پورا کریں گے''۔

اس میں خواہشات سے مراد غالباً ''مباح و جائز خواہشات'' ہیں، مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنی جائز خواہشات کو پورا کرنے کے بہ جائے اعمالِ صالحہ کی طرف لپکتے تھے اور تجارت، کھانا پینا، بیوی بچے وغیرہ سب حلال خواہشات ہیں، مگر اعمال کی طرف رغبت انھیں اعمال کو آگے کرنے پر مجبور کرتی تھی؛ چناں چہ قرآن میں ان حضرات کی شان میں فرمایا گیا ہے کہ

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ إِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ، الخ﴾ (سورہ نور: ۳۷)

ترجمہ: وہ مرد کہ ان کو ان کی تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے اور زکاۃ دینے سے غافل نہیں کرتی الخ۔

حضرت عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جو اذان سنتے ہی نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک روز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بازار سے گذرے، تو نماز کا وقت ہو گیا تھا، لوگوں کو دیکھا کہ دکانیں بند کر کے مسجد کی طرف جا رہے ہیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انھی حضرات کے بارے میں یہ

---

(۱) المسلم: ۲۰۰۹، أحمد ۱۸۳۱۷، الدارمی: ۱۵۹۷

آیتِ کریمہ نازل ہوئی ہے۔ (۱)

اوراسی طرح کا واقعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی آیا ہے۔ (۲)

ایک روایت میں ہے کہ عہدِ رسالت میں دو صحابی تھے، ایک تجارت کرتے تھے، دوسرے صنعت وحرفت یعنی ''لوہار'' کا کام کرتے تھے؛ پہلے صحابی کا حال یہ تھا کہ اگر سودا تو لنے کے وقت اذان کی آواز کان میں پڑ جاتی، تو وہیں ترازو کو پٹک کر نماز کے لیے چلے جاتے اور دوسرے صحابی کا حال یہ تھا کہ اگر گرم لوہے پر ہتوڑے کی ضرب لگا رہے ہیں اور کان میں اذان کی آواز آ گئی، تو اگر ہتوڑا مونڈھے پر بھی ہو، تو وہیں مونڈھے کے پیچھے ہی اس کو ڈال کر نماز کو چل دیتے تھے؛ ان حضرات کی تعریف میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (۳)

یہ حال تھا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اور آج یہ حال ہے کہ لوگ حلال تو حلال، حرام خواہشات کو پورا کرنے کے لیے بھی اعمال کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں، نماز کا وقت آ جائے، تو دَورِ اول میں کسی کی مجال تھی کہ نماز چھوڑ کر کاروبار میں لگا رہے؟ اور آج کتنے ہیں، جو کاروبار چھوڑ کر نماز کو آتے ہیں، آج معمولی معمولی حیلوں اور بہانوں سے احکاماتِ خداوندی واعمالِ شرعیہ کو پسِ پشت ڈال دینا ایک معمولی بات ہے۔

دونوں کے اس فرق کو سامنے رکھ کر آدمی کو اپنی اصلاح کی فکر کرنا چاہیے اور اپنے ساتھ ساتھ دوسرے بھائیوں اور اپنے معاشرے وماحول کی اصلاح کی بھی فکر کرنا چاہیے۔

---

(۱) الدر المنثور :۱۱/۸۵

(۲) تفسیر الطبری :۱۷/۳۲۲، الدر المنثور :۱۱/۸۵

(۳) تفسیر القرطبی :۱۲/۲۷۹

الحديث الشريف - ۸۸

« عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ عَامٌ إِلَّا وَهُوَ شَرٌّ مِنَ الَّذِي قَبْلَهُ أما إِنِّي لَسْتُ أَعْنِي عَامًا أَخْصَبَ مِنْ عَامٍ وَلَا أَمِيرًا خَيْرًا مِنْ أَمِيرٍ مِنْ أَمِيرٍ وَلٰكِنْ عُلَمَاءُكُمْ وَخِيَارُكُمْ وَفُقَهَاءُكُمْ يَذْهَبُوْنَ ، ثُمَّ لَا تَجِدُوْنَ مِنْهُمْ خُلَفَاءَ وَتَجِيءُ قَوْمٌ يَقِيْسُوْنَ الْأَمْرَ بِرَأْيِهِمْ . »

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں: تم پر ہر آئندہ سال پہلے سے بُرا آئے گا، میری مراد یہ نہیں کہ پہلا سال دوسرے سال سے غلے کی فراوانی میں اچھا ہوگا یا ایک امیر دوسرے امیر سے بہتر ہوگا؛ بل کہ میری مراد یہ ہے کہ تمام علمائے صالحین اور فقیہ ایک ایک کر کے اٹھتے جائیں گے اور تم ان کا بدل نہیں پاؤ گے اور (قحط الرجال کے اس زمانے میں) بعض ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جو دینی مسائل کو محض اپنی ذاتی قیاس آرائی سے حل کریں گے۔

تخریج و شرح

اس کو دارمیؒ نے سنن الدارمي میں بہ رقم: (۱۹۴) طبرانیؒ نے المعجم الکبیر: (۹/۱۰۹) الدرانیؒ نے السنن الواردة: (۳/۵۱۷) بیہقیؒ نے المدخل: (۱/۱۸۸) میں روایت کیا ہے اور ابن حجرؒ نے فتح الباري: (۱۱/۲۸۳) میں اس کو ذکر کر کے سکوت فرمایا ہے، جو اس کے قابلِ احتجاج ہونے کی دلیل ہے، اس کے راویوں میں ''مجالد بن سعید'' مختلف فیہ ہے، نسائیؒ یعقوب بن سفیانؒ اور ابوذرعہؒ نے ان کی توثیق کی ہے اور یحیٰ القطانؒ، احمدؒ و یحیٰ بن معینؒ نے ان کی تضعیف کی ہے۔ (التھذیب: ۴/۲۲، سیر اعلام النبلاء: ۶/۲۸۴، الجرح والتعدیل: ۴/۲۰۰) لہٰذا روایت ''حسن'' ہوگی۔

دینی مسائل میں غلط قیاس آرائی

اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بتایا کہ ”ہر بعد کا دور دوسرے سے زیادہ شر و فتنہ لے کر آتا ہے اور اس سے مراد دینوی اعتبار سے خیر و شر نہیں؛ بل کہ دینی اعتبار سے خیر و شر مراد ہے؛ پھر فرمایا کہ علما و فقہا اور صالحین اٹھتے چلے جائیں گے اور تم ان کا کوئی بدل نہ پاؤ گے، پھر ایک قوم آئے گی، جو اپنی رائے سے مسائل حل کرے گی“۔

اس سے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ ایک فتنے سے آگاہ فرما رہے ہیں کہ علما نہ ہونے کی وجہ سے لوگ محض قیاس و رائے سے اپنی جہالت کے باوجود دینی مسائل و احکام کا حل پیش کریں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اس میں علما و فقہا کے اٹھائے جانے کا جو ذکر ہے، اس سے مراد ایک تو ”حقیقی علما و فقہا“ ہیں، ورنہ تو نام کے علما دنیا میں بہت سے رہیں گے، جو خود ہی دین کی سمجھ نہ ہونے کی وجہ سے ”عــوام کــالأنعام“ کے حکم میں ہوں گے اور یہ صرف لفظوں کے مشاق ہوں گے۔ دوسرے اس سے مراد یہ ہے کہ ”اکثر علما و فقہا اٹھ جائیں گے“؛ ورنہ کچھ حقیقی علما تو قیامت تک رہیں گے، یعنی قربِ قیامت تک، جیسا کہ اوپر حدیث گذر چکی ہے، مگر ان کی تعداد کم ہوگی، جس کی وجہ سے اس طرح فتنے امت میں اٹھتے رہیں گے؛ چناں چہ آج بھی اس کا نمونہ ملتا ہے کہ کس طرح دین سے جاہل و عاری ہونے کے باوجود بعض لوگ محض مال یا جاہ و شہرت کی خاطر دین میں رائے زنی کرکے امت کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؛ گذشتہ صفحات میں اس طرح کے فتنوں کی طرف ہم نے نشان دہی کردی ہے۔

❁❁❁

الحدیث الشریف - ۸۹

« عَنْ يَزِيْدَ بِنِ عُمَيرةَ رحمہ اللہ ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ قال: كَانَ لَا يَجْلِسُ مَجْلِساً لِلذِّكْرِ حِيْنَ يَجْلِسُ إِلَّا قَالَ: اَللّٰه حَكَمٌ قِسْطٌ ، هَلَكَ الْمُرْتَابُوْنَ قَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ يَوْماً: إِنَّ مِنْ وَّرَائِكُمْ فِتَناً يَكْثُرُفِيهَا الْمَالُ وَيُفتَحُ فِيْهَا الْقُرْآنُ ؛ حَتّٰى يَأْخُذَ الْمُؤْمِنُ وَالْمُنَافِقُ وَالرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ وَالْكَبِيْرُ وَالصَّغِيْرُ وَالْعَبْدُ وَالْحُرُّ ، فَيُوْشِكُ قَائِلٌ أَنْ يَقُوْلَ: مَا لِلنَّاسِ لَاتَبِعُوْنِي! وَقَدْ قَرَأْتُ الْقُرْآنَ ؟ مَاهُمْ بِمُتَّبِعِي حَتّٰى أَبْتَدِعَ لَهُمْ غَيْرَهُ ، فَإِيَّاكُمْ وَمَا ابْتُدِعَ فَإِنَّ مَاابْتُدِعَ ضَلَالَةٌ ؛ وَأُحَذِّرُكُمْ زَيْغَةَ الْحَكِيْمِ ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَقُوْلُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ عَلىٰ لِسَانِ الْحَكِيْمِ وَقَدْ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُ كَلِمَةَ الْحَقِّ قَالَ: قُلْتُ لِمَعَاذٍ رضی اللہ عنہ : مَايُدْرِيْنِي رَحِمَكَ اللّٰهُ ، إِنَّ الْحَكِيْمَ قَدْ يَقُوْلُ كَلِمَةَ الضَّلَالَةِ وَإِنَّ الْمُنَافِقَ قَدْ يَقُوْلُ كَلِمَةَ الْحَقِّ ، قَالَ: بَلىٰ! اِجْتَنِبْ مِنْ كَلَامِ الْحَكِيْمِ الْمُشْتَهِرَاتِ (وَفِيْ رِوَايَةٍ الْمُشْتَبِهَاتِ) اَلَّتِي يُقَالُ لَهَا: مَاهٰذِهِ؟ وَلَايُثْنِيَنَّكَ ذٰلِكَ عَنْهُ ، فَإِنَّهُ لَعَلَّهُ يُرَاجِعُ وَتَلَقَّ الْحَقَّ إِذَا سَمِعْتَهُ فَإِنَّ عَلىٰ الْحَقِّ نُوْراً . »

ترجمہ: یزید بن عمیر رحمہ اللہ (جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے،) فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب بھی وعظ کے لیے بیٹھتے، یہ کلمہ ضرور فرماتے:

"اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے والا، انصاف کرنے والا، شک میں پڑنے والے ہلاک ہوئے"۔

ایک دن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے بعد بہت سے فتنے پیدا ہوں گے، اس زمانے میں مال بہت ہوگا اور قرآن (ہر ایک کے لیے) کھلا ہوا ہوگا، جس سے مومن بھی دلیل پکڑے گا اور منافق بھی، مرد بھی دلیل پکڑے گا اور عورت بھی، بڑا بھی اور چھوٹا بھی، غلام بھی اور آزاد بھی؛ بعید نہیں کہ کوئی کہنے والا یہ کہے: کیا بات ہے! میں نے قرآن پڑھ لیا، پھر بھی لوگ میری پیروی

نہیں کرتے ؟ لوگ میری پیروی نہیں کریں گے، جب تک کہ میں ان کے سامنے کوئی نئی بات پیش نہ کروں، (حضرت معاذ ﷺ نے فرمایا: پس (دین میں) جدت طرازی سے بچتے رہنا، کیوں کہ ایسی جدت (نئی بات) گمراہی ہے اور میں تمھیں عالم کی لغزش سے ڈراتا ہوں، کیوں کہ شیطان کبھی گمراہی کی بات عالم کے منہ سے بھی نکلوا دیتا ہے اور کبھی منافق آدمی بھی سچی بات کہہ سکتا ہے (راوی کہتے ہیں:) میں نے کہا: حضرت! مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ صاحبِ علم نے گمراہی کی بات کہی اور منافق کے منہ سے کلمۂ حق نکلا؟ (آخر حق و باطل کی شناخت کا معیار کیا ہوگا؟) فرمایا: ہاں! (میں بتلاتا ہوں): صاحبِ علم کی ایسی مشتبہ بات سے پرہیز کرو، جس کے بارے میں عام اہلِ علم کی جانب سے کہا جائے کہ یہ کیا بات ہوئی؟ (ایسی صورت میں سمجھ لو کہ یہ بات غلط ہے) لیکن صرف اس غلطی کی بنا پر تمھیں اس سے برگشتہ نہیں ہونا چاہیے؛ کیوں کہ شاید وہ اپنی غلطی سے رجوع کرلے (ہاں! حق واضح ہوجانے کے بعد بھی وہ اپنی غلطی پر اصرار کرے، تو ایسا شخص عالم ہی نہیں؛ بل کہ جاہل ہے) اور حق بات خواہ کسی سے سنو، اسے قبول کرلو، کیوں کہ حق پُرنور ہوتا ہے۔

تخریج وشرح

اس کو ابوداودؒ نے سنن أبي داؤد، کتاب السنة: (۴۶۱۱) معمرؒ نے الجامع: (۳۶۴/۱۱) لالکائیؒ نے الأعتقاد: (۹۹/۱) فریابیؒ نے صفة المنافق: (۴۹/۱) ابونعیمؒ نے حلیة الأولیاء: ۲۳۳/۱) بیہقیؒ نے المدخل: (۲۸۶/۲) میں روایت کیا اور حاکمؒ نے المستدرک: (۸۴۸۸) میں روایت کرکے علی شرط الشیخین "صحیح" قرار دیا ہے۔

دین میں جدت طرازی کا فتنہ

حضرت معاذ بن جبل ﷺ جو فقہائے صحابہ میں سے تھے، انھوں نے ایک موقعے پر خطبہ دیا اور اس خطبے میں چند اہم باتیں بیان فرمائی ہیں:

۱- ایک تو یہ فرمایا کہ "قرآن کی تعلیم عام ہوجائے گی اور مؤمن و منافق، مرد و عورت، چھوٹے اور بڑے، غلام و آزاد، سب اس سے اپنے اپنے انداز سے دلیل پکڑیں گے"۔

ظاہر ہے کہ جب سبھی کو قرآن کا علم ہے، تو کسی کی اتباع و پیروی کیوں کرے؟ حضرت معاذ ﷜ فرماتے ہیں کہ اس صورتِ حال میں کچھ لوگ یوں کہیں گے کہ "میں نے قرآن پڑھا ہے، مگر لوگ میری اتباع نہیں کرتے، اس لیے اب میں کچھ نئی نئی باتیں پیش کروں گا، تو تب لوگ میری اتباع کریں گے"، کیوں کہ عام لوگ نئی بات کی طرف لپکتے ہیں اور جب کوئی شخص کوئی نئی بات پیش کرتا ہے، تو اس کی طرف لوگوں کا میلان اور رجحان زیادہ ہونے لگتا ہے، عام علما کو جو دین کی سیدھی سادی باتیں اور وہی پرانی باتیں بیان کرتے ہیں، ان کو لوگ خاطر میں نہیں لاتے اور یوں کہتے ہیں کہ "یہ تو بس پرانی باتیں ہی بیان کرتے ہیں"۔

حضرت معاذ ﷜ نے اس فتنے کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ "بدعت سے بچو! کیوں کہ وہ ضلالت ہے"۔

حضرت معاذ ﷜ کی یہ بات حرف بہ حرف پوری ہورہی ہے، قرآن کی تعلیم (اگر چہ محض ظاہری طور پر ہو) پہلے کے مقابلے میں عام ہورہی ہے اور ہر کس و ناکس اس سے استدلال کرنے اور اپنے اپنے مطلب کی بات نکالنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے اور پھر بعض شہرت پسند علما اور جاہ کے پیاسے لکھے پڑھے لوگ، عوام کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے کچھ نئی نئی باتیں، عجیب تحقیقات وانکشافات لوگوں کے سامنے لاتے ہیں، جن کو دلیل کی کوئی روشنی حاصل نہیں ہوتی۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں۔

عالم کی لغزش

۲- پھر اس کے بعد حضرت معاذ ﷜ نے فرمایا کہ "میں تم کو عالم کی لغزش سے ڈراتا ہوں؛ کیوں کہ شیطان کبھی عالم کی زبان سے کلمۂ ضلالت کہتا ہے اور منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے"۔

لہٰذا جو بات عالم کی حق ہو اور دلیل کی بنیاد پر ہو، قابل قبول ہوگی اور جو ایسی نہ ہو، وہ قابلِ رد ہوگی۔

عالم کی لغزش کو پہچاننے کا اصول

۳- حضرت معاذ ﷜ کے شاگرد یزید بن عمیر رحمۃ اللہ جو اس روایت کے راوی ہیں،

فرماتے ہیں کہ ”میں نے سوال کیا کہ مجھے پھر کیسے پتہ چلے گا، کہ عالم نے گمراہی کی بات کہی ہے اور منافق نے حق بات کہی ہے؟ میں دونوں میں کس طرح امتیاز کروں گا“؟

یہ بڑا اہم سوال ہے، جس کا سمجھنا ہم سب کے لیے ضروری ہے؛ کیوں کہ جب عالم کی زبان سے کبھی گمراہی کی بات نکل سکتی ہے، تو اس کے پہچاننے کا کوئی معیار بھی ہونا چاہیے، اس لیے یزید بن عمیر رحمۃ اللہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا، اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عجیب بات فرمائی کہ

”عالم کی ایسی مشتبہ بات سے بچو، جس کے بارے میں یوں کہا جائے کہ یہ کیا بات ہے؟“

یعنی عام علمائے زمانہ اس پر نکیر کریں اور اس کی تصدیق وتائید نہ کریں اور اس کو درست نہ سمجھیں، تو تم سمجھ لو کہ یہ بات صحیح اور درست نہیں ہے؛ لہٰذا اس سے بچو۔

یہ عجیب اصول ہے اور واقعی صحیح اور معقول اصول ہے کہ عام طور پر علما جو بات کہیں، وہ قابلِ قبول ہونا چاہیے اور جس کو عام طور پر قابلِ نکیر سمجھیں اور جس کی تائید وتصدیق نہ کریں، وہ قابلِ رد ہونا چاہیے۔

اگر اس اصول پر لوگ گامزن ہو جائیں، تو بہت سی گمراہیوں کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، جو آج معاشرے میں بعض دنیا پرست علمائے سُو کی جانب سے پھیلائی گئی ہیں اور بعض جاہل لوگ یہ سمجھ کر ان کو قبول کر لیتے ہیں کہ ایک عالم کی کہی ہوئی بات ہے، اگرچہ عام طور پر حضراتِ علما اس بات کو گمراہی قرار دیتے ہوں۔ اگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے اس اصول پر عمل کر لیا جائے تو اس قسم کی ساری گمراہیوں کا سدِ باب ہو جائے۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ بعض مکار قسم کے پیر و مشائخ لوگوں کو تصوف وحقیقت ومعرفت کے نام پر گمراہی میں مبتلا کرتے ہیں اور بے چارے عوام صرف دین کی محبت میں اور اللہ کے راستے کی طلب میں ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اس اصول پر عمل کرتے ہوئے، سوچنا چاہیے کہ حضراتِ علما (جو دین کے ظاہر و باطن دونوں سے آراستہ ہیں) وہ اس قسم

کے پیروں کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ بس اسی کو ان کے بارے میں فیصلہ کن بات سمجھنا چاہیے۔

لغزش پر عالم سے برگشتہ نہ ہو؛ بل کہ......

آگے فرمایا کہ ایسی گمراہی کی بات کہنے کے باوجود، اس عالم سے الگ نہ ہو جاؤ؛ بل کہ یہ دیکھو کہ رجوع کرتا ہے یا نہیں؟ اگر اپنی غلطی سے رجوع کرلیا، تو بہت خوب! کیوں کہ عالم سے لغزش ہونا کوئی عجیب بات نہیں؛ بل کہ انسان ہونے کے ناطے اس سے لغزش کا صدور ہوسکتا ہے۔ ہاں! لغزش کے بعد وہ رجوع نہ کرے اور اس پر اصرار کرے، تو وہ اب قابلِ احترام نہ رہے گا۔ معلوم ہوا کہ علما کو اپنی غلطی سے رجوع کرنے میں پس و پیش نہ کرنا چاہیے؛ بل کہ یہ ان کے حق میں مزید فضیلت کا سبب بنے گا۔

اب ذرا غور کریں کہ جب عالم سے بھی لغزش ہوسکتی ہے، تو غیر عالم سے تو بہ درجۂ اولیٰ ہوسکتی ہے اور اس کو بھی اپنی لغزش سے باز آنے کی فکر کرنا چاہیے، مگر افسوس کہ آج ایسے ایسے جاہل موجود ہیں، جو دین میں رائے دیتے اور غلطی پر تنبیہ کے باوجود اپنی غلطی پر اصرار کرتے ہیں۔

«عَنْ عَائِشَةَ ﷺ قَالَتْ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللہُ علیہ وسلم هٰذِهِ الآيَةَ ﴿هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَيْكُمُ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ﴾ وَقَرَأَ إِلىٰ ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوْ الْاَلْبَابِ﴾ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللہُ علیہ وسلم: فَإِذَا رَأَيْتَ (وَعِنْدَ مُسْلِمٍ) رَأَيْتُمْ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمُ اللّٰهُ " فَاحْذَرُوْهُمْ " .»

ترجمہ: حضرت عائشہ ﷺ فرماتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ﴿هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَيْكُمُ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ﴾ وَقَرَأَ إِلىٰ ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوْ الْاَلْبَابِ﴾ تک پڑھی؛ پھر ارشاد فرمایا کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو، جو قرآن کے محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کی تلاش میں ہیں، تو سمجھ لو کہ یہی وہ لوگ ہیں، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں۔ (اس طرح) کیا ہے کہ "ان کے دل میں کجی ہے" پس ان سے الگ رہو۔

تخریج و شرح

اس حدیث کو بخاریؒ نے کتاب التفسير: (۴۵۴۷) مسلمؒ نے مختصراً کتاب العلم: (۶۷۷۵) ترمذیؒ نے مختصراً کتاب التفسير: (۲۹۹۴) ابوداؤدؒ نے السنة: (۴۵۹۸) اور ابن ماجہؒ نے مقدمة السنن: (۴۷) احمدؒ نے مسند: (۲۴۹۲۹) دارمیؒ نے مقدمہ (۱۴۷) میں روایت کیا ہے۔

اور ان میں سے اکثر روایات میں " يتبعون " آیا ہے اور بعض میں اس کی جگہ " يجادلون " ہے اور مشکاۃ میں بخاری و مسلم کے حوالے سے " يبتغون " نقل کیا گیا ہے۔ (مشكاة المصابيح: ص ۲۸) اور حدیث کا "صحیح" ہونا بخاری و مسلم کی تخریج سے ظاہر ہے۔

قرآن میں دو قسم کی آیات ہیں

اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی ایک آیت تلاوت فرمائی ہے

اور پھر تنبیہ کی ہے کہ جو لوگ قرآن کے محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں وہی لوگ آیت کے مصداق ہیں، وہ پوری آیت یہ ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ لا كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ. (سورہ آل عمران)

ترجمہ: وہی (اللہ) ہے، جس نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل کی، جس میں بعض آیتیں محکم (واضح المراد) ہیں، یہی اصل کتاب ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں؛ (جن کے معنے واضح نہیں) سو جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ تو اسی کے پیچھے ہو لیتے ہیں، جو مشتبہ المراد ہے، تاکہ دین میں فتنے ڈھونڈھیں اور تاکہ غلط تاویل نکالیں؛ حالاں کہ اس کا صحیح مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علمِ دین میں راسخ اور پختہ ہیں، وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر (اجمالاً) یقین رکھتے ہیں، سب آیات ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں، جو عقل مند ہوتے ہیں۔

محکم و متشابہ کی تفسیر اور حکم

اس آیت میں قرآن کی آیات کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں: ایک "محکمات" اور دوسرے "متشابہات"۔

علمائے تفسیر نے محکم و متشابہ کی تعریف میں کافی اختلاف کیا ہے:

تفسیرِ مظہری میں اس کو اختیار کیا ہے کہ محکمات ان آیات کو کہتے ہیں، جن کی مراد ایسے شخص پر بالکل ظاہر اور واضح ہو، جو قواعدِ عربیہ کو اچھی طرح جانتا ہو اور جن آیات کی مراد اور معنی ایسے جان کار شخص پر بھی ظاہر نہ ہو، ان کو متشابہات کہتے ہیں۔ (۱)

پہلی قسم کی آیات، جن کو "محکمات و ام الکتاب" کہا جاتا ہے، وہی دراصل سارے قرآن پاک کی تعلیمات کا خلاصہ اور روح ہیں؛ کیوں کہ انہی سے معانی و مفاہیم حاصل ہوتے ہیں اور انہی سے احکامات کا استنباط ہوتا ہے اور انہی پر عمل کر کے انسان راہِ راست پر چل سکتا ہے۔

---

(۱) تفسیر مظہری: ۲/۷تا۸

اور دوسری قسم کی آیات، جن کو "متشابہات" کہا گیا اور جن کی مراد واضح نہیں اور مقصدِ کلام میں ابہام ہے، ان پر ایمان لانا چاہیے کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ہیں اور ان کے معانی کے بارے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو محکمات کے تابع کر کے سمجھا جائے اور کوئی ایسی مراد ان سے نہ لی جائے، جو واضح المراد محکم آیات کے خلاف ہو اور اگر ان محکمات کے مطابق معنے نہ سمجھ میں آئیں، تو پھر ان کے معنے کو اللہ کے حوالے کر دیا جائے اور ان پر اجمالاً ایمان رکھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "راسخین فی العلم کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ سب آیات (ظاہر المراد بھی اور خفی المراد بھی) اللہ کی طرف سے ہیں"۔

بنی اسرائیل کی گمراہی

بنی اسرائیل میں گمراہی پھیلنے کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ ان لوگوں نے توریت وانجیل کی ان آیات کو جو واضح المراد تھیں، جیسے اللہ کی توحید کی آیات کو چھوڑ دیا اور جن آیات میں ابہام اور خفا تھا، ان کو لے کر دوڑنے لگے، جیسے اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو "کلمۃ اللہ یا روح اللہ" کہا، تو اس غیر واضح المعنیٰ بات کو لے کر عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور جزو کہہ دیا اور خدا کی وحدانیت کے خلاف ان کو بھی ایک خدا بنا لیا۔

اس لیے اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

«جب تم ان لوگوں کو دیکھو، جو متشابہ آیات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، تو سمجھ لو کہ یہ وہی ہیں، جن کا اللہ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے اور ان سے بچو!»

جھوٹے صوفیوں کی گمراہی

تصوف کے نام پر گمراہ کرنے والے مشائخ اور پیر بھی اسی قسم کی گمراہی پھیلاتے ہیں، جو آیات واضح المراد ہیں، جیسے نماز، روزہ، زکات، تلاوت و ذکر وغیرہ، ان کو نہیں لیتے؛ بل کہ وہ حقیقت و معرفت کے نام پر "الٓمٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ"، وغیرہ آیاتِ مقطعات کے معنیٰ میں بحث کر کے لوگوں کو الجھاتے ہیں، اسی طرح اور آیاتِ قرآنیہ، جن کے معنے واضح نہیں، ان میں لوگوں کو پریشان کرتے ہیں، یہ سب گمراہی ہے۔

اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان لوگوں سے بچنے کا صاف حکم دیا ہے اور ساری حقیقت کو ظاہر کر کے متنبہ کر دیا ہے۔

اگر اب بھی مسلمان ان باتوں کو نہیں سمجھیں گے اور ان غلط کار پیروں اور خرافاتی مشائخ کے چکر میں پڑ کر ہلاک ہوں گے، تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

تصوف کے بارے میں ضروری انتباہ!

یاد رہے کہ تصوف اور پیری مریدی کوئی غلط چیز نہیں ہے؛ بل کہ یہ دین پر چلنے کا اور اصلاحِ نفس کا طریقہ ہے، ہاں! اس نام سے لوگوں کو گمراہ کرنے والے بعض پیر و مشائخ غلط کار و گمراہ ہیں؛ لہٰذا ہماری تنقید تصوف پر نہیں؛ بل کہ ان جھوٹے مدعیانِ تصوف پر ہے، جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ باقی سلوک و تزکیہ، جس کو عرف میں تصوف کہا جاتا ہے، یہ قرآن و حدیث کا لُبِ لباب ہے۔

میرے شیخ و مرشد حضرت مسیح الامت رَحِمَہُ اللّٰہ اپنی کتاب ''شریعت و تصوف'' میں فرماتے ہیں:

> ''شریعت کا وہ جزو جو اعمالِ باطنی سے متعلق ہے، ''تصوف و سلوک'' اور وہ جزو جو اعمالِ ظاہری سے متعلق ہے'' فقہ'' کہلاتا ہے۔ اس کا موضوع تہذیبِ اخلاق اور غرض رضائے الٰہی ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے؛ گویا کہ تصوف دین کی روح و معنی یا کیف و کمال کا نام ہے، جس کا کام باطن کو رذائل، یعنی اخلاقِ ذمیمہ، شہوت، آفاتِ لسانی، غضب، حقد، حسد، حبِ دنیا، حبِ جاہ، بخل، حرص، ریا، عجب، غرور سے پاک کرنا اور فضائل، یعنی اخلاقِ حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید و توکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ و تفکر سے آراستہ کرنا ہے تا کہ توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے، جو مقصودِ حیات ہے؛ اس لیے تصوف و طریقت دین و شریعت کے قطعاً منافی نہیں؛ بل کہ مسلمان کے لیے لازمی ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہوتا۔ (۱)

---

(۱) شریعت و تصوف:۱/۹۶

« عَنِ الْمِقْدَامِ بِنِ مَعْدِيْكَرِبَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : أَلا! إِنِّي أُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ، أَلا! يُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلىٰ أَرِيْكَتِهِ، يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ! فَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ. وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ الحَدِيْث. »

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدی کرب ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آگاہ رہو! مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی طرح کی (واجب الاطاعت وحی) بھی دی گئی ہے (جسے ''سنت'' کہا جاتا ہے) آگاہ رہو! عنقریب کوئی پیٹ بھرا اپنے تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے، (جو تکبر کی علامت ہے) متکبرانہ (انداز میں) کہے گا: لوگو! صرف اس قرآن ہی (پر عمل) کو لازم سمجھو، جو چیز تمہیں اس میں حلال ملے، بس
اسی کو حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ملے اسی کو حرام سمجھو، قرآن فہمی کے لیے سنت سے مدد نہ لو؛ حالاں کہ (موٹی بات ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حلال وحرام اور جائز وناجائز کا جو فیصلہ فرماتے ہیں، وہ بہ حکمِ الٰہی ہوتا ہے) اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو حرام ٹھہرایا، وہ بھی اسی طرح واجب الاحتراز ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیز (مگر تکبر اور غباوت کی وجہ سے، اتنی موٹی بات کو نہیں سمجھے گا۔)

تخریج وشرح

اس کو ابوداودؒ نے كتاب السنة: (۴۶۰۴) ابن ماجہؒ نے مقدمة السنن: (۱۲) ترمذیؒ نے كتاب العلم: (۲۶۶۴) دارمیؒ نے مقدمة السنن (۶۰۶) میں روایت کیا ہے۔ ابوداود کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ابن ماجہ کی روایت میں ''زید بن الحباب'' راوی ہے، جو صدوق ہے، مگر کبھی خطا کرتا ہے۔

نیز اس سند میں ''معاویہ بن صالح'' بھی ہیں، جو مختلف فیہ راوی ہیں اور راوی پر ان پر کلام گذر چکا اور ترمذی کی روایت میں بھی یہی معاویہ ہیں۔ امام ترمذی نے ان کی حدیث کو ''حسن'' قرار دیا ہے اور جیسا کہ معلوم ہے، تعددِ طرق سے روایت قوی ہو جاتی ہے؛ لہٰذا یہ حدیث ''حسن'' ہے۔

انکارِ حدیث شکم سیری کا نتیجہ ہے

اس حدیث پاک سے ''انکارِ حدیث'' کے فتنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ قرآن کے کافی ہونے کا دعویٰ کریں گے اور حدیث کو غیر ضروری اور فضول اور نا قابلِ اعتبار قرار دیں گے۔

آج یہ ''منکرینِ حدیث'' کا برپا کیا ہوا فتنہ پھیلتا جا رہا ہے اور یہ لوگ روپے پیسے کے بل بوتے، اس فتنے کو امت میں پھیلاتے جا رہے ہیں اور اس حدیث کے الفاظ ''رجل شبعان علیٰ أریکتہ یقول'' (یعنی پیٹ بھرا آدمی اپنے تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے کہے گا، یعنی حدیث کا انکار کرے گا) سے پتہ چلتا ہے کہ اس فتنے کے برپا کرنے والے شکم سیری اور عیش و مستی کے پروردہ ہوں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حدیث کا انکار کریں گے؛ کیوں کہ قرآن پاک کو حدیث سے کاٹ دیا جائے اور تشریحِ قرآن کے لیے حدیث کو لازم نہ قرار دیا جائے، تو ہر آدمی کو من پسند تشریح اور من مانی تفسیر کا موقع مل جاتا ہے اور اس کے ذریعے اپنے ناپاک عزائم و مقاصد تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے؛ اس لیے یہ شکم سیر لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں تاکہ قرآن کی آزادانہ تفسیر کر سکیں، جیسے ایک شخص نے ''دو قرآن'' نامی کتاب لکھی اور پورے قرآن کا منشا دنیوی آرائش و راحت اور دنیوی ترقی اور سائنسی ایجادات و انکشافات کو قرار دے دیا، جب کہ قسم بہ خدا قرآن کا مقصد قطعاً یہ نہیں ہے؛ بل کہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر اس کا مقصدِ اعظم ہے۔

غرض یہ کہ یہ شکم سیر لوگ ''انکارِ حدیث'' کے ذریعے اپنے انہی ناپاک مقاصد و عزائم کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔

حجیتِ حدیث کے دلائل

ہم اس جگہ ذرا سی وضاحت کرتے ہوئے یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن کے ساتھ حدیث کو ماننا بھی ضروری ہے اور یہ شرعی مطالبہ ہے، پھر ہم ان منکرینِ حدیث کے اعتراضات کا مختصراً جائزہ لیں گے۔

۱- قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح اطاعتِ خداوندی کو لازم قرار دیا ہے، اسی طرح اطاعتِ رسول کو بھی لازم فرمایا ہے جیسے فرمایا:

﴿يا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ.﴾ (سورۃ النساء:۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اولوالامر کی اطاعت کرو۔

اس کے علاوہ سورۃ المائدۃ: (۹۲)، سورۃ النور: (۵۴)، سورۃ محمد: (۳۳) اور سورۃ التغابن: (۱۲) میں بھی اطاعتِ رسول کے حکم کو دہرایا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ کی اطاعت ضروری ہے رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے؛ بل کہ قرآن نے تصریح کی ہے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ.﴾ (سورۃ النساء:۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے بتحقیق اللہ کی اطاعت کی۔

نیز ایک اور موقعے پر فرمایا گیا:

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً.﴾ (احزاب:۷۱)

ترجمہ: یعنی جس نے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کی، وہ کام یاب ہوا۔

اور فرمایا گیا:

﴿وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيْناً.﴾ (سورۃ الأحزاب:۳۶)

ترجمہ: یعنی جس نے اللہ کی اور رسول کی نافرمانی کی، وہ بڑی گمراہی میں پڑ گیا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر عذاب کی دھمکی دی گئی؛ چناں چہ فرمایا گیا ہے کہ

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهٖ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴾ (سورۃ النور:۶۳)

ترجمہ: جو لوگ ان (رسول اللہ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آپڑے یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔

معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فرض ہے اور ظاہر ہے کہ اگر خدا کی اطاعت، قرآن پر عمل سے ہوگی، تو رسول کی اطاعت آپ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی سنت اور اُسوے پر عمل سے ہوگی۔

۲- پھر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی پر جس طرح قرآن کی شکل میں وحی آتی تھی، اسی طرح اس کے علاوہ بھی وحی آتی تھی، ہم اسی کو حدیث وسنت کہتے ہیں؛ مثلاً: ایک جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلىٰ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ.﴾ (سورۃ الأحزاب ۳۴)

ترجمہ: اے نبی کی عورتو! تم اللہ کی آیات اور حکمت کو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں، یاد کرو۔

سوال یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات کے گھروں میں قرآن کی آیات کے سوا حکمت کی وہ کونسی چیز پڑھی جاتی تھی، جس کو یاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے؟ اس کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ وہ حکمت دراصل "حدیث وسنت" ہے، جو ان کے گھروں میں قرآن کے ساتھ پڑھی جاتی تھی۔ معلوم ہوا کہ قرآن کے ساتھ حدیث وسنت کے یاد کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ کہ اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر قرآن کے علاوہ ایک اور چیز بھی نازل ہوتی تھی۔ اور اس کے علاوہ قرآن میں جہاں بھی حکمت کا ذکر آیا ہے، وہاں یہی سنت مراد لی گئی ہے۔

۳- تیسری بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں متعدد جگہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر قرآن اس لیے نازل کیا گیا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس کی تشریح وتبیین وتفہیم وتفصیل کریں، مثلاً: فرمایا کہ

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (سورۃ النحل:۴۴)

ترجمہ: ہم نے آپ پر ذکر (یعنی قرآن) کو اس لیے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کریں، اس چیز کو جو ان کی طرف (آپ کے توسط سے) نازل کی گئی ہے اور تاکہ وہ اس میں غور وفکر کریں۔

اسی طرح سورۃ البقرۃ: (۱۲۹)، آل عمران: (۱۴۴) اور سورۃ الجمعۃ: (۲) میں بھی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے مقاصدِ بعثت بیان کرتے ہوئے تعلیمِ کتاب کا ذکر ہے۔

سوال یہ ہے کہ کتاب کا ہونا اگر کافی تھا، تو تعلیمِ کتاب کو آپ کی ذمہ داری کیوں قرار دیا گیا؟

معلوم ہوا کہ قرآن کے متعدد مواقع ایسے ہیں کہ ان کی تشریح وتفہیم اور تبیین وتفصیل کی ضرورت ہے، جو سنت وحدیثِ رسول سے ہی ہوتی ہے؛ جیسے خود نماز، روزہ وغیرہ احکامات قرآن میں مجمل ومبہم بیان ہوئے ہیں، ان کی تبیین وتفصیل کہ کتنی رکعات ہوں اور ان کی ترتیب وترکیب اور کیفیت کیا ہو؟ وغیرہ احادیث سے ہوئی ہے؛ اس لیے خود قرآن کا سمجھنا حدیث پر موقوف ہے۔

اس مختصر وضاحت سے معلوم ہوا کہ قرآن کے ساتھ حدیثِ پاک کو ماننا بھی لازم وضروری ہے اور اس کے بغیر تو قرآن بھی سمجھا نہیں جاسکتا اور قرآن ہی کی رو سے حدیث کی ضرورت وحجیت ثابت ہوتی ہے اور جو حدیث کو نہیں مانتا، وہ دراصل قرآن کا منکر ہے۔

منکرینِ حدیث کے اعتراضات

اس کے بعد منکرینِ حدیث کے اس سلسلے میں اعتراضات کا جائزہ بھی اجمالی طریقے پر لیجیے گا:

۱- ایک بات تو یہ کہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں: ”بعض حدیثوں میں احادیث کے لکھنے سے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خود منع فرمایا ہے، اگر حدیث کا کوئی مقام ہوتا، تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کیوں منع کرتے؟“

۲- ایک بات یہ کہتے ہیں کہ ”حدیث لکھنے کا رواج صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں نہیں تھا، اگر اس کا کوئی درجہ اسلام میں ہوتا، تو صحابہ رضی اللہ عنہم ضرور اس کا اہتمام کرتے“۔

۳- ایک بات یہ بے توفیق فرقہ یہ کہتا ہے کہ ”حدیث بہت بعد کے دور میں محدثین نے محفوظ کی ہے اور اس سے پہلے صرف حافظے پر اعتماد کیا جاتا تھا، جس میں غلطی کا اور بھول چوک کا قوی اندیشہ ہے؛ لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کرسکتے۔

۴- ایک اعتراض ان کا یہ ہے کہ ”حدیثوں میں بہت سی موضوع احادیث بھی ہیں؛ لہٰذا کیا بھروسہ کہ کون صحیح اور کون موضوع ہے؟“

۵- ایک اعتراض ان کا یہ ہے کہ ”احادیث میں اختلاف ہے، کسی میں کچھ ہے کسی میں کچھ ہے؛ لہٰذا ان پر اعتماد نہیں کرسکتے۔“

ان اعتراضات اور اس قسم کے اور اعتراضات پر ہمارے علمانے بے شمار کتابیں لکھیں ہیں اور ان کے مسکت ومدلل جوابات دیے ہیں، ہم اختصار کے ساتھ یہاں ان مذکورہ اعتراضات کے جواب لکھتے ہیں:

عہدِ نبوی وصحابہ میں کتابتِ حدیث

۱- جہاں تک حدیث لکھنے سے منع کرنے کی بات ہے، تو یہ ابتدائی دور کی بات ہے، جس میں صحابۂ کرام کو قرآن کے ساتھ حدیث کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے، اس بات سے منع فرمایا گیا تھا کہ حدیث نہ لکھی جائے، مگر بعد میں جب اس اشتباہ والتباس کا اندیشہ نہ رہا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت بل کہ حکم دیا کہ حدیث لکھی جائے۔ ایک صحابی ﷺ نے حدیث بھول جانے کا شکوہ کیا، تو فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو اور اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ کیا۔ (۱)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم بھی دیا « اکتبوا ولا حرج » کہ لکھ لیا کرو کوئی حرج نہیں ہے۔ (۲)

نیز حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ کو بھی آپ نے لکھنے کے لیے فرمایا (دارمی: ۵۰۱) اور فرمایا کہ علم کو قید کرو، پوچھا گیا کہ علم قید کرنا کیا ہے؟ فرمایا کہ لکھنا۔ (۳)

ان احادیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حدیث لکھنا منع نہیں ہے؛ بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے۔

اور رہا دوسرا اعتراض کہ صحابہ کے دور میں حدیث نہیں لکھی جاتی تھی، یہ اعتراض اس آدمی کا ہوسکتا ہے، جو عقل سے بے بہرہ اور علم سے محروم ہو، ورنہ تاریخ کے صفحات اور احادیث کی کتابوں کے دیکھنے کے بعد کوئی یہ اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا؛ خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے متعدد حضرات نے حدیث لکھی ہے، جن میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ بھی ہیں، جن کے بارے میں حضرت ابوہریرہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ مجھ سے زیادہ حدیثیں جانتے تھے اور وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ (۴)

---

(۱) الترمذی: ۲۶۶۶، طبراني في الاوسط: ۱/۲۳۵

(۲) الطبراني في الكبير: ۴/۲۷۶

(۳) المستدرک للحاکم: ۳۶۲

(۴) البخاری: ۱۱۳، الترمذی: ۲۶۶۸، الدارمي: ۵۰۰، أحمد: ۷۳۸۹

اوران کے لکھے ہوئے صحیفے کا نام خودانہوں نے " الصحیفة الصادقة " رکھا تھا۔اور حضرت علی ﷺ کے پاس بھی حدیثیں لکھی ہوئی تھیں اوراس مجموعے کانام "صحیفة علي" مشہور ہے،اس صحیفے کا ذکر(البخاري : كتاب الجزية ،باب "اثم من عاهد اثم غدر " الرقم(۳۱۷۹) المسلم: كتاب الحج حديث:(۳۳۲۷)و كتاب العتق حديث :(۳۷۹۴)،الترمذي: كتاب الديات:حديث:(۱۴۱۲)، النسائي: كتاب القسامة:(۴۷۴۸)،ابوداؤد: كتاب المناسك :(۲۰۳۴)، ابن ماجة: كتاب الديات:(۲۶۵۸)،مسند أحمد:(۵۹۹)وغیرہ میں موجود ہے۔

اسی طرح حضرت انس ﷺ کے پاس بھی بیاضیں لکھی ہوئی تھیں، جو وہ اپنے شاگردوں کونکال کر بتاتے اور فرماتے کہ یہ وہ حدیثیں ہیں، جو میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنی ہوئی ہیں۔اس کو حاکم نے المستدرک للحاکم :(۶۵۳۱)میں روایت کیا ہے۔

ان کے علاوہ خود آں حضرت ﷺ کا بعض احکامات وفرامین لکھوا کر دینا اور بعض بادشاہوں کے نام خطوط لکھوانا، کتبِ حدیث وسیر میں مذکورو مشہور ہے۔

معلوم ہوا کہ منکرینِ حدیث کا یہ کہنا کہ صحابہ کے دور میں حدیث نہیں لکھی جاتی تھی، جھوٹ ہے۔

حفظِ حدیث کا رواج

رہا یہ کہنا کہ" حدیثیں بہت بعد میں محدثین نے محفوظ کی ہیں"،اس کا غلط ہونا اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے،ورنہ کتابتِ حدیث کا سلسلہ پہلے سے جاری تھا، ہاں! بہت سی حدیثیں بعد میں مدون ہوئیں،مگر وہ محفوظ پہلے سے تھیں،اس طرح کہ قوتِ حافظے سے کام لیا جاتا تھا اوراس زمانے میں اللہ نے غیر معمولی قوتِ حافظے عطا فرمایا تھا اور خود آں حضرت ﷺ کی طرف سے اس کا حکم تھا کہ حدیث کا اہتمام ہواور خود قرآن میں بھی اس کا حکم ہے،جیسا کہ اوپر گذر گیا۔

لہٰذا اس اہتمامِ بلیغ کے ساتھ جس کو ان حضرات نے اپنایا، حدیث کا حفظ کرنا اور روایت کرنا کوئی تعجب خیز بات نہیں اور نہ ہی قابلِ انکار بات ہے۔

محدثین کا کارنامہ

اوران کا یہ اعتراض کہ ”حدیثوں میں صحیح وغلط، موضوع وضعیف کی ملاوٹ ہے“، اس کا جواب ظاہر ہے کہ محدثین نے اصولِ روایت ودرایت وضع کر کے، دودھ کا دودھ پانی کا پانی کردیا، پھر اعتراض کی کیا بات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان محدثین کرام کے ذریعے احادیث میں صحیح وضعیف اور موضوع کے فرق وامتیاز کا کام لیا، درحقیقت یہ اس دین کا خاصہ اوراسلام کا ایک معجزہ ہے، ان حضرات محدثین نے دنیا کے مختلف مقامات کا اس دور میں سفر کیا جب کہ سواریوں کا معقول نظم ورواج نہیں تھا اور ایک ایک حدیث کی جانچ پڑتال کے لیے ساری پریشانیاں اور مصیبتیں جھیلیں اوران کے رُوات ورجال کی تحقیق کی ان میں سے ثقہ وغیرہ ثقہ کی تمیز کی اور وضاعین وکذابین کی احادیث کو الگ کیا اور دیگر احادیث کا عمدہ، بہترین انتخاب کیا، اس طرح احادیث میں فرق وامتیاز کی ایک بے نظیر وحیرت انگیز خدمت انجام دی۔

پھر اب اس اعتراض کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے کہ احادیث میں ہر قسم کی احادیث ہیں، یہ اعتراض اب وہی شخص کرسکتا ہے، جس کی عقل میں خلل ہو۔

اور رہا اختلافات کے بہانے احادیث کا رد اوراس پر اعتراض، یہ بھی لغو ہے؛ کیوں کہ اس کے لیے اصولِ ترجیح موجود ہیں؛ نیز تطبیق کی بھی صورتیں ہوتی ہیں۔

چناں چہ بعض جگہ قرآن میں بھی بہ ظاہر اختلاف وتعارض نظر آتا ہے، مگر اس کو اصول کی روشنی میں حل کیا جاتا ہے؛ اسی طرح حضرات علما احادیث میں ظاہرِ نظر میں آنے والے اختلافات و تعارض کو اصول کی روشنی میں حل کرتے ہیں۔

نہایت اختصار کے پیشِ نظر کچھ امور کی طرف نشان دہی اوراجمالی اشارے کیے گئے ہیں، تفصیل کے لیے علما نے جو کتابیں لکھیں ہیں، ان کا مطالعہ کیا جائے۔

« عَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: خُذُوْا الْعَطَايَا مَادَامَ عَطَاءً، فَإِذَا صَارَ رِشْوَةً عَلَى الدِّيْنِ فَلَا تَأْخُذُوْهُ وَلَسْتُمْ بِتَارِكِيْهِ يَمْنَعُكُمُ الْفَقْرُ وَالْحَاجَةُ. أَلَا! أَنَّ رَحَى الْإِسْلَامِ دَائِرَةٌ فَدُوْرُوْا مَعَ الْكِتَابِ حَيْثُ دَارَ؛ أَلَا! أَنَّ الْكِتَابَ وَالسُّلْطَانَ سَيَفْتَرِقَانِ فَلَا تُفَارِقُوْا الْكِتَابَ؛ أَلَا أَنَّهُ سَيَكُوْنُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ يَقْضُوْنَ لِأَنْفُسِهِمْ مَالَا يَقْضُوْنَ، إِنْ عَصَيْتُمُوْهُمْ قَتَلُوْكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ أَضَلُّوْكُمْ. قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ نَصْنَعُ؟ قَالَ: كَمَا صَنَعَ أَصْحَابُ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ علیہ السلام نُشِرُوْا بِالْمَنَاشِيْرِ وَحُمِلُوْا عَلَى الْخَشَبِ وَمَوْتٌ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ حَيٰوةٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ. »

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ہدیہ اسی وقت قبول کر سکتے ہو، جب تک کہ وہ ہدیہ رہے؛ لیکن جب وہ دین کے معاملے میں رشوت بن جائے، تو اسے قبول نہ کرو، مگر (ایسا نظر آتا ہے کہ) تم (امت کے عام لوگ) اسے چھوڑو گے: نہیں کیوں کہ فقر اور ضرورت تمہیں مجبور کرے گی، آگاہ رہو! اسلام کی چکی یہ ہر حال گردش میں رہے گی، اس لیے کتاب اللہ جدھر چلے، اسی کے ساتھ چلو (اسے اپنی خواہشات کے مطابق نہ ڈھالو) آگاہ رہو! عنقریب تم پر ایسے حاکم مسلط ہوں گے، جو اپنے لیے وہ تجویز کریں گے، جو دوسروں کے لیے تجویز نہیں کریں گے، تم اگر ان کی نافرمانی کرو گے، تو تمہیں قتل کریں گے اور اگر فرماں برداری کرو گے، تو (بے دینی کے سبب) تمہیں گمراہ کریں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! (ایسی صورت میں) ہمیں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے؟ فرمایا: وہی جو حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام کے اصحاب نے کیا کہ انہیں آروں سے چیرا گیا، سولی پر لٹکایا گیا (مگر وہ دین پر قائم رہے) اور اطاعتِ الٰہی میں جان دے دینا معصیت کی زندگی سے (بدرجہا) بہتر ہے۔

تخریج و شرح

اس حدیث کوطبرانیؒ نے مسند الشامیین :(۱/۳۷۹)میں اور المعجم الصغیر : (۱/۲۶۴)اور المعجم الکبیر :(۲۰/۹۰)میں اور ابو نعیمؒ نے حلیۃ الأولیاء :(۵/۱۶۵) میں روایت کیا ہے۔اس کی سند میں ’’یزید بن مرثد‘‘ ایک راوی ہیں،جن کو حضرت معاذ ﷺ سے سماع حاصل نہیں یعنی روایت ’’منقطع‘‘ ہے۔اور دوسرے راوی ’’وضین بن عطاء‘‘ کو بعض حضرات نے ضعیف کہا ہے،مگر ابن حبانؒ وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے اور باقی راوی سب ثقات ہیں۔(قالہ في مجمع الزوائد: ۵/ ۲۲۸) مگر ابن حبانؒ نے اپنی کتاب مشاهیر علماء الامصار :(۱/ ۲۱۵)میں ان یزید بن مرثد کو حضرت معاذ بن جبل ﷺ کے اصحاب میں شمار کیا ہے،جس سے ان کا سماع یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے۔(واللّٰہ أعلم)لہٰذا اس بنا پر اس روایت کو منقطع کہنا صحیح نہ ہوگا؛بل کہ روایت متصل ہوگی اور کنز العمال میں حضرت ابن مسعود ﷺ سے بھی اسی طرح کی روایت آئی ہے۔(کنز:۱/۲۱۶)قسم:۱۰۸۱)لہٰذا یہ پہلی حدیث کی شاہد ہوگی،جس سے پہلی حدیث کو تقویت مل جاتی ہے۔

رشوت یا ہدیہ

اس حدیث میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نصائح اور اپنے بعد کے دور کے کچھ فتنوں کا ذکر کیا ہے:

۱- پہلی بات یہ فرمائی کہ ’’ہدیہ اس وقت تک قبول کرو،جب تک کہ وہ ہدیہ رہے اور جب وہ دین کے بارے میں رشوت بن جائے،تو اس کو قبول نہ کرو؛لیکن تم لوگ اس کو چھوڑو گے نہیں؛کیوں کہ فقر وفاقہ تمہیں اس سے بچنے سے روکے گا‘‘۔

اس میں ہدیے کا ادب بیان فرمایا کہ ہدیہ اسی وقت قبول کیا جاسکتا ہے،جب کہ ہدیہ،ہدیہ رہے اور اگر ہدیہ صرف نام کے اعتبار سے ہو،حقیقت میں وہ ہدیہ نہ رہے؛بل کہ رشوت بن جائے،تو پھر اس کو لینا جائز نہ ہوگا۔

علامہ مناویؒ نے ایک دوسری روایت کی شرح میں،جو انہیں الفاظ کے ساتھ ابوداؤد وغیرہ

میں آئی ہے، فرمایا کہ

"سلطان و بادشاہ کی طرف سے عطیہ و ہدیہ اس وقت تک لے سکتے ہو، جب تک کہ وہ عطا ہو اور اس میں کوئی دنیوی فاسد غرض شامل نہ ہو اور جب وہ بادشاہ کی طرف سے تمہارے دین سے تم کو ہٹانے اور غیر شرعی باتوں پر تم کو ابھارنے کے لیے دیا جائے، تو اس کو نہ لو"۔ (۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدیہ الگ چیز ہے اور رشوت الگ چیز، کسی چیز کو ہدیہ کہنے سے وہ ہدیہ نہیں ہو جاتی اور نہ کسی چیز کو رشوت کہنے سے رشوت ہوتی ہے؛ بل کہ ان کی اپنی ایک حقیقت ہے، اس کے لحاظ سے وہ ہدیہ یا رشوت ہوتے ہیں۔ ہدیہ وہ ہے، جو محض محبت سے بلا کسی غرض کے دیا جائے اور رشوت وہ ہے، جس کے ذریعے حق کے باطل کرنے یا ناجائز و باطل کے حاصل کرنے کا کام لیا جائے۔ (۲)

تحفۃ الاحوذی میں ہے کہ

"راشی وہ ہے، جو باطل پر مدد حاصل کرنے کے لیے کسی کو کچھ دے اور جو اپنے حق کو وصول کرنے یا اپنے سے ظلم کو دفع کرنے کے لیے دیا جائے، وہ اس حرام رشوت میں داخل نہیں۔ (۳)

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ بادشاہ یا کوئی اور اگر محبت کی وجہ سے عطیہ دیں، تو لے سکتے ہیں اور اگر وہ تم سے کوئی ناجائز کام کرانے اور تم کو دین سے روکنے وغیرہ، فاسد اغراض کے لیے دیں، تو نہیں لے سکتے۔

آج بڑی بڑی طاقتیں مسلمان سیاست دانوں کو اسی دین کے معاملے میں رشوت کے ذریعے اپنے دامِ فریب میں پھانس رہی ہیں۔ امریکہ نے متعدد سیاست بازوں کے ساتھ اسی "رشوت" کے حوالے سے ساز باز کی ہے۔ افسوس کہ ان مسلمان سیاست بازوں کو "دین و ایمان" کی کوئی

(۱) فیض القدیر: ۳/۳۳۵ اسی طرح بذل المجھود: ۱۳/۲۴۷ میں بھی ہے۔

(۲) فیض القدیر: (۵/۲۶۸)

(۳) تحفۃ الأحوذی: ۴/۵۶۵

قدر نہ ہوئی اور اس کا سودا دنیا کے ٹکوں کے عوض میں کرلیا، اللہ کے نبی ﷺ نے اسی سے منع فرمایا تھا۔

اور آگے جو فرمایا کہ ''تم اس کو چھوڑو گے نہیں؛ کیوں کہ فقر و حاجت تم کو اس کے چھوڑنے سے منع کریں گے'' اس کے مخاطب اگر چہ ظاہراً تو صحابہ تھے، مگر فی الواقع اس کے مخاطب بعد کے عام لوگ ہیں، جو اچھا برا جو ملا، اپنی ضروریات و حاجات کے لیے لے لیتے ہیں اور اس جملے سے در اصل تنبیہ مقصود ہے، اجازت مراد نہیں۔ جیسے کوئی غلطی کرے، تو اس کو منع کرنے کی خاطر کبھی اس طرح کہہ دیتے ہیں کہ ''تم اس کام کو چھوڑو گے نہیں''، یعنی تم کو بری عادت پڑ گئی ہے؛ اس لیے باز نہ آؤ گے، مگر ظاہر ہے کہ اس سے اجازت کا مفہوم تو نہیں نکلتا!۔

اسلام کی چکی گردش میں ہے

۲۔ آگے فرمایا کہ ''آگاہ رہو کہ اسلام کی چکی گردش میں ہے؛ اس لیے تم کتاب اللہ جدھر چلے، اسی کے ساتھ چلو''۔

ابوداؤد، احمد نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اسلام کی چکی چلتی رہے گی، پینتیس برس یا چھتیس برس یا سینتیس برس، پس اگر وہ لوگ ہلاک ہوئے، تو وہ اس راستے سے ہلاک ہوئے، جو ان سے پہلے گذرے ہیں اور اگر ان کے لیے دین قائم رہا، یعنی وہ دین پر جمے رہے، تو ان کے لیے وہ ستر برس تک قائم رہے گا۔ (۱)

اس حدیث میں بھی ''اسلام کی چکی کے گردش میں رہنے'' کی بات آئی ہے اور اس کے دو معنے بیان کیے گئے ہیں:

ایک یہ کہ پینتیس یا چھتیس سال یا سینتیس سال تک اسلام کی چکی قائم و دائم رہے گی اور اس کا نظام باقی رہے گا۔ یہ پینتیس سال خلفائے ثلاثہ کی مدتِ خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ اور چھتیس سال سے اشارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جو واقعہ ''جنگِ جمل'' کا رونما ہوا، اس کی طرف ہے اور سینتیس سال سے ''جنگِ صفین'' کی طرف اشارہ ہے۔

---

(۱) ابوداؤد: ۴۲۵۴، أحمد: ۳۷۰۷

مطلب یہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ کا زمانہ تو پوری خیر و برکت کا ہے، پھر اس کے بعد کا دور بھی خیر و برکت اور اسلام کے بقا کا ہے، جس میں " علی منهاج النبوة " اسلامی نظام قائم رہا، اگر چہ بہ نسبت ماقبل کے کچھ کمی ہو۔ (۱)

دوسرے معنے یہ ہیں کہ اسلام کی چکی چلتی رہے گی؛ یعنی اس میں جھگڑے اور حرب وضرب اور قتل وقتال کا سلسلہ جاری رہے گا اور اس کا سلسلہ اسلام کے ظہور؛ یعنی ہجرت کے سال سے پینتیس یا چھتیس یا سینتیس برس کے بعد سے ہوگا۔ اور بعض روایات میں اس جگہ " تدور " کے بہ جائے " تزول " کا لفظ آیا ہے، جو اس کی تائید کرتا ہے۔ (۲)

زیرِ بحث حدیث میں دوسرے معنے زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور کے بعد سے اس میں حرب وضرب، قتل وقتال اور فساد وفتن کا سلسلہ برابر چلتا رہے گا۔ مگر تم اس طرف چلو، جس طرف قرآن پاک گردش کر رہا ہے؛ یعنی جدھر وہ چلے، تم اسی طرف کو چلو، اس طرح تم فتنوں اور فسادات سے اپنے آپ کو بچا سکو گے۔

یہ وصیت ونصیحت ہر دور کے مسلمانوں کے لیے ہے اور بالخصوص اس دورِ پُرفتن کے مسلمانوں کے لیے بڑی اہم ہے کہ فتنے تو آئیں گے اور یہ چکی چلتی رہے گی، مگر پناہ ونجات کا سامان صرف اور صرف شرع کی پاس داری میں ہے اور کوئی سامان وطریقہ اس کے لیے نہیں۔

سیاست داں، کتاب اللہ سے دور ہوں گے

۳۔ پھر فرمایا کہ " خبردار رہو! عنقریب کتاب اور حکمراں جدا جدا ہو جائیں گے"، یعنی حکمراں طبقہ، اللہ کی کتاب سے الگ ہو کر زندگی گذارے گا اور من مانی طریقہ اختیار کرے گا۔

ایک تو اسلامی سیاست کے علم بردار حضرات ہیں، جیسے صحابہ اور ان کے بعد بعض حضرات، ان کا طریقہ یہ تھا کہ ان کی سیاست اسلام وشریعت کے تابع تھی، ہر کام اللہ ورسول کے حکم کے مطابق تھا۔

دوسرے دنیوی سیاست کے علم بردار لوگ ہیں، جو اسلام کو اپنی سیاست کے لیے اور حکومت کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں اور اس لیے اسلام کو پسِ پشت ڈال کر من مانی طریقہ یا مغربی حکمرانوں

(۱) بذل المجهود: ۱۷/۱۵۲، وعون المعبود: ۱۱/۳۲۷

(۲) عون المعبود: ۱۱/۳۲۸

کا دیا ہوا طریقہ اپناتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اسلام جس سیاست کی تعلیم دیتا ہے، اس کا سب سے پہلا اور بنیادی اصول یہ ہے ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں چلے گا۔

حکمرانی اللہ کی ہوگی اور سیاست کے عہدوں پر فائز لوگ من مانی کرنے کے بہ جائے صرف اللہ کے قانون کو چلانے کے مجاز ہوں گے، نہ مال ان کا مال ہوگا، نہ ان کو اس میں حسبِ خواہش تصرف کا اختیار ہوگا؛ نیز وہ عام رعایا کی طرح زندگی بسر کریں گے، نہ عیش ہوگا، نہ مستی کی سرگرمیاں ہوں گی ۔ یہ ہے اسلامی سیاست کا بنیادی اصول، بھلا اس سیاست کو وہ لوگ کیسے پسند کریں گے، جن کا مقصد ہی ان عہدوں ومناصب سے دنیوی دولت کا حصول اور عیش ومستی کی زندگی ہے۔

اس لیے فرمایا کہ حکمراں طبقہ اور کتاب الگ الگ ہوجائیں گے اور آج کے حکمراں طبقے پر یہ بات صد فیصد صادق آتی ہے اور یاد رہے کہ یہ بات کافر حکمرانوں کے بارے میں نہیں کہی گئی ہے کہ وہ تو پہلے ہی سے قرآن سے جدا ہیں؛ بل کہ یہ بات ان کے حق میں کہی جارہی ہے، جو اسلام کے دعوے دار ہیں اور لوگ بھی ان کو مسلمان اور ان کے زیرِ اقتدار ملکوں کو اسلامی ملک کہتے ہیں جیسا کہ آج کے بیشتر اسلامی ملکوں کے حکمرانوں کا حال ہے۔

اہلِ سیاست کی شکم پروری

۴- آگے ارشاد ہے کہ ”آگاہ رہو کہ عنقریب تم پر ایسے امرا و حکام مسلط ہوں گے، جو اپنے لیے وہ تجویز کریں گے، جو دوسرے کے لیے تجویز نہیں کریں گے“، یہ بات ظاہر ہے کہ حکمراں اپنے لیے جو مال ودولت، عہدہ ومنصب، جاہ وعزت اور مقام ومنزلت، عیش وراحت تجویز کریں گے، وہ دوسرے کے لیے کیسے تجویز کریں گے؛ بل کہ جو اس میں ان کی ریس کرنا چاہے گا، اس کو قتل کریں گے یا سزائیں دیں گے یا اس کے لیے رکاوٹیں پیدا کریں گے۔

وہ تم کو قتل کریں گے یا گمراہ کریں گے

۵- پھر فرمایا کہ ”اگر تم ان کی نافرمانی کروگے، تو وہ تم کو قتل کردیں گے اور فرماں برداری کروگے، تو تم کو گمراہ کردیں گے“۔

کیوں کہ وہ لوگ اپنی نافرمانی کو برداشت نہیں کرتے، اگر چہ ان کی یہ نافرمانی اللہ کے دین کے لیے ہو، جیسے کسی حکمراں نے ایسا حکم دیا، جو خدا کے حکم کے خلاف ہو، تو اب یہاں حکمراں کی نافرمانی دراصل اللہ کے لیے ہے، مگر یہ حکمراں مسلمان ہو کر بھی اس کو پسند نہ کرے گا کہ اس کی نافرمانی کی جائے یا یہ کہ اللہ کے حکم پر لوگ چلیں؛ بل کہ اس کے حکم کو نہ ماننے پر قتل کردے گا اور اگر اس کی فرماں برداری کی جائے، تو چوں کہ وہ حکمِ خدا کے خلاف ہے، دین و شریعت کے خلاف ہے، اس لیے اس کے ماننے والے گمراہ ہوں گے۔

یہ حدیث اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل فرمائی تھی، جو حرف بہ حرف آج کے دور پر صادق آرہی ہے۔

ہم کیا کریں؟

۶ - اس کے بعد ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "جب یہ صورتِ حال پیش آنے والی ہے، تو ہم اس وقت کیا کریں اور کس طرح سے اس صورت حال سے نمٹیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہی کرو، جو حضرت عیسی بن مریم علیہما السلام کے اصحاب (حواریوں) نے کیا کہ ان کو آروں سے چیرا گیا اور سولی پر لٹکایا گیا" (مگر انھوں نے دین کو نہیں چھوڑا)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دورِ پُر فتن میں جب کہ اہلِ ایمان کو محض ان کے ایمان دار ہونے کی وجہ سے مشکلات پیش آئیں اور حکمراں طبقہ اپنی بے دینی اور اسلام دشمنی کی وجہ سے، ان اہلِ ایمان کو بے دینی پر مجبور کرنے اور لالچ اور خوف دلا کر ان کو ایمان سے متزلزل کرنے کی کوشش کرے، ایک صاحبِ ایمان کو کیا کرنا چاہیے،؟ اس کا جواب دیا ہے اور فرمایا کہ کسی کی طرف سے تم کو لالچ دیا جائے یا خوف کی بھٹی میں اس کو تپایا جائے، قتل و خون سے اس کو دو چار ہونا پڑے یا عہدوں و منصبوں کا لقمۂ تر اس کو پیش کیا جائے، ہر صورت میں اس کو ایمان پر مضبوطی سے جما رہنا چاہیے۔ اور اس استقامت علی الدین و تصلب علی الاسلام کے نتیجے میں اگر اس کو سولی کے تختے پر چڑھا دیا جائے یا آروں سے چیرا جائے یا بندوق کی گولی کا نشانہ بنا دیا جائے یا قید و بند کی صعوبتوں سے دو چار کیا جائے، تو ہر ابتلا و آزمائش کے لیے وہ تیار ہو جائے اور کسی

حال میں دین کو نہ چھوڑے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان کی تقویت کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں واصحاب کا ذکر بھی فرمایا کہ ان کو اسی دین کے راستہ میں آزمائشوں اور ابتلاؤں کا سامنا کرنا پڑا اور ان کو آروں سے چیرا گیا اور سولی پر لٹکایا گیا، مگر ان اللہ کے بندوں نے ہر چیز کو گوارا کیا مگر دین کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا؛ بل کہ دین پر جمے رہے۔

مسلمانو!

آج کا یہ دور بھی اہلِ اسلام کے خلاف سازشوں کا دور ہے، ان کو بدنام کر کے ان پر فردِ جرم عائد کرنے کی ناپاک چال بازیوں کا دور ہے، یہ وہ دور ہے، جس میں دین پر استقامت سے چلنے والے کو نہ صرف کفار وملحدین؛ بل کہ خود مسلمان کہلانے والے حکمراں بھی ترچھی نظروں سے دیکھ رہے ہیں، ان کو دہشت گردی کی طرف منسوب کر رہے ہیں اور ان کو دین پر چلنے سے باز رکھنے کی تدبیریں کر رہے ہیں، ان کی ڈاڑھیاں، ان کی اسلامی وضع قطع ان کے اعمال واخلاق، ان کی دین سے نسبت ومحبت، ان لوگوں کو کھٹک رہی ہے؛ حتی کہ بعض اسلامی ملکوں میں ڈاڑھی رکھنا ممنوع یا کم از کم معیوب ہو گیا ہے۔ بعض ملکوں میں قرآن کی تعلیم پر پابندی ہے اور اسلام پسندوں کے خلاف کارروائی جاری ہے، شاید اس سے قبل اتنے فتنوں کا اجتماع دنیا میں نہ ہوا ہو، جتنا کہ آج ہے۔

اس صورتِ حال میں، ہم سب کے لیے راہِ عمل وہی ہے، جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی کہ ”دین پر استقامت کے ساتھ چلتے رہیں“۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ

> ”آپ کے بعد آپ کی امت بہت سے فتنوں میں گھر جائے گی، اس سے خلاصی کی راہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ عزیز کی کتاب، جس کے پاس کوئی باطل نہیں آسکتا، نہ آگے سے نہ پیچھے سے، جو کہ خدائے حکیم وحمید کی طرف سے نازل کی گئی ہے“۔(۱)

---

(۱) کنز العمال: ۱/۳۷۹، حدیث: ۱۶۴۷

لہٰذا اس نسخۂ شفا کو حاصل کیا جائے اور اس پر عمل کر کے شفا و نجات حاصل کی جائے۔

خدا کی نافرمانی میں جینے سے، اطاعت میں مرجانا بہتر ہے

۷ ۔ اس حدیث کے آخر میں ارشادِ نبوی ہے:

« ومَوتٌ في طاعة اللّٰه خيرٌ من حياةٍ في معصيـة اللّٰه »

ترجمہ : یعنی اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے مرجانا، خدا کی نافرمانی کرتے ہوئے جینے سے بہتر ہے۔

اگر ایک مؤمن کو اس پر یقین آجائے، تو وہ کبھی خدا کی اطاعت سے روگردانی نہ کرے، خواہ لالچ اس کے سامنے آجائے یا خوف و دہشت؛ کیوں کہ مال و دولت، جاہ و عزت، آسائش و راحت، عیش و عشرت سب کی سب چیزیں فانی ہیں، ان کی وجہ سے اگر خدا کی معصیت کرے گا، تو یہ چیزیں تو زیادہ سے زیادہ موت آنے تک رہ سکتی ہیں، موت آتے ہی سب لذتیں اور راحتیں اور مال و دولت کے سارے خزانے چھوٹ جائیں گے اور معصیت کا وبال سر پر باقی رہ جائے گا۔

اور اگر کسی نے ان دنیوی و فانی لذتوں و راحتوں کو لات مار کر اللہ کی اطاعت میں جان دے دی، تو جان تو گئی مگر اس کے بدلے میں وہاں اس کو اللہ کی رضا کا پروانہ اور اس کے ساتھ دائمی راحتیں و لذتیں ملیں گی، اس لیے مؤمن صرف اور صرف خدا کی رضا چاہتا ہے، اس کی دنیا و آخرت کا واحد مقصد اس کی موت و حیات کی آخری منزل اور اس کے عمل و مجاہدے کا منتہیٰ یہی رِضائے الٰہی ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.﴾

ترجمہ : اے نبی! کہہ دیجیے کہ میری نماز، میرا حج، (یا قربانی) اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب کا سب) اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

اے اللہ! ہم کو اپنی رضا عطا فرما اور رضا والے اعمال کی توفیق عطا فرما اور صرف اپنی رضا کے لیے جینے اور مرنے کی توفیق عطا فرما یا اور اپنی رضا کے لیے مرنا پڑے تو، اے اللہ! مرنے کی ہمت عطا فرما اور اپنی ناراضی سے بچا اور ناراضی کے اعمال سے پناہ عطا فرما۔

آمین، یا ربَّ العَالَمِین!

تمت بفضل الله

هـٰذا آخر شرح أردتُ تعليقهُ علىٰ كتاب " العصر الحاضر في مِرآة الـحـديـث النبوي " للعلامة محمد يوسف اللُّدهيانوي رحمه الله والـحَـمْـدُ لـلّٰـهِ الَّـذي وفـقـني لتعليق الشرح علىٰ هٰذهِ الرِّسالةِ الـمفيـدة الـمُهِـمَّةِ ومَـنَّ عَـلـيَّ بإتمامهِ في مدةٍ يَسِيرةٍ مع قلة بِضـاعَتـي وقُصُورِ بَاعِي، ويَسَّرَلِي المُراجعَ من كتُب الحديث وشُـرُوحَاتهِ ؛ حتّىٰ تيسَّر لي تخريجَ الأحاديث وتَحْقِيقِها وتعليق الشَّـرح عـليهـا ؛ فـللّٰهِ الحَمْدُ أوَّلاً وآخراً ، وقد وقَع الفَراغُ من تَسْـوِيـدهِ فـي أوَّلِ سَاعةٍ من يوم الخميس ، ثالث شَعْبان المُعظَّم سـنة ثـلٰث وعشرين بعد أربع مِائَة وألْف من الهجرة النبوية على صاحبها الصلوة والسَّلام .

فقَط

وأنا الأحقر

مُحمَّد شُعَيبُ اللّٰه خان

مدير العام ، للجامعة الإسلامية مسـيح العلوم ،

بنجلور، كرناتک ،الهند .

المآخذ والمراجع

١	الأحاديث المختارة،تحقيق:د ،عبد الملك بن عبد الله بن دهيش	المطبوعة بدار خضر،بيروت،لبنان
٢	الأدب المفرد،تحقيق:سمير بن أمين زهيرى	طبع:مكتبة المعارف والتوزيع ، الرياض
٣	الإرشاد في معرفة علماء الحديث،تحقيق : محمد سعيدبن عمر إدريس	طبع:مكتبة الرشيد،الرياض
٤	الإعتصام للشاطبي،تحقيق : أبوعبيدة مشهوربن حسن ال سلمان	طبع:مكتبة التوحيد
٥	الإيمان لابن منده،تحقيق : دكتور علي بن محمد	طبع:مؤسسة الرسالة
٦	التمهيد لابن عبد البر ، تحقيق : مصطفىٰ العلوي ومحمد عبد الكبير البكري	
٧	الثقات لابن حبان	طبع:دائرة المعارف العثمانية ، حيدرآباد ،الهند
٨	الجامع لأخلاق الراوى وآداب السامع للبغدادي،تحقيق :محمود الطحان	طبع: مكتبة المعارف ،الرياض
٩	الجرح والتعديل لابن أبي حاتم	طبع: دائرة المعارف العثمانية ، حيدرآباد، الهند
١٠	الدر المنثور للسيوطي،تحقيق،عبد الله بن عبد المحسن التركي	طبع:مركز هجر للبحوث والدراسات

١١	الرسالة المستطرفة للكتاني	طبع: دار البشائر الإسلامية، بيروت،لبنان
١٢	الضعفاء الكبير للعقيلي،تحقيق، عبد المعطي امين قلعجي	طبع:دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان
١٣	كتاب العلل لابن حاتم	
١٤	العلل لدّارقطني،تحقيق :محفوظ الرحمٰن	طبع:دار طيبة ،الرياض
١٥	المسند للديلمي، تحقيق :سعيد بن يسبوني زغلول	طبع:دار الكتب العلمية
١٦	الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي،تحقيق :سهيل زكار	طبع:دار الفكر ،بيروت
١٧	المجروحين لابن حبان ، تحقيق: محمود ابراهيم زاهد	طبع:دار المعرفة ، بيروت ، لبنان
١٨	المحلّٰى لابن حزم،تحقيق : محمد منير الدمشقي	طبع:إدارة الطباعة المنيرية
١٩	المدخل إلىٰ السنن الكبرىٰ للبيهقي،تحقيق :ضياء الرحمٰن أعظمي	طبع:أضواء السلف ،الرياض
٢٠	المستدرک علی الصحيحين للنيسابوري	طبع: دار الحرمين للطباعة و النشروالتوزيع ، القاهرة
٢١	المعجم الكبير للطبراني،تحقيق : حمدي عبد الماجد السلفي	طبع :مكتبة ابن تيمية، القاهرة
٢٢	المعجم الصغير للطبراني	طبع:دار الكتب للعلمية ، بيروت،لبنان
٢٣	المعجم الأوسط للطبراني،تحقيق : طارق بن عوض اللّٰه وعبد المحسن بن إبراهيم	طبع:دار الحرمين للطباعة والنشروالتوزيع ، القاهرة

٢٤	المغني في الضعفاء ، تحقيق : دكتور نورالدين عتر	طبع: إدارة إحياء التراث الاسلامي،قطر
٢٥	نوادر الأصول في معرفة أحاديث الرسول للحكيم الترمذي تحقيق:توفيق محمود تكلة	طبع:دار النوادر
٢٦	أوجز المسالك إلى مؤطا مالك، تحقيق :تقي الدين الندوي	طبع:دارالقلم ، دمشق
٢٧	بذل المجهود في حل أبي داؤد للسهارنفوري	طبع:دار الكتب العلمية
٢٨	تاريخ البخاري الكبيرللإمام البخاري	طبع: دارالكتب العلمية
٢٩	تحفة الأحوذي للمباركفوري، تحقيق :عبد الرحمٰن محمد عثمان	طبع:دارالفكر للطباعة
٣٠	تفسير ابن كثير،تحقيق ، مصطفى السيد محمد و زُملا ئهُ	طبع: مؤسسة قرطبة
٣١	جامع البيان عن تاويل القرآن للطبري،تحقيق :عبد اللّٰه بن عبد المحسن التركي	طبع:دار الهجرللطباعةوالنشر والتوزيع
٣٢	الجامع لأحكام القرآن الشهيربتفسير القرطبي، تحقيق : عبد اللّٰه بن المحسن التركي	طبع:مؤسسة الرسالة ، بيروت
٣٣	تهذيب التهذيب للحافظ بن حجرالعسقلاني، تحقيق : إبراهيم الزيبق وعادل مرشد	طبع:مؤسسة الرسالة

٣٤	تهذيب الكمال في أسماء الرجال للمزي تحقيق ، بشارعوّادمعروف	طبع :مؤسسة الرسالة
٣٥	جامع العلوم والحكم لابن رجب الحنبلي تحقيق :محمد الأحمدي بن أبو النور	طبع :دار السلام للطباعة والنشر التوزيع
٣٦	حلية الاولياء وطبقات الأصفياء للأصفهاني	طبع :دار الكتب العلمية
٣٧	سنن البيهقي الكبرىٰ ، تحقيق : محمد عبدالقادر عطا	طبع: دار الكتب العلمية
٣٨	السنن الكبرىٰ للنسائي، تحقيق :حسن عبد المنعم شلبي	طبع :مؤسسة الرسالة
٣٩	سنن سعيد بن منصور ، تحقيق : سعد بن عبد اللّٰه آل حميد	طبع :دار الصميعي ، الرياض
٤٠	سير أعلام النبلاء للذهبي، تحقيق : دكتور بشار عوّاد معروف	طبع :مؤسسة الرسالة
٤١	اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي	طبع :دارطيبة للنشرو التوزيع، الرياض
٤٢	شرح صحيح المسلم للنووي	طبع :مؤسسة قرطبة
٤٣	شعب الإيمان للبيهقي،تحقيق : أبو هاجر محمد السعيد زغلول	طبع :دارالكتب العلمية
٤٤	صحيح ابن حبان ، تحقيق : شعيب الأرناؤط	طبع :مؤسسة الرسالة
٤٥	طبقات المحدثين بأصبهان لابن حبان أبي الشيخ الأنصاري ، تحقيق : عبدالغفورعبدالحق حسين	طبع :مؤسسة الرسالة

٤٦	عون المعبود شرح سنن أبي داؤد لشمس الحق العظيم آبادي، تحقيق : عبدالرحمٰن محمد عثمان	طبع: المكتبة السلفية بالمدينة المنورة
٤٧	فتح الباري للعسقلاني .تحقيق : عبدالعزيزبن عبد اللّٰه بن باز	طبع: دارالمعرفة ، بيروت ، لبنان
٤٨	فيض القدير للمناوي ، تحقيق : نخبة من العلماء الأجلاء	طبع: دار المعرفة ، بيروت ، لبنان
٤٩	كشف الخفاء ومزيل الإلباس للعجلوني تحقيق : يوسف بن محمود	طبع : مكتبة العلم الحديث
٥٠	كنز العمال للمتقي الهندي ، تحقيق: صفوة السقاء وبكري الحياني	طبع: مؤسسة الرسالة
٥١	لسان العرب لابن منظور ،تحقيق :أمين محمد عبد الوهاب ومحمد الصادق العبيدي	طبع: دارإحياء التراث العربي ومؤسسة التاريخ العربي
٥٢	لسان الميزان للعسقلاني، تحقيق : عبدالفتاح أبوغدة	طبع: مكتبة المطبوعات الإسلامية
٥٣	مجمع الزوائد للهيثمي، تحقيق : عبداللّٰه محمد الدرويش	طبع: دار الفكر ، بيروت
٥٤	مرقاة المفاتيح لعلي القاري، تحقيق :جمال عيتاني	طبع: دار الكتب العلمية
٥٥	المصنف لابن أبي شيبة ،تحقيق : محمدعوامة	طبع: شركة دار القبلة
٥٦	المصنف لعبد الرزاق ، تحقيق : حبيب الرحمٰن الأعظمي	طبع: من منشورات المجلس العلمي

٥٧	موارد الظمآن للهيثمي، تحقيق : حسين سليم أسد الداراني وعبده علي الكوشك	طبع: دار الثقافة العربية، دمشق
٥٨	موسوعة الحديث الشريف، الكتب الستة	طبع: دار السلام للنشر والتوزيع
٥٩	مؤطا مالك ، تحقيق : مصطفىٰ الأعظمي	طبع: مؤسسة زائد بن سلطان آل نهيان
٦٠	ميزان الاعتدال في نقد الرجال للذهبي، تحقيق : علي محمد معوض وعادل عبدالموجود	طبع: دار الكتب العلمية
٦١	نصب الراية لأحاديث الهداية للزيلعي، تحقيق : محمد عوامة	طبع: مؤسسة الرسالة الريان
٦٢	نيل الأوطار للشوكاني	طبع: شركة مكتبة ومطبعة مصطفىٰ البابي الحلبي
٦٣	الترغيب والترهيب للمنذري، تحقيق : أبو صهيب الكرمي	طبع: بيت الأفكار الدولي
٦٤	الزهد الكبير للبيهقي ، تحقيق : عامر أحمد حيدر	طبع: دار الجنان ومؤسسة الكتب الثقافية
٦٥	الزهد لابن أبي عاصم ، تحقيق : عبدالعلي عبد الحميد حامد	طبع: دارالريان للتراث، القاهرة
٦٦	الزهد والرقائق لابن المبارك، تحقيق : حبيب الرحمن الأعظمي	طبع: دار الكتب العلمية
٦٧	الزهد لابن حنبل الشيباني	طبع: دار الكتب العلمية
٦٨	الزهد لهناد السري، تحقيق : عبدالرحمٰن بن عبد الجبار الفريوائي	طبع: دار الخلفاء للكتاب الإسلامي
٦٩	السنة لابن أبي عاصم	طبع: المكتب الإسلامي ، بيروت

٧٠	السنة لعبدالله بن أحمد بن حنبل ، تحقيق: محمدبن سعيد القحطاني	طبع:دار عالم الكتب ، الرياض
٧١	السنة للمروزي، تحقيق : عبد الله بن محمد البصيرى	طبع:دار العاصمة ،الرياض
٧٢	السنن الواردة في الفتن للمقري الداني ، تحقيق : رضاء الله المباركفوري	طبع:دار العاصمة ،الرياض
٧٣	العلل المتناهية لابن الجوزى ، تحقيق ، شيخ خليل الميس	طبع:دار الكتب العلمية
٧٤	كتاب الفتن لنعيم بن حماد ، تحقيق : سمير بن امين الزهيري	طبع:مكتبة التوحيد ،القاهرة
٧٥	الفوائد المجموعة في الأحديث الموضوعة للشوكاني،تحقيق،المعلمي	طبع:المكتب الاسلامي،بيروت
٧٦	المنار المنيف لابن القيم ، تحقيق : عبدالفتاح أبوغدة	طبع:مكتب المطبوعات الإسلامية
٧٧	أمالي المحاملي رواية ابن يحيىٰ البيع ، تحقيق : إبراهيم إبراهيم القيسي	طبع:دار ابن القيم
٧٨	أمثال الحديث للرامهرمزي،تحقيق : عبد العلي عبد الحميد الأعظمي	طبع:الدار السلفية ، مومبائي ، الهند
٧٩	بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث للهيثمي،تحقيق :حسين أحمد صالح الباكري	
٨٠	سنن الدارمي،تحقيق :حسين سليم أسد	طبع:دار المغني
٨١	صفة النفاق وذم المنافقين للفريابي،تحقيق :عبد الرقيب بن علي	طبع:دار ابن زيدون ، بيروت

٨٢	طبقات الحفاظ للسيوطي،تحقيق : لجنة من العلماء	طبع:دار الكتب العلمية
٨٣	مشاهير علماء الأمصار لابن حبان البستي،تحقيق :مجدي بن منصور الشورى	طبع:دار الكتب العلمية
٨٤	مفتاح الجنة في الاحتجاج بالسنة للسيوطي	طبع:إرادة الطباعة المنيرية
٨٥	مسند البزار لأبي بكر البزار، تحقيق : محفوظ الرحمٰن زين اللّٰه	طبع:مؤسسةعلوم القرآن ومكتبة العلوم والحكم
٨٦	مسند أبي عوانة، تحقيق : أيمن بن عارف الدمشقي	طبع:دار المعرفة ، بيروت
٨٧	مسند أبي يعلىٰ الموصلي،تحقيق :حسين سليم أسد	طبع:دار المامون للتراث
٨٨	مسند اسحاق بن راهويه ، تحقيق : عبد الغفور عبد الحق حسين برالبلوشي	طبع:مكتبة الأيمان ، المدينة المنورة
٨٩	مسند الإمام أحمد بن حنبل ، تحقيق : شعيب الأرناوط و زملائه	طبع:مؤسسة الرسالة
٩٠	مسند الحميدي ، تحقيق : حبيب الرحمٰن الأعظمي	طبع:عالم الكتب ، بيروت
٩١	مسند الشاميين للطبراني، تحقيق : حميدي عبد المجيد السلفي	طبع:مؤسسة الرسالة
٩٢	مسند الشهاب للقضاعي، تحقيق : حمدي عبد المجيد السلفى	طبع:مؤسسة الرسالة
٩٣	مسند أبي داود الطيالسي لابن الجارود ، تحقيق : محمد بن عبد المحسن التركي	طبع:دار هجر للطباعة والتوزيع
٩٤	إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، تحقيق : عبد العزيز الخالدي	طبع:دار الكتب العلمية

۹۵	تنویر الحوالک شرح علی مؤطا مالک للسیوطي ، تحقیق : عبد العزیز الخالدي	طبع:دار الکتب العلمیة ، بیروت
۹۶	مسند الشاشي، تحقیق : محفوظ الرحمٰن زین اللّٰه	طبع:مکتبة العلوم الحکم ، المدینة المنورة
۹۷	ریاض الصالحین ، تحقیق : علی عبدالحمید أبو الخیر	طبع:فیصل ، دیوبند ، الهند
۹۸	التعلیق الصبیح للکاندهلوي	طبع:مطبعة الاعتدال،دمشق، الشام
۹۹	الموضوعات لابن الجوزي ، تحقیق : نورالدین شکري	طبع:أضواء السلف
۱۰۰	التدوین في أخبارتزوین للقزویني، تحقیق :عزیز اللّٰه العطاردي	طبع:دار الکتب العلمیة
۱۰۱	الإصابة في تمییز الصحابة للعسقلاني، تحقیق:عبد اللّٰه بن المحسن الترکي	طبع:مرکزهجر للبحوث والدراسات
۱۰۲	سلسلة الأحادیث الصحیحة للالباني	طبع:مکتبة المعارف للنشر والتوزیع،الریاض
۱۰۳	سلسلة الأحادیث الضعیفة والموضوعة للألباني	طبع:مکتبة المعارف،الریاض
۱۰۴	تاریخ بغداد للخطیب البغدادي، تحقیق: دکتور بشار عواد معروف	طبع:دار الکتاب العربي ، بیروت
۱۰۵	المصنوع في معرفة الحدیث الموضوع للقاري ،تحقیق : عبد الفتاح أبوغدة	طبع:مکتب المطبوعات الإسلامیة
۱۰۶	غیاث الأمم لإمام الحرمین، تحقیق : مصطفیٰ حلمي وفؤاد عبد المنعم	طبع:دار الدعوة،الإسکندریة
۱۰۷	الأحکام السلطانیة للماوردي، تحقیق : أحمد مبارک البغدادي	طبع:مکتبة دار ابن قتیبة،الکویت

۱۰۸	تقریب التہذیب ، تحقیق : عوامة	طبع :دار الرشید
۱۰۹	الکاشف للذہبي،تحقیق : شیخ عوامة،وأحمد محمد نمر الخطیب	طبع :دار القبلة للثقافة الإسلامیة
۱۱۰	الضعفاء والمتروکون لابن الجوزي، تحقیق :أبو الفداء عبد اللّٰہ القاضي	طبع :دار الکتب العلمیة
۱۱۱	کتاب الکبائر للذہبي	طبع :دار الکتاب ، بیروت
۱۱۲	تفسیر المظہری	طبع :"جید برقي بریس ، دہلی
۱۱۳	مصباح الزجاجة علی سنن ابن ماجه للبوصیري ، تحقیق : خلیل مامون	دار المعرفة ، بیروت
۱۱۴	الریاض النضرة في مناقب العشرة للطبري، تحقیق :عبد المجید طعمة حلبي	دار المعرفة ، بیروت
۱۱۵	بحر الدم فیمن تکلم فیه الامام احمد بمدح او ذم ، لابن المبرد ، تحقیق: روحیة عبد الرحمن السویفي	طبع: دار الکتب العلمیة ، بیروت
۱۱۶	العقیدة الواسطیة لابن تیمیة ، تحقیق: ابو محمد اشرف بن عبد المقصود	طبع: اضواء السلف
۱۱۷	رد المحتار علی الدر المختار ، تحقیق : عادل احمد عبد الموجود ، علی محمد عوض	طبع: دار عالم الکتب ، الریاض
۱۱۸	العقیدة الطحاویة للامام الطحاوي	طبع : دار ابن حزم
۱۱۹	متن الرسالة لابن ابی زید القیروانی	طبع : المکتبة الثقافیة ، بیروت
۱۲۰	جمع الفوائد لمحمد بن سلیمان المغربي ، تحقیق : ابو علی سلیمان بن دریع	طبع : دار ابن حزم